وقت کے سائے میں

دنیا و آخرت

مؤلف

مولانا ڈاکٹر عبد الرحمن ساجد الاعظمی

سابق استاذ جامعہ عربیہ امدادیہ مراد آباد

ناشر

دار الفکر والادب کوٹریا پار ضلع مئو، یوپی

وقت کے سائے میں
دنیا و آخرت

مؤلف

مولانا ڈاکٹر عبد الرحمن ساجد الاعظمی
سابق استاذ جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

زیر اہتمام

مفتی حسان ساجد قاسمی ندوی
ریسرچ اسکالر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا

پیش کش

دار الفکر و الادب کوئریا پار ضلع مئو یوپی

نام کتاب ـــــــــــــ وقت کے سائے میں دنیا وآخرت
مؤلف ـــــــــــــ ڈاکٹر عبدالرحمٰن ساجد الاعظمی
تعداد اشاعت ـــــــــــــ اگیارہ سو (۱۱۰۰)
تاریخ اشاعت ـــــــــــــ ۲۰۲۱ء
پروف ریڈنگ ـــــــــــــ مفتی حسان ساجد قاسمی ندوی
کمپوزنگ وٹائٹل ڈیزائن ـــ (8126462740) مولوی اُسامہ ساجد قاسمی

Price: 200.00

سلسلہ تالیفات (۳)
دارالفکر والادب کوئریا پار ضلع مئو، یوپی، انڈیا

DARUL -FIKR-E- WAL ADAB
At. & Post. Koiriyapar 275306
Distt Mau. U.P. India
Email. sajidmbd786@gmail.com
Contact No. 09412805587

Union Bank
Name: Abdur Rahman Azmi
A/c. No 703002010002115
IFSC : UBIN0570303

Price: Rs./=200

آئینۂ کتاب

شمار	عنوان	صفحہ	❖	شمار	عنوان	صفحہ
۱	عرض ناشر	۸	❖	۲۱	فخر،نسب پر نہیں،علم وادب پر زیبا ہے	۵۷
۲	مُقدّمہ مولانا سید رابع حسنی مدظلہٗ	۱۰	❖	۲۲	بشرط ایمان،نسبی تعلق آخرت میں نفع دے گا۔	۵۸
۳	رائے عالی مولانا سعید الرحمٰن اعظمی مدظلہٗ	۱۲	❖	۲۳	دوسری قسم	۵۹
۴	کچھ اپنی سرگذشت،اب اپنے قلم سے لکھ	۱۴	❖	۲۴	تیسری قسم	۶۱
۵	وقت کی تعریف کیا ہے؟	۲۵	❖	۲۵	وقت کی اہمیت اور قدر وقیمت	۶۲
۶	وقت کی حفاظت	۳۱	❖	۲۶	وقت کی رفتار اور اس کا شعور	۶۷
۷	ذمہ داری کا احساس	۳۴	❖	۲۷	جوانی کی عمر	۶۹
۸	انبیاء کرام کی آمد کا مقصد	۳۵	❖	۲۸	ملک الموت سے مکالمہ	۷۱
۹	تربیت اولاد کی فکر	۳۶	❖	۲۹	انسان کے تخلیقی مراحل	۷۳
۱۰	بیٹوں کو باپ کی نصیحت	۳۹	❖	۳۰	زندگی کے ہنگامے	۷۴
۱۱	ابن جوزی کی نصیحت	۴۰	❖	۳۱	مکان،موسم اور وقت کا تنوّع	۷۵
۱۲	امام غزالی کی نصیحت	۴۳	❖	۳۲	موسم کے تغیرات	۷۸
۱۳	علامہ اقبال کی نصیحت	۴۵	❖	۳۳	جہان دوش وفردا	۸۱
۱۴	ہر فرد ملت کو سلطان ٹیپو کی نصیحت	۴۶	❖	۳۴	قدرت کی بے مثال صناعی	۸۳
۱۵	وقت اور خودی	۴۷	❖	۳۵	سردی،گرمی اور موسم باراں	۸۶
۱۶	وقت اور زندگی	۵۰	❖	۳۶	شکر اور کفرانِ نعمت	۹۱
۱۷	زندگی کا سب سے خوبصورت دور	۵۲	❖	۳۷	نعمتوں کا ذکر شکر پر ترغیب دلانا ہے	۹۳
۱۸	امت محمدیہ کی تقسیم	۵۵	❖	۳۸	نعمتوں کی بقاء اور زیادتی شکر کرنے پر ہے	۹۵
۱۹	پہلی قسم	۵۵	❖	۳۹	حکایت	۹۶
۲۰	نسب فخر وغرور کیلئے نہیں تعارف کیلئے ہے	۵۶	❖	۴۰	نعمتوں پر شکر عقلمندی اور سعادت مندی ہے	۹۹

۴۱	ناشکری کا انجام	۱۰۱	❖	۶۴	سلام کے کچھ احکام وآداب	۱۳۳
۴۲	پہلا واقعہ	۱۰۲	❖	۶۵	سلام کے بعد مصافحہ	۱۳۴
۴۳	دوسرا واقعہ	۱۰۲	❖	۶۶	صدقہ کی اہمیت	۱۳۵
۴۴	مرسلین ومقربین کوشکر گزاری کا حکم	۱۰۵	❖	۶۷	جوخرچ ہوگیا وہی باقی ہے	۱۳۶
۴۵	حضرت سلیمان کا انداز شکر	۱۰۶	❖	۶۸	صدقہ کے خواص	۱۳۷
۴۶	حضرت ابراہیم کا مختصر تعارف	۱۰۷	❖	۶۹	صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا	۱۳۷
۴۷	محسن کا شکر	۱۰۸	❖	۷۰	اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے	۱۳۹
۴۸	دین فطرت اور وقت کی اہمیت	۱۰۹	❖	۷۱	مرحومین کو صدقہ کا ثواب	۱۴۰
۴۹	آخرت کا خیال اور عمل کی تڑپ	۱۱۰	❖	۷۲	صلہ رحمی کی برکت اور قطع رحمی پر وعید	۱۴۱
۵۰	پیادہ پا راتوں رات گنگوہ کا سفر	۱۱۱	❖	۷۳	قیام لیل کی فضیلت	۱۴۳
۵۱	دنیا دار العمل ہے	۱۱۳	❖	۷۴	دنیاوی زندگی کے دو پہلو	۱۴۷
۵۲	نظام کیلئے وقت کی تعیین وتحدید ضروری ہے	۱۱۵	❖	۷۵	دنیاوی زندگی کی رونقیں آزمائش کیلئے ہیں	۱۵۲
۵۳	نماز	۱۱۵	❖	۷۶	علم والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں	۱۵۳
۵۴	روزہ	۱۱۶	❖	۷۷	وقت، دین ودنیا کی بڑی دولت ہے	۱۵۵
۵۵	زکوٰۃ	۱۱۷	❖	۷۸	وقت کس طرح قیمتی بنتا ہے	۱۵۷
۵۶	حج	۱۱۷	❖	۷۹	غلط فہمی	۱۵۸
۵۷	روزی کی تقسیم	۱۱۹	❖	۸۰	پُل صراط کا خوف	۱۵۹
۵۸	حضرت جنید بغدادیؒ	۱۲۰	❖	۸۱	علم کا شوق، وقت کا تحفظ اور حضرت گنگوہیؒ	۱۶۱
۵۹	خوف الٰہی اور وقت کی قدر	۱۲۳	❖	۸۲	علامہ کشمیری علمی انہماک اور خداداد قوت حافظہ	۱۶۴
۶۰	سلام اور اسکی فضیلت	۱۲۵	❖	۸۳	شادی کی داستان	۱۶۵
۶۱	سلام کی اہمیت	۱۲۸	❖	۸۴	مطالعہ کی حرص اور علم سے بے انتہاء محبت	۱۶۸
۶۲	سلام کا اجر اور اس کا فائدہ	۱۲۹	❖	۸۵	حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کی جلالت شان	۱۷۰
۶۳	ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق	۱۳۱	❖	۸۶	صدیق اکبر کو ایک شیعہ کی دشنام طرازی	۱۷۱

۸۷	کرامات اولیاء حق ہیں	۱۷۵	❖	۱۰۸	قارون کا انجام	۲۱۴
۸۸	دنیا اور آخرت	۱۷۹	❖	۱۰۹	انسان کیا ہے؟	۲۱۵
۸۹	دنیا کی زندگی چند دنوں کا کھیل، تماشہ ہے	۱۸۲	❖	۱۱۰	کیا موت وحیات زمانے کا کھیل ہے	۲۱۶
۹۰	آخرت کے مقابلہ میں دنیا کیا ہے؟	۱۸۲	❖	۱۱۱	دنیا کی محبت ہر بُرائی کی جڑ ہے	۲۱۹
۹۱	دنیا کی حقیقت فرمان نبی ﷺ کی روشنی میں	۱۸۴	❖	۱۱۲	حکایت	۲۲۰
۹۲	دنیا کے بجائے آخرت کے طلبگار بنو	۱۸۶	❖	۱۱۳	دنیا سے محبت، آخرت سے وحشت	۲۲۲
۹۳	دنیا اور دنیا کی ہر چیز ملعون ہے	۱۸۶	❖	۱۱۴	آخرت کی کھیتی	۲۲۴
۹۴	دنیا اگر مقصود بن جائے تو گناہوں سے بچنا ممکن نہیں	۱۸۸	❖	۱۱۵	عالمِ آخرت	۲۲۶
۹۵	دنیا اور آخرت پر حضورؐ کا ایک موثر خطاب	۱۸۹	❖	۱۱۶	ایک بدوی کا قصہ	۲۲۷
۹۶	دنیا سے زیادہ محبت نہ کرو	۱۹۱	❖	۱۱۷	واقفیت نہ ہو تو قدر نہیں ہوتی	۲۲۹
۹۷	دنیا کیا ہے؟	۱۹۲	❖	۱۱۸	جب واقف ہو جاتا ہے تو قدر کرتا ہے	۲۳۱
۹۸	دنیا سے محبت انسانی فطرت ہے	۱۹۳	❖	۱۱۹	حضرت ابو بکر کو صدیقیت کا مقام	۲۳۲
۹۹	دنیا کی چند محبوب چیزوں کا تذکرہ	۱۹۸	❖	۱۲۰	دنیا سے آخرت کا سفر	۲۳۳
۱۰۰	دنیا سے محبت کس حد تک مطلوب ہے	۲۰۰	❖	۱۲۱	جنت کی فکر نے سب سے بے نیاز کر دیا	۲۳۴
۱۰۱	کسبِ دنیا اور حب دنیا میں فرق	۲۰۲	❖	۱۲۲	جنت اور اس کے دلکش مناظر	۲۴۰
۱۰۲	دنیا کی حقیقت کیا ہے	۲۰۳	❖	۱۲۳	جنت کہاں واقع ہے	۲۴۱
۱۰۳	نباتات اور کھیتی سے انسان کی مثال	۲۰۶	❖	۱۲۴	جنت کا راستہ	۲۴۱
۱۰۴	لہو ولعب کیا ہے؟	۲۰۶	❖	۱۲۵	دین اسلام اور جنت	۲۴۳
۱۰۵	دنیا کی حالت کیا ہے؟	۲۰۹	❖	۱۲۶	جنت کے دروازہ کی چابی	۲۴۴
۱۰۶	دنیا کی دولت معیار فضیلت نہیں	۲۱۰	❖	۱۲۷	جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور جہنم کے سات	۲۴۵
۱۰۷	باغی قوموں کا تذکرہ اور ان کا انجام	۲۱۳	❖	۱۲۸	جنت کی چوکھٹ	۲۴۶

۱۲۹	جنت کے دروازوں کی چوڑائی	۲۴۷	❖	۱۵۰	نہر بارق	۲۶۵
۱۳۰	جنت کی دیوار اور اس کا صحن	۲۴۸	❖	۱۵۱	بڑھیا جوان ہوکر جنت میں جائیگی	۲۶۶
۱۳۱	جنت کی تعمیرات کیسی ہوں گی	۲۴۸	❖	۱۵۲	جنتی، جنت کی بہاروں میں	۲۶۷
۱۳۲	جنت کی عیش بھری زندگی	۲۴۹	❖	۱۵۳	جنت میں ہر خواہش پوری ہوگی	۲۶۸
۱۳۳	متقین کیلئے جنت میں دو باغ	۲۵۰	❖	۱۵۴	جنت کے جام شراب اور چشمے	۲۶۸
۱۳۴	جنت کے ان باغوں کے اوصاف	۲۵۰	❖	۱۵۵	جنت کے بالا خانے	۲۷۱
۱۳۵	جنت کی حوریں	۲۵۲	❖	۱۵۶	جنت کے بازار کی عجیب وغریب نرالی شان	۲۷۵
۱۳۶	جنت کا ایک خیمہ	۲۵۴	❖	۱۵۷	اللہ ہمیں اور آپکو جنت کے بازار میں ملادے	۲۷۷
۱۳۷	مقربین اور اصحاب الیمین کی جنت	۲۵۵	❖	۱۵۸	بازار جس میں خرید وفروخت نہ ہوگی	۲۷۸
۱۳۸	درخت سدرہ (بیری) کی لمبائی	۲۵۸	❖	۱۵۹	جنت میں دنیا کی عورتیں	۲۷۸
۱۳۹	جنت کے درخت کی لمبائی	۲۵۸	❖	۱۶۰	دنیا کی بیوی جنت میں بھی بیوی رہے گی	۲۷۹
۱۴۰	شجرۃ الخلد	۲۵۹	❖	۱۶۱	دین میں اخلاق کی اہمیت	۲۸۰
۱۴۱	ختم قرآن پر جنت کے درخت کا تحفہ	۲۵۹	❖	۱۶۲	جنت میں پہونچنے کے بعد ایک اعلان	۲۸۲
۱۴۲	جنت کی نہریں	۲۶۰		۱۶۳	جہنم اور اس کے دردناک مناظر	۲۸۳
۱۴۳	چار سمندر جس سے نہریں نکلتی ہیں	۲۶۳	❖	۱۶۴	جہنم کس قدر خوفناک ہے	۲۸۶
۱۴۴	ہر محل میں چار نہریں	۲۶۳	❖	۱۶۵	جبرئیل بھی روئے اور حضورؐ بھی روئے	۲۸۷
۱۴۵	مزید چند نہروں کا تذکرہ	۲۶۴	❖	۱۶۶	جہنم پیدا ہوئی تو بہت سے فرشتے کبھی نہیں ہنسے	۲۸۹
۱۴۶	نہر کوثر	۲۶۴	❖	۱۶۷	جہنم سے خطرناک کوئی منظر نہیں	۲۹۰
۱۴۷	نہر ریان	۲۶۴	❖	۱۶۸	حیوانات و جمادات کو جہنم کا خوف	۲۹۱
۱۴۸	نہر بیدخ	۲۶۴	❖	۱۶۹	جہنم خود جہنم سے پناہ مانگتی ہے	۲۹۲
۱۴۹	نہر ہرول	۲۶۵	❖	۱۷۰	جنت اور جہنم کہاں واقع ہیں	۲۹۳

۱۷۱	جب جہنم کو پیدا کیا گیا	۲۹۵	❖	۱۸۸	زقوم کا درخت		۳۱۳
۱۷۲	جہنم اور جہنم کی ہر چیز سخت سیاہ ہے	۲۹۶	❖	۱۸۹	جہنمیوں کی کچھ اور غذائیں		۳۱۵
۱۷۳	جہنم کی گرمی، سردی، غصہ اور اسکی غضبناک آواز	۲۹۸	❖	۱۹۰	دوزخیوں کا لباس اور اوڑھنا بچھونا		۳۱۷
۱۷۴	جہنم کی شدید ٹھنڈ	۲۹۹	❖	۱۹۱	دوزخیوں کے جسم، چہرے اور زبان		۳۲۰
۱۷۵	جہنم کا غصہ اور اسکی آواز	۲۹۹	❖	۱۹۲	جہنمی کا جسم		۳۲۰
۱۷۶	جہنم کے انگارے اور دھوئیں کے سائبان	۳۰۰	❖	۱۹۳	جہنمی کا چہرہ رجہنمی کی کھال		۳۲۱
۱۷۷	جہنم کے پہاڑ، وادیاں، کنویں اور نہریں	۳۰۲	❖	۱۹۴	جہنم کے دروازے اور منازل		۳۲۳
۱۷۸	وادی ویل	۳۰۴	❖	۱۹۵	اہل ایمان کیلئے فرشتوں کی دعاء		۳۲۵
۱۷۹	وادی غی اور اثام	۳۰۴	❖	۱۹۶	جہنم کی یاد اور اس کے ذکر سے رونا		۳۲۶
۱۸۰	وادی ہویٰ	۳۰۵	❖	۱۹۷	جہنم پر ہر ایک کو پہونچنا ہے		۳۲۷
۱۸۱	وادی فلق	۳۰۶	❖	۱۹۸	جہنم پر ورود کی نوعیت		۳۲۸
۱۸۲	وادی سعیر	۳۰۶	❖	۱۹۹	پل صراط کے احوال		۳۲۹
۱۸۳	وادی موبق	۳۰۷	❖	۲۰۰	مؤمن کے گذرتے وقت جہنم کی کیفیت		۳۳۱
۱۸۴	وادی جُبُّ الحزن	۳۰۷	❖	۲۰۱	پل صراط سے کون گذرے گا		۳۳۱
۱۸۵	جہنم کے طوق و سلاسل اور ہتھوڑے	۳۰۸	❖	۲۰۲	جنت اور جہنم کی سفارش		۳۳۳
۱۸۶	جہنم کا ہتھوڑا اور اسکی خاصیت	۳۱۱	❖	۲۰۳	جنت مانگئے اور جہنم سے دور بھاگئے		۳۳۴
۱۸۷	دوزخیوں کی مہمانی اور کھانا پینا	۳۱۲	❖	۲۰۴	جہنم سے حفاظت اور نجات		۳۳۵
۲۰۵	مکتوب گرامی حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہ				۳۳۸	عکس تحریر مکتوب گرامی	۳۳۹

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

عرض ناشر

شہر مئو سے شمال مغرب کی جانب ایک چھوٹی سی علمی بستی کوئریا پار کے نامور، مقتدر عالم، ادیب ومفکر محترم مولانا ڈاکٹر عبدالرحمٰن ساجدالاعظمی (سابق استاذ جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد) خطیب جامع مسجد کوئریاپار ضلع مئو کی مایۂ ناز اور شہرۂ آفاق شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ مولانا موصوف کی ہمہ گیر اور ہمہ جہت خدمات خواہ اس کا تعلق تدریس وتعلیم سے ہو، یا تصنیف وتالیف سے، صحافت وخطابت سے ہو یا زبان وادب سے، بلاشبہ وہ گراں قدر اور ناقابل فراموش ہیں۔

دوسال قبل قصبہ ادری محلّہ فیض نگر میں مورخہ ۱۹؍جون ۲۰۱۹ء بروز یکشنبہ ایک عظیم الشان ’’تعلیمی، صنعتی کانفرنس‘‘ کا انعقاد ہوا، جس میں محترم مولانا ڈاکٹر ساجد الاعظمی صاحب مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو تھے۔ اس زریں موقع پر محترم موصوف سے بالمشافہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ زہے نصیب کہ میری رہائش گاہ پر ہی آپ کا قیام رہا۔

دورانِ گفتگو مولانا نے بتایا کہ میری نئی کتاب ’’وقت کے سائے میں دنیاوآخرت‘‘ عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ اس سے قبل حج کی کتاب ’’حج کا آسان طریقہ‘‘ متعدد بار مرادآباد سے طبع ہوچکی ہے۔ یہ بات جان کر مجھے دلی خوشی ہوئی اور ساتھ ہی

ناچیز کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ مولانا اپنی کتاب کو میرے چھوٹے سے مکتبہ حارث سے طبع ہونے کی اجازت مرحمت فرمادیں۔تاکہ مکتبہ کو چار چاند لگ جائے۔مولانا محترم نے میری اس دلی آرزو کو قبول فرماتے ہوئے اشاعت کی اجازت اور جملہ حقوق واختیارات عطافرمادئے۔اوراسی کے ساتھ''حج کا آسان طریقہ''اور'' رہنمائے عمرہ'' کی طباعت واشاعت کا حق بھی مجھے عنایت فرمادیا،جو میرے لئے بے حد مسرت وسعادت کی بات ہے اور''مکتبہ حارث'' کیلئے بھی موجب افتخار ہے۔

اس الطاف کریمانہ کیلئے میں مولانا موصوف کا خلوص دل سے ممنون ومشکور ہوں۔اور دعاء گوہوں کہ اللہ رب العزت ہماری اس محنت کو قبول فرمائے اور ذریعہ نجات بنائے۔آمین

نیازمند

محمد شاہد قاسمی ادروی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ

نمونۂ سلف، مرشد الملت
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ و ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين سيد نا محمد بن عبدالله الأمين ، وعلى آله وصحبه أجمعين ، وعلى من تبعهم بإحسان ودعا بدعوتهم إلى يوم الدين وبعد!

تقدیر پر ایمان ویقین، نبوت ورسالت پر اور رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ کی لائی ہوئی شریعت آخری شریعت ہے، اور اسی پر چلنے اور اسے اختیار کرنے میں ہی دنیا وآخرت کی کامیابی ہے، اور آخرت پر ایمان کہ دنیا میں جو کچھ کیا ہے وہ اچھا ہے یا برا، اس پر جزا اور سزا کا ایک نظام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے ،" إن إلينا إيابهم ثم إن علينا حسابهم " کہ ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور ہمارے ہی ذمہ ہے ان سے حساب لینا۔

یہ ایمان ویقین ہی وہ دولت ہے جو زندگی کی قدر و قیمت اور وقت کے صحیح استعمال پر ابھارتی، اچھی اور پاکیزہ زندگی کی توفیق دیتی ہے، اس کے ساتھ اگر اللہ کی یاد اور ہر کام کرتے وقت اس کی رضا جوئی کی فکر اور اس کی شریعت پر صحیح طور پر چلنے کا جذبہ رہے تو یہ وصف بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ زندگی سنت کے مطابق ڈھلنے لگ جاتی ہے، ارشاد ربانی ہے۔

" لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الآخر وذكر الله كثيراً"[سورہ احزاب :۲۱] (یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) میں عمدہ نمونہ

ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے۔)

وقت کی قدر و قیمت اور اس کا صحیح استعمال دنیا کو بھی بہتر اور آخرت کو بہت بہتر بناتا ہے، اور اس بہتری کی دعا بھی مسنون ہے، اور مروی دعاؤں میں بڑی اہمیت کی حامل ہے " ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و في الآخرة حسنة وقنا عذاب النار"۔ (اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بہتری عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے نجات دے)۔

مقام مسرت ہے کہ فاضل گرامی مولانا ڈاکٹر عبدالرحمٰن ساجد الاعظمی (سابق استاذ مدرسہ عربیہ امدادیہ، مرادآباد) نے وقت اور اس کی قدر و قیمت کو موضوع بنا کر ایک جامع اور عمدہ تصنیف پیش کی اور اس کا نام "وقت کے سائے میں دنیاوآخرت" رکھا۔

کتاب کے مشتملات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتاب کے پیچھے ایک ہی مقصد ہے کہ انسان وقت کی قدر و قیمت کو پہچانے تاکہ خود عظیم بن جائے اور وقت کو مفید کاموں میں لگائے تاکہ خود کو اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچا سکے، اس لئے کہ وقت انسان کی زندگی میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے، وقت کی اسی معنویت اور زندگی کی اصل حقیقت کہ دنیا کی زندگی فانی ہے اور آخرت کی زندگی ابدی اور دائمی ہے، کو اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔ ہم اس کی قبولیت اور اس کے نفع کے زیادہ سے زیادہ عام ہونے کی امید کرتے ہیں اور دعا گو ہیں۔ وما ذلك على الله بعزيز ۔

(محمد رابع حسنی ندوی)

ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۴ر ربیع الاول ۱۴۴۲ھ

۲ر نومبر ۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رائے عالی

ادیب الملت ، مدیر ''البعث الاسلامی''
حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم
مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

وقت کی قیمت اور اہمیت

اس عالم فانی میں جو متاع زندگی سب سے زیادہ اہم اور قیمت کے لحاظ سے سب سے زیادہ قیمتی ہے، وہ دراصل ''وقت اور زمانہ'' ہے، دنیا کی ہر قیمتی اور اعلیٰ سے اعلیٰ متاع ختم ہونے کے بعد دوبارہ حاصل کی جاسکتی ہے۔ انسان اپنے عزیز بھائیوں، اساتذہ اور بزرگوں اور اپنے لخت جگر سے وقتی طور پر محروم ہوجاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کا بدل یا نعم البدل جلد ہی عطا فرمادیتے ہیں، اکثر دیکھا گیا ہے کہ کسی کا عزیز ترین لخت جگر بیٹا اچانک دنیا سے رخصت ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا بہترین بدل یا اس کے قائم مقام دوسرا لخت جگر عطا فرمادیا۔

اس بنیاد پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وقت کا سایہ سب سے اہم ترین سایہ ہے اور یہ سایہ ہمیشہ قائم ودائم رہتا ہے، وقت کی یہ متاع جان فزا تا قیامت قائم رہنے والی قدرت الٰہی کی ایک جھلک ہے۔ اس کو زندگی کا رفیق بنا کر اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا ہر اہل دانش کے نزدیک قابل صد ہزار مبارک باد ہے، بڑی شخصیات جو دنیا کی تاریخ میں کوئی بڑا کردار ادا کرگئی ہیں انہوں نے وقت کی اہمیت کو سمجھ کر اس کی قیمت ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

وقت کی یہ قیمتی متاع انسان کو ہر جگہ سرخ رو کرتی ہے اگر کسی نے وقت کی قدر و قیمت کو صحیح طریقہ سے سمجھ کر اس کو تعمیری کاموں میں استعمال کیا تو وہ دین ودنیا اور آخرت میں ہر جگہ کامیاب قرار پاتا ہے اور تاریخ میں ایسے لوگوں کا تذکرہ بہت اچھے انداز میں مرتب ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس جو لوگ وقت کی قیمت سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور اس کے ضائع ہونے پر افسوس نہیں کرتے وہ دین ودنیا کی ایک بڑی نعمت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

مولانا ڈاکٹر عبدالرحمٰن ساجد الاعظمی نے یہ کتاب تصنیف کر کے وقت کے سایہ کی عظمت کو نہایت اچھے انداز میں بیان کیا ہے۔

میں ان کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے وقت کی اہمیت اور اس کی تعمیری خوبیوں کو بیان کر کے ہمارے دلوں میں وقت کے اس گھنے اور ٹھنڈے سایہ سے مستفید ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے اور مثالوں سے اس کی صداقت کو بیان کر کے اس موضوع کا حق ادا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس مثالی کوشش کو قبول فرمائیں اور ہم سب لوگوں کو وقت کی برکت وعظمت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

راقم [signature]

سعیدالرحمٰن الاعظمی

مدیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۲ر ربیع الاول ۱۴۴۲ھ

۹ر نومبر ۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کچھ اپنی سرگذشت، اب اپنے قلم سے لکھ

خامۂ فکر ہو، یا طوفانِ نوحؑ، دریا کی روانی ہو، یا اسکا سکوت، ہواؤں کا طوفان ہو یا اسکا ٹھہراؤ، بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِيهَا وَمُرْسٰهَا، اللہ کے نام ہی سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے، اسی کے نام کی برکت سے ہر شئی میں خیر و خوبی کا ظہور ہے، اسی کی حکمت پر خواہی نخواہی آدمی کا ہر عمل موقوف ہے، سب کچھ مشیتِ الٰہی کے تابع ہے اور کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا کے مصداق ہر کام کیلئے وقت بھی متعین ہے۔

بہت مرتبہ کچھ لکھنے کیلئے سوچا! علم نواز عزیزوں اور دوستوں کا مختلف موضوع پر لکھنے کا اصرار رہا، خود جذبۂ دروں بھی لکھنے کیلئے اُکساتا رہا، مگر وقت اس کیلئے کسی بھی طرح ساتھ نہ دے سکا۔

پڑھنے، پڑھانے کے بعد فرصت کے لمحات کتابوں کا سرورق لکھنے اور مختلف قسم کے ڈیزائن بنانے میں صرف ہو جاتے۔ بچپن سے کتابت کا جو شوق تھا۔ اب وہ خالی وقت کا پسندیدہ مشغلہ بن چکا تھا۔ اسی شوق اور فن سے محبت نے ''مغربی بنگال اردو اکیڈمی، اور جموں کشمیر آرٹ اینڈ لینگویجز کے کل ہند خطاطی مقابلہ میں فن کی نمائش اور اس کے اظہار کیلئے شرکت پر اُبھارا۔ دونوں نے قدر دانی میں اول ایوارڈ اینڈ پرائزز سے نوازا، مزید برآں اتر پردیش اردو اکیڈمی نے بھی انعام اور توصیفی سند دے کر حوصلہ افزائی کی۔

اس طرح فن خوش نویسی آہستہ آہستہ میری عزت وشہرت کا سبب بن گیا۔ لوگوں کی خواہشات ''لکھنے کی'' اور اپنا ذوق خوب سے خوب تر فن کے اظہار کا، ایسی صورت میں کتابت سے صَرفِ نظر میرے لئے ممکن نہ رہا۔

کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنادیتے ہیں

اس دشتِ جنوں میں قسمت آزمائی کا اتنا صلہ تو ضرور ملا کہ بہت سے سیکھنے والے عزیزوں کے لئے یہ فن عزت کے ساتھ دینی خدمت اور معاش کا ذریعہ بن گیا۔ فَلِلّٰہ الحَمْد، کسی نے سچ کہا ہے۔

قلم گوید کہ مَن شاہ جہانم
قلم کش رابدولت می رسانم

قلم کہتا ہے کہ میں دنیا کا بادشاہ ہوں اور قلم کی ناز برداری کرنیوالے کو دولت سے بھی نوازتا ہوں۔

قلم کی عظمت تو مسلم ہے، اور کیوں نہ ہوتی، جب رب نے خود کہہ دیا، نٓ والقلم وَ مَایَسْطُرُوْن قسم ہے قلم کی، قلم خواہ قلمِ تقدیر ہو، فرشتوں کا قلم ہو، یا انسانوں کا عام قلم، اور بلاشبہ اسی کلکِ قلم پر ماضی کی درخشاں تاریخ کا خیمہ ایستادہ ہے، اسی سے اسلامی ورثہ کی حفاظت اور داستانِ دعوت وعزیمت تابندہ وپایندہ ہے۔

ابوحاتم بُستی نے کہا۔

کفیٰ قَلم الکتاب ِعِزّاً ورفعةً ☆ مدی الدَّھرِاِنَّ اللّٰہَ اَقْسَمَ بِالْقَلَم

لکھنے والوں کا قلم ان کی عزت وبرتری کیلئے کافی ہے، ہمیشہ ہمیش کیلئے، کیونکہ اللہ نے

قلم کی قسم کھائی ہے۔

اور بقول حضرت قتادہؒ قلم اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے، جو اس نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہے۔ (معارف القرآن۔ج:۸۔ص:۵۳۱)

قلم سے تعلق خاطر اور اس نعمت کی قدر دانی نے میرے لئے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی جیسی عظیم درسگاہ کے دروازے وَا کیے، جب وہاں لکھنے لکھانے کا شعبہ (خطاطی) ۱۹۷۳ء میں قائم ہوا، تو لائق صد احترام، استاذ محترم حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت فیوضہم ناظم تعلیمات مدرسہ شاہی مرادآباد (حال صدر جمعیۃ علماء ہند واستاذ دارالعلوم دیوبند) کا گرامی نامہ پہونچا کہ میں نے املاء نویسی کیلئے تمہارا نام مجلس عاملہ میں پیش کیا، حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ (۱) نے بھی اس کی تائید کی، اور مجلس عاملہ نے اس تجویز پر اپنی منظوری کی مہر لگا دی، تم بھی اس کو منظور کرلو، اور چلے آؤ، ''اساتذہ کی صحبت سے ترقی کے مواقع ہیں'' خود اسکی بابت حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا بھی والا نامہ آیا۔

اس غیر مترقبہ نعمت پر خوشی رقص میں تھی، اور اس احساس سے مزید۔

میں شاد تھا کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں

چنانچہ شوال المکرّم ۱۹۷۴ء میں مدرسہ شاہی پہونچا، فن کی لطافت، زبانِ فارسی کی حلاوت اور تاریخ اسلام کی شاندار روایت سے تدریسی سفر کا آغاز ہوا۔ جو شاہی فضا میں ۱۹۸۰ء تک رہا، اس کے بعد محرم الحرام ۱۹۸۱ء سے مدرسہ عربیہ امدادیہ

(۱) مولانا عبدالجبار الاعظمیؒ خلیفہ اجل حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوریؒ

مرادآباد میں (جس کو صرف درمیانی ایک دیوار مدرسہ شاہی سے جدا کرتی ہے) دس پندرہ سال اسی شعبہ سے وابستہ رہا، اساتذہ واکابر کی صحبت اور لوح وقلم کی خدمت ابرِ خوش ہنگام کی طرح میرے لئے بہت مفید ثابت ہوئی، اور خلوص ومحبت سے بھرا وہ جملہ "ترقی کے مواقع ہیں" علمی سفر کیلئے رہنما بن گیا۔

چند گھنٹوں کی مصروفیت کے بعد فراغت کے اوقات کو غنیمت اور نعمت سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں لگ گیا، چنانچہ اس فرصت کے زمانے میں عربی فارسی الٰہ آباد بورڈ سے مولوی، عالم اور فاضل، جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب کامل اور معلم، روہیل کھنڈ یونیورسٹی کے رضا ڈگری کالج رامپور سے ایم،اے کا امتحان فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا۔

پھر علمی شوق کشاں کشاں دہلی یونیورسٹی لے گیا، جہاں سے ایم،فل کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کر کے "شذراتِ شبلی اور اسکا تنقیدی جائزہ" کے عنوان پر زیر نگرانی پروفیسر ظہیر احمد صدیقی مقالہ لکھ کر ایم فل (ماسٹر آف فلاسفی) کی ڈگری لی اور اب

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات

یعنی Ph.D. کی وہ آرزو جو برسوں سے درونِ سینہ موجزن تھی، جس کی خاطر بہت سے امتحانوں سے گذرا اور نیم وحشی صنف سخن کی طرح فکر کو گوندھتے ہوئے مقطع تک پہونچا، تو بورڈ کے مجوزہ عنوان کو دیکھ کر لگا کہ یہ تو طولِ شب فراق سے بھی زیادہ دراز، اور ہواؤں کے دوش پر بکھری ہوئی کسی زلفِ ماہوش کے پیچ وخم کو سنوارنے سے کچھ کم نہیں، عنوان تھا۔

A Critical Study Of Literary And Academic Translations Of Arabic Works In Urdu Sinc 1947

''۱۹۴۷ء سے عربی ادبی کتابوں کے اردو تراجم اوران کا تنقیدی مطالعہ''

بہرحال شوق راہ کی دشواریوں کونہیں دیکھتا، یایوں کہئے، جوسمندر پار کرنے کے ارادہ سے نکلا ہووہ کنارۂ ساحل اورموج بلاخیز میں کوئی فرق نہیں کرتا، یا پھر بقول شاعر ؂

ڈوبنا ہی جب مقدر کرلیا
دیکھتا کیوں ہے کناروں کی طرف

کتابوں کی کھوج شروع ہوئی ، دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ سے لیکر، ریفرنس لائبریری دہلی ، آزاد لائبریری علی گڑھ یونیورسٹی، شبلی لائبریری ندوۃ العلماء لکھنؤ، رضالائبریری رامپور، اورشبلی اکیڈمی اعظم گڑھ کے علاوہ مرادآباد کے چھوٹے بڑے کتب خانوں، تجارتی مکتبوں اوراہل علم کی ذاتی کتابوں سے جس قدرممکن ہوسکا استفادہ کر کے مقالہ لکھنے کیلئے قلم کوحرکت دی۔ درس وتدریس کی مصروفیت اورمدرسہ کی مسئولیت کے ساتھ خدا خدا کر کے ۲۰۰۰ء میں زیرنگرانی پروفیسرعبدالحق صدرشعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی مقالہ تکمیل کو پہونچا۔ اور پھر ۲۰۰۱ء میں وہ دن آپہونچا جب یونیورسٹی کے کانوکیشن ہال میں اے، پی جے عبدالکلام کی زیرصدارت ، نائب صدرجمہوریہ ہندکی موجودگی میں وائس چانسلر دہلی یونیورسٹی کے بدست Ph.D. کی ڈگری سے سرفراز ہوا۔

ادھرمدرسہ میں عربی کتابوں کی تدریس کا جب سلسلہ بڑھا تو شعبۂ خطاطی موقوف ہوگیا۔ پھربھی فن خطاطی کے شائقین خارجی اوقات میں مشق قلم کرتے رہے مزید کتابت وڈیزائن کے نجی کام بھی ہوتے رہے، اس کے سوا آل انڈیا مظاہرہ

قرأت اور دینی جلسوں کی نظامت کیلئے دور دراز اور قریب و پاس کے علاقوں کا سفر بھی ہوتا رہا، اور فکر وخیال سے کاغذ کو سیاہ کرنے کا سودا بھی شامل حال رہا، ان ہنگاموں میں مولانا حسرت موہانی کا یہ شعر اچھا بھی لگتا اور حوصلہ بھی دیتا۔

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی
ایک طُرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

رسالوں کیلئے مضمون نویسی، کل ہند اور عالمی سیمیناروں کیلئے مقالہ نگاری، کتابوں پر تأثرات، پھر مختلف زمانوں میں اخبار ورسائل کی ادارت، جن میں پندرہ روزہ اخبار "دست بدست" مرادآباد کی ادارت، حضرت مولانا عبدالجبار الاعظمی شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مرادآباد کی یاد سے معطر ماہنامہ "کنزالکوثر جدید" مرادآباد اور جمعیۃ اساتذہ ہند کا ترجمان ماہنامہ "الاساتذہ" مرادآباد کے مدیر مسئول ہونے کے ساتھ رسالہ کی مکمل ذمہ داری، انہیں گوناں گوں ہنگامۂ روز وشب میں۔

کھا گئی وقت کی دیوار کیلنڈر کتنے

۴۳ سال گذر گئے۔ ایسی صورت میں کسی دینی کتاب کی تالیف وترتیب کی حسرت اور اس کا تصور خواب پریشان کی طرح تعبیر سے بے نیاز رہا، اور یوں دل کی خواہش قلم اظہار تک نہ پہونچ سکی۔

شعبۂ خطاطی، فارسی اور تاریخ اسلام سے تدریس کا جو سفر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد سے ۱۹۷۴ء میں شروع ہوا تھا وہ ۳۱/ مارچ ۲۰۱۷ء کو مدرسہ عربیہ امدادیہ کی قدیم درسگاہ میں کلام الٰہی کی تفسیر، حدیث نبوی ﷺ کی تشریح، اور عقیدۃ الطحاوی کی تفہیم و

تدریس کے ساتھ سلم العلوم اور ہدایۃ الحکمۃ کے ذریعہ منطق وفلسفہ کی گتھیاں سلجھاتے اور مقامات حریری کی زبان میں اخلاقی، ادبی اور فنی کہانیاں سناتے حسنِ اختتام کو پہونچا۔ پھر اپنے ارادے کے مطابق مدرسہ کی آباد وشاداب زندگی سے رخصت ہوکر گاؤں آگیا۔

مدرسہ کی علمی فضا اور شہری زندگی کی چہل پہل سے نکل کر جب مستقل قیام کی غرض سے گاؤں آیا تو ایسا محسوس ہوا جیسے دوڑتی بھاگتی زندگی ٹھہر گئی ور سبھی کچھ ہوتے ہوئے جیسے سب کچھ بدل گیا ہو، اور یہ تو ہر لحہ بدلتی دنیاوی زندگی کا مقدر ہے۔

وہی منزلیں، وہی راستے، وہی مرحلے وہی قافلے
مگر اپنے اپنے مقام پر کبھی ہم نہیں کبھی تم نہیں

علم نواز دوستوں کی محفلیں اور مخلص احباب کی محبتیں فراموش تو نہیں کی جاسکتیں اسلئے وقتی طور پر ان سب کے چھوٹنے کا احساس تو ضرور رہا اور ہونا بھی چاہئے، ہجر ووصال راحت وغم، دشواری وآسانی یہ سب زندگی کے فلسفے ہیں اور اس میں خالق کائنات کی بڑی حکمت ومصلحت ہے۔ اسی لئے تو کسی نے کہا۔ ع ؎

کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کار تریاقی

وقت کی گردش کے ساتھ زندگی بھی ہر لحہ تبدیلی چاہتی ہے۔ حرکت کا نام زندگی ہے۔ اور جمود موت کی علامت ہے۔ کچھ کھوکر پانے کی لگن اور کچھ پانے کیلئے کھونے کا حوصلہ ہی گاؤں لے آیا۔ ارادے کے مطابق مقصد پیش نظر رہا، کتابیں رفیق کار رہیں، توفیق الٰہی نے سہارا دیا اور وقت نے یاوری کی، جس کے نتیجے میں ''وقت کے سائے میں دنیا اور آخرت'' کی ترتیب مکمل ہوئی، فللّٰہِ الحمد

والشُّکر یہ عنوان میں نے اس لئے منتخب کیا کہ وقت کا تعلق ہر شخص سے ہے، آدمی کی تعمیر و ترقی اور دنیا سے لے کر آخرت تک کی تمام تر کامرانی کا دار و مدار، اس کی حفاظت اور اس کے صحیح استعمال پر ہی موقوف ہے۔

اسی اہمیت کے پیش نظر وقت کی اہمیت و معنویت پر ہر دور میں مختلف انداز سے گرانقدر کتابیں لکھی گئیں۔ ابوالمظفر یوسف بن قِزْ اُوغلی (م ۶۵۴ھ) نے "مِراٰة الزمان فی تاریخ الاعیان" قطب الدین موسیٰ بن محمد الیونینی، البعلبکی (م ۷۲۶ھ) نے "ذیل مراٰة الزمان" تحریر کیا، لیکن جس کتاب کو سب سے زیادہ مقبولیت و شہرت ملی، وہ عبدالفتاح ابوغدّہ (م ۱۴۱۷ھ) کی "قیمة الزمن عند العلماء" (تالیف ۱۴۰۴ھ) ہے، اور اسی کے فیضان سے استاذ جاسم بن محمد بن بدر المطوّع کی کتاب "الوقت عَمَارٌ او دَمَارٌ"، دکتور عبدالستار نوری کی کتاب "الوقت هُوَ الحيَاة" دکتور یوسف القرضاوی کی کتاب "الوقت فِي حيات المسلم"، جیسی اہم کتابیں معرض وجود میں آئیں۔ ان کے علاوہ اردو میں بھی "متاع وقت اور کاروان علم" "تحفۂ وقت" اور "اے انسان، وقت کی قیمت پہچان" جیسی مفید کتابیں تالیف کی گئیں۔

عناوین کے اختلاف، مضامین کے تنوع اور زبان و بیان کی انفرادیت کے باوجود ہر ایک نگارش کے پیچھے ایک ہی مقصد، ایک ہی نیت اور ایک ہی مرکزی تصور کار فرما ہے کہ انسان وقت کی قدر و عظمت کو پہچانے تا کہ خود عظیم بن جائے، وقت کو بروقت اور مفید کاموں میں لگائے تا کہ خود کو اور دوسروں کو فائدہ پہونچا سکے، کیونکہ وقت ہی سب کچھ ہے۔ وقت کی اسی معنویت اور زندگی کی اسی اصل حقیقت کو اس

کتاب میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کتاب یوں تو تین ابواب پر مشتمل ہے۔ (۱) وقت کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت۔ (۲) دنیا اور آخرت (۳) جنت اور جہنم کے احوال و مناظر، جس کو تشویق و تخویف کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے تاکہ انسان وقت کی اہمیت، دنیا کی حقیقت اور زندگی کے اصل مقصد کو سمجھ کر حسنِ خاتمہ کی دولت اور جنت کی بے پایاں لازوال نعمتوں سے بہرہ ور ہو سکے۔

اگر میری اس قلمی پیش کش سے کسی کے دل میں بھی وقت کی قدر کا جذبہ، علم و عمل کا شوق اور آخرت کا خوف پیدا ہو جائے تو یہی اس کا مقصد ہے، اور اپنی محنت کا یہی صلہ کافی ہے۔

ہاں! رب کائنات سے جو صاحب جود و عطا ہے، اس کی بارگاہ عالی میں یہ التجا ضرور ہے کہ اے قادر مطلق! تیری قدرت تو ہر شئی کو محیط ہے، تیری رحمت تو ہر چیز پر سایہ فگن ہے اسی رحمت کے واسطے سے جس نے آتش سوزاں کو گل و گلزار بنایا، قطرۂ بے مایہ کو لعل و گہر کی صورت دی، تپتے ہوئے صحرا میں گل بوٹے اُگائے، اس کتاب کو بھی محض اپنے فضل و کرم سے قبول فرما، اور ہر خاص و عام کیلئے نفع بخش بنا۔ اِسی آرزو کے ساتھ یہ کتاب لئے تیری بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اللّٰھُمَّ امین.

عبدالرحمٰن ساجد الاعظمی

کوئریاپار ضلع مئو

--------❖❖❖ --------

اٹھ کہ خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں
نفسِ سوختۂ شام وسحر تازہ کریں
(اقبال)

--------❖❖❖ --------

باب اوّل

وقت کی اہمیت اور اسکی قدر و قیمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقت کی تعریف کیا ہے؟

آج جب وقت کی قدر اور اہمیت پر کچھ لکھنے بیٹھا، تو جہانِ ماضی کا ایک علمی لطیفہ یاد آیا: ترمذی شریف کا درس ہورہا تھا کہ درس کا وقت ختم ہوگیا۔ حاضرین درس میں سے کسی نے کہا، حضرت [1]: وقت ہوگیا۔ حضرت نے سراوپر اٹھایا۔ اور پوچھا: وقت کس کو کہتے ہیں؟ ہم میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے کو دیکھا.... مگر تعریف کوئی نہ کرسکا..... پھر فرمایا۔ فلک الافلاک کی مقدار حرکت کا نام وقت ہے۔ اور تم یہ تعریف میبذی میں پڑھ چکے ہو۔

وقت کے بارے میں متقدمین، متأخرین، متکلمین اور فلاسفہ کے مختلف اقوال ہیں، مگر ان کا ذکر مقصود نہیں، یہ تو برسبیل تذکرہ مذکور ہے۔ زمانہ کی مقدار قلیل ہو یا کثیر، مختصر ہو یا طویل، لغت میں سب پر وقت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ جو بالکل بدیہی ہے اور سب کو معلوم ہے۔ گویا زمانہ وقت سے عام ہے ابن سید کہتے ہیں۔ وقت، زمانے کی ایک مقدارِ معلوم کا نام ہے۔ (لسان العرب ۱۳/۱۰۷)۔

فلاسفہ کے نزدیک تو زمانہ ہی دو (۲) ہے۔ ماضی اور مستقبل۔ حال کا وجود ہی نہیں۔ اور جو حال ہے وہ آنِ موہوم ہے۔ تو پھر آئندہ کل یا تو ماضی ہے یا مستقبل! گویا کل آتی ہی نہیں، اسی لئے تو کہتے ہیں کہ کل ایک ''دھوکہ'' ہے مطلب واضح ہے، جب ہم اپنی زندگی کا محاسبہ کرتے ہیں تو وقت ہمارے سامنے ان تمام ناقص کاموں کی

---

[1] حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب بچھرایونیؒ مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد

روئیداد اور جھلکیاں پیش کر دیتا ہے، جن کو بلا عذر کاہلی، سستی اور غفلت شعاری کے نتیجے میں کل پر ٹالا گیا تھا۔ اور جب کل آیا تو پھر وہی سوچ اور وہی روش۔ بقول شاعر

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم
باز چوں فردا شود، امروز رافردا کنم

عادت اور جبلت کب بدلتی ہے، چاہے اس کے نقصان کی وجہ سے بار بار لیت ولعل کہہ لیجئے۔ یا پھر سو بار ''یک حرف کاشکے کہ بصد جا نوشتہ ایم'' کا جملہ زیب قرطاس کر لیجئے .... پھر بھی تلافی مافات ممکن نہ ہو سکے گی۔ اس کے لئے عادت کو بدلنا ناگزیر ہے مگر..ع

عادت جو پرانی ہوتی ہے وہ دور بھلا کب ہوتی ہے

مقولہ ہے، **فطام العادة اشد من فطام الرضاعة** . عادت کا چھوڑنا تو دودھ کے چھوڑنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

من نمی گویم زیاں کن یا بفکر سود باش
اے زفرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

میں نفع ونقصان کی بات نہیں کرتا۔ ہاں اتنی گذارش ضرور ہے کہ کل کا پتہ نہیں کہ فرصت ملے نہ ملے، اس لئے جو کرنا ہے، فوراً کر گذرو۔ کسی عالم نے ایک نوجوان سے کہا، **اِعْمل قبل ان لا تستطِیع اَنْ تَعمل فانا اَبغی ان اعمل الیوم فلا استطیع** . طاقت کے ختم ہونے سے پہلے عمل کرلو۔ کیونکہ میں آج عمل کرنا چاہتا ہوں، لیکن اسکی طاقت نہیں رکھتا۔

عمر بن عبدالعزیز نے جب کام کی زیادتی کی وجہ سے تکلیف اور کمزوری محسوس کی، تو ان سے کہا گیا کہ اس کام کو کل تک کیلئے مؤخر کردیجئے، تو فرمایا کہ جب ایک دن کے کام نے مجھکو تھکا دیا ہے، تو پھر جب دو دن کے کام اکٹھا ہو جائیں گے تو کیسے کرونگا۔

امیروں میں سے کسی امیر نے ایک مرد صالح کو کھانے کی دعوت کی، تو اس نے یہ کہتے ہوئے معذرت کرلی، کہ میں روزے سے ہوں۔ تو امیر نے کہا اب افطار کرلو، کل روزہ رکھ لینا۔ تو اس نے کہا، کیا آپ اس بات کی ضمانت دے سکتے ہیں کہ میں کل تک زندہ رہوں گا؟ حسن البناء شہید نے کہا وقت ہی زندگی ہے۔ انسان کی زندگی اس وقت کے سوا اور کچھ نہیں، مگر جس کو وہ گذارتا ہے، پیدا ہونے کی گھڑی سے لیکر وفات کے وقت تک۔ (الوقت فی حیاۃ المسلم)

وقت کے حصار میں پوری کائنات ہے، ہر چیز میں تغیر وتبدیلی کا سبب وقت ہی ہے۔ وقت پر کسی کا کوئی اختیار نہیں، وقت تو بہتے ہوئے دھارے کی طرح ہے جو اپنی رو میں بہت کچھ بہا لے جاتا ہے، اور بعد والوں کیلئے آبادی کا سامان کرکے یہ پیغام بھی دے جاتا ہے کہ اے انسان! اپنے خالق ومالک کی بات سن: وَ الْعَصْرِ اِنَّ الانسَانَ لَفِی خُسْرٍ الا الَّذِینَ اٰمَنُوا وَعَمِلُو الصَّالِحَاتِ وَتَوَا صَوْ بالحقّ، وَتَوَاصَوْ بِالصَّبْر (پارہ ۳۰، العصر)۔

قسم ہے زمانے کی، بیشک انسان بڑے خسارے میں ہے، مگر جو لوگ یقین لائے اور بھلے کام کئے، اور آپس میں تاکید کرتے رہے سچے دین کی، اور آپس میں تاکید کرتے رہے تحمل کی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر لوگ صرف اسی سورہ میں تدبر کر لیتے تو یہی ان کے لئے کافی تھی۔ (ابن کثیر)

ایک بزرگ کا قول ہے کہ وہ برف بیچنے والے کی دوکان پر گئے تو فرمایا اسکی تجارت کو دیکھ کر سورہ والعصر کی تفسیر سمجھ میں آ گئی، کہ اس نے ذرا بھی غفلت کی تو اس کا سرمایہ پانی بن کر ضائع ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے قرآن نے قسم کھا کر انسان کو اس طرف متوجہ کیا، تاکہ وہ خسارے سے بچنے اور کامیابی تک پہونچنے کے لئے ایمان، عمل صالح، حق کی نصیحت اور صبر کی وصیت کو وظیفۂ زندگی بنا لے۔

زمانے کی قسم کے ساتھ مذکورہ چیزوں کو مناسبت کیا ہے؟

بقول مفسرین. انسان کے تمام حالات، اس کی نشو ونما، اس کی حرکات وسکنات سب زمانے کے اندر ہی ہوتے ہیں، انسان کی عمر کا زمانہ اس کے ماہ وسال، روز وشب، بلکہ گھنٹے اور منٹ، سوچئے تو یہی اس کیلئے سرمایہ حیات ہیں، جس کے ذریعہ وہ دنیا وآخرت کے بیش قیمت منافع حاصل کرسکتا ہے اور اگر عمر کے اوقات کو برے اور غلط کاموں میں لگا دے، تو یہی اس کے لئے وبال جان بن جاتے ہیں.

حضرت علیؓ نے فرمایا:

حیاتک اَنفاس تُعَدُّ فکُلَّمَا مَضیٰ نفسٌ انقَصْتَ من عمرک جزءاً

تیری زندگی چندگنی چنی سانسوں کا نام ہے۔ جب ان میں سے ایک سانس گذر جاتی ہے تو تیری عمر کا ایک حصہ کم ہو جاتا ہے۔ (دیون علی بن ابی طالب، جمع وترتیب عبد العزیز کرام ص: ۱۰)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: **یاابن آدم انّما انت ایام اذاذھب یوم ذھب بعضک .** (حلیۃ الاولیاء ۷/۱۴۸)

اے ابن آدم تو ایام کا مجموعہ ہی تو ہے، جب ایک دن گذر جاتا ہے تو تیرا کچھ حصہ ختم ہوجاتا ہے۔

حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے، فرمایا ابن آدم تو زمین کو اپنے پیروں سے روندلے مگر یاد رکھ! کہ وہ تھوڑے دنوں بعد ہی تیری قبر ہوگی۔ ابن آدم! تو ایام ہی تو ہے، جب ایک دن ختم ہوگیا تو تیرا ایک حصہ فوت ہوگیا۔ ابن آدم! تو ہمیشہ اپنی عمر کو ختم کرنے میں لگا ہوا ہے، جب سے تیری ماں نے تجھکو جنم دیا۔ (اعلام الحفاظ والمحدثین۔ ج:۱۔ص:۳۹۰)۔

بعض حکماء نے کہا، کیسے خوش رہ سکتا ہے وہ شخص جس کا آج ختم کردیتا ہے اس کے مہینہ کو اور مہینہ ختم کردیتا ہے اس کے سال کو، اور سال ختم کردیتا ہے، اس کی عمر کو؟ کیسے خوش رہ سکتا ہے وہ شخص جس کی عمر اس کو لئے جارہی ہو وقت مقرر کی طرف اور اسکی زندگی اسکی موت کی طرف؟ (اعلام الحفاظ والمحدثین۔ج:۱۔ص:۳۹۰)۔

سوچئے! قسام ازل نے ہر شخص کو خواہ وہ بادشاہ ہو یا وزیر، تونگر ہو یا تنگدست، تندرست ہو یا بیمار، تاجر ہو یا مزدور، تعلیم یافتہ ہو یا جاہل، طاقت ور ہو یا کمزور ہر ایک کو وقت کی دولت یکساں عطا کی ہے، ہر ایک کو اسکی عمر کے اوقاتِ عزیز کا بے بہا سرمایہ دے کر ایک تجارت پر لگا دیا کہ وہ عقل وشعور سے کام لے کر وقت کو نفع بخش کاموں میں لگالے، یا پھر مضرت رساں کاموں میں لگا کر سرمایہ وقت کو ضائع کرلے۔

حدیث مرفوع سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کُلُّ النـاس یَغدُوا فبـائِعٌ نفسه فَمُعتِقها اَو مُوبقها. (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، حدیث ۳۶۰۰)

ہر شخص جب صبح کو اٹھتا ہے تو اپنی جان کا سرمایہ تجارت پر لگاتا ہے۔ پھر کوئی تو اپنے اس سرمایہ کو خسارے سے آزاد کر لیتا ہے، اور کوئی ہلاک کر لیتا ہے۔ (معارف القرآن جلد ۸ سورعصر)

قرآن میں بھی ایمان اور عمل صالح کو تجارت سے تعبیر فرمایا ہے۔ یَـاایهـا الَّذِینَ آمنوا هل اَدُلّکم عَلیٰ تِجَارةٍ تُنجیُکُمْ مِنْ عَذابٍ اَلِیْمٌ (سورہ الصّف، آیت ۱۰) زمانہ عمر، انسان کا سرمایہ ہے اور انسان اس کا تاجر، اور یہ واضح ہے کہ یہ سرمایہ کوئی منجمد چیز نہیں، جسکو اگلے وقت کیلئے بیکار روک کر رکھ لیا جائے بلکہ یہ تو ایسا سیّال اثاثہ ہے جو نہ رکتا ہے اور نہ روکا جاسکتا ہے، بلکہ ہر لمحہ اور ہر آن رواں دواں ہے، نہ تو اسکو پیچھے سے پکڑ کر روکا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کے آگے کسی طرح کا بند باندھا جاسکتا ہے، اس سے تو فائدہ اٹھالینا ہی دانش مندی ہے اور جس نے اس سے جس قدر فائدہ اٹھایا اس نے اسی کے بقدر زندگی کو کارآمد کیا اور کامیاب زندگی کی راہیں استوار کیں۔

بـقـدْرِ مَـا تَتَعَـنّٰی تنال مَا تتمنّیٰ: ترجمہ جتنی تکلیف اٹھاؤ گے، اسی کے مطابق تمنا بھی پوری ہوگی، کہ..... خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا۔

امام غزالیؒ کہتے ہیں۔ ساعتیں تین ہیں، ایک ساعت وہ ہے جس میں بندہ کسی مشقت میں نہ ہو، جیسے چاہے گذار لے، مشقت میں یا خوشگواری میں، اور ایک ساعت (گھڑی) وہ ہے جو آنے والی ہے، کسی کو نہیں معلوم! کہ اس وقت تک وہ زندہ

رہے گا یا نہیں، اور اسے یہ بھی معلوم نہیں، کہ اللہ اس میں کیا فیصلہ فرمائے گا، اور ایک ساعت وہ ہے، جو گروی ہے، تو چاہئے کہ وہ اس میں اپنے لئے کوشش کرے۔ اور اپنے رب سے ڈرتا رہے، کہ اگر دوسری ساعت نہ آئے، تو اس کے فوت ہونے پر اس کو افسوس نہ ہو، اور اگر وہ آجائے تو اس کا پورا پورا حق ادا کرے، جس طرح اس نے پہلی ساعت کا حق ادا کیا ہے۔ (احیاء علوم الدین)

وقت کی حفاظت

وقت کے بارے میں یہ مقولہ مشہور بھی ہے اور مبنی برصداقت بھی، اَلْوَقتُ اَثْمَنُ مِنَ الذَهَب، وقت سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ اور قیمتی چیز کی حفاظت نہ کرنا محرومی اور بدنصیبی کی بات ہے، بلکہ وقت کو ضائع کرنا خودکشی کے ہم معنی ہے۔

وقت بھی عجیب وغریب چیز ہے۔ وقت کے متعلق میگی کے سوال پر زیڈگ نے جواب میں کہا وقت سے زیادہ طویل کوئی چیز نہیں، کیونکہ یہ ابدیت کا پیمانہ ہے، اس سے زیادہ کوئی مختصر شئی نہیں، کیونکہ یہ ہمارے منصوبوں اور تمناؤں کی تکمیل کیلئے ہمیشہ ناکافی ثابت ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ سست رفتار کوئی چیز نہیں جو کسی امید وانتظار میں ہو، اس سے زیادہ تیز رفتار کوئی چیز نہیں جو خوشی کے لمحات میں ہو۔ دراز ہو تو ابدیت تک جا پہونچے، چھوٹا ہونے کی بات ہو تو سکنڈ کے اربوں حصوں میں تقسیم ہو جائے۔ ہر شخص اس کو نظر انداز تو کر دیتا ہے۔ مگر اس کے ضائع ہونے پر افسوس بھی کرتا ہے۔

وقت کائنات کی ہر چیز کو محیط ہے۔اس کے بغیر کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ہر معمولی واقعہ کو کچھ دنوں بعد طاق نسیاں کے حوالہ کر دیتا ہےاور ہر عظیم عمل کو لافانی اور لازوال بنادیتا ہے۔ فیثا غورث سے جب پوچھا گیا کہ وقت کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا۔''وقت اس دنیا کی روح ہے''۔

سوچئے! جو وقت کو برباد کرتا ہے، کیا وہ اپنی زندگی کی بربادی کا سامان نہیں کرتا ہے، وقت کس قدر بیش قیمت ہے، نہ تو آج تک کوئی اس کی قیمت کا اندازہ لگاسکا، اور نہ ہی کوئی ایسا پیمانہ ایجاد ہوسکا جو وقت کی صحیح قیمت بتا سکے، البتہ غور وفکر سے یہ نتیجہ تو اخذ کیا جاسکتا ہے، جو شخص جتنا بڑا اور قیمتی ہے، اس کے پیچھے وقت کی قدر و قیمت کا پاس ولحاظ ہی کارفرما ہے۔

دن ہر روز آپ سے کیا کہتا ہے۔ سنئے! حضرت حسن بصریؒ سے، فرماتے ہیں

مَـامِنْ یومٍ ینشق فجره الاوینادی ، یا ابن آدم انا خلق جدید وعملک شهیـد فتـزود مِـنّی ، فانی اذا مضیت لا اعودالیٰ یوم القیامة . (الوقت فی حیات المسلم، ص:۱۰)

کوئی دن ایسا نہیں کہ اس دن کی پوٗ پھٹتی ہے، تو وہ پکار کر کہتا ہے۔ اے ابن آدم ! میں ایک نئی مخلوق ہوں، اور تیرے عمل پر گواہ ہوں، لہٰذا مجھ سے توشۂ زندگی لے لے، کیوں کہ جب میں چلا گیا تو قیامت کے دن تک لوٹ کر نہیں آؤں گا۔

وقت کی قدردانی، جن کا وطیرہ رہا، وہی لوگ دنیا کی باغ وبہار میں پھولوں کی طرح مہکے، اور کائنات کے اُفق پر ماہ ونجوم بن کر چمکے اور جہاں جہاں سے گذرے

حسن عمل اور سعیِ مسلسل سے ان راہوں اور گذر گاہوں میں، گام در گام، روشنی کے اتنے دیے جلا دیئے، جو جادۂ طلب میں انسانوں کیلئے ہمیشہ راہنمائی کا کام دے سکیں۔

اس کے برعکس آج دنیا میں جو نکمے، نا ہنجار، فٹ پاتھ کی نالیوں پر بیٹھے دریوزہ گر نظر آتے ہیں اکثر وہی لوگ ہیں، جو بچپن سے غلط راہوں پر چل پڑے اور وقت کو فضول کاموں اور بیکار چیزوں میں گنوا دیا وہی لوگ گردشِ وقت کی بھیڑ میں اس طرح گم ہو گئے کہ ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔

سوال یہ ہے کہ کیا وہ اپنی بربادی کے خود تنہا ذمہ دار ہیں، یا ان کے والدین وسر پرست بھی اس جرم میں ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ ارشاد باری ہے **قُوا اَنفسکم وَاھلیکم ناراً.** (پ۲۸، تحریم، آیت ۶)

اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اس آیت کی روشنی میں وہ والدین وسر پرست بھی مجرم ہیں، جنھوں نے دینی تعلیم اور صحیح تربیت کا فریضہ انجام نہیں دیا، اور اپنی اولاد کی بے راہ روی پر خاموش رہ کر ان کی ہلاکت کا غیر شعوری طور پر سامان کرتے رہے۔ اور یہ نہ سوچا کہ ہماری اس مجرمانہ خاموشی پر ہم سے سوال بھی کیا جائے گا۔ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے **کلُّکم رَاعٍ وَکلکم مسئولٌ عَنْ رَعیّتہٖ** تم میں سے ہر ایک شخص ذمہ دار ہے، اور ہر شخص سے اسکی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ صرف یہی نہیں بلکہ رب العالمین کے دربار میں، جوانی، عمر، مال اور علم وعمل کے بارے میں بھی جواب دینا ہوگا۔

❖❖❖

﴿ذمہ داری کا احساس﴾

مشہور ہے کہ کسی شخص نے ہارون رشید کے دربار میں ایک حیرت انگیز کرتب دکھانے کی اجازت چاہی، اجازت ملنے کے بعد دربار میں حاضر ہوا اور فرش کے بیچ و بیچ ایک سوئی کھڑی کی اور کچھ فاصلے پر کئی سوئیاں ہاتھ میں لے کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے ایک سوئی ہاتھ میں پکڑی اور فرش پر کھڑی کی ہوئی سوئی کا نشانہ لیا، حاضرین کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب انہوں نے دیکھا کہ یہ سوئی پہلی سوئی کے ناکہ میں داخل ہو کر پار ہو گئی، اس طرح اس نے تقریباً دس سوئیاں پھینکیں، اور سب کی سب پہلی سوئی کے ناکہ سے پار ہو گئیں۔

ہارون رشید نے یہ حیرت انگیز کمال دیکھا تو حکم دیا کہ ''اس شخص کو دس دینار انعام دیے جائیں اور دس کوڑے لگائے جائیں'' حاضرین نے اس عجیب وغریب انعام کی وجہ پوچھی، تو ہارون رشید نے کہا......دس دینار اس شخص کی ذہانت، نشانہ کی سچائی کا انعام ہے اور دس کوڑے اس بات کی سزا ہے کہ اس نے اپنی خداداد صلاحیت اور قیمتی وقت کو ایک ایسے کام میں صرف کیا ہے جس کا دین و دنیا میں کوئی فائدہ نہیں۔

(اسلام اور جدت پسندی ۴۷ مولانا تقی عثمانی)

اگر قیمتی وقت کوئی اس طرح ضائع کر دے، کہ اس کا کوئی فائدہ نہ ہو، تو اس کے بارے میں قادر مطلق اس کے نگراں سے پوچھے گا کہ وقت جیسی متاع گراں کو ضائع ہوتے ہوئے تو دیکھتا رہا اور اس پر تم نے کوئی نکیر نہ کی، جب کہ تمہاری ذمہ داری

تھی کہ اس کو وقت کی حفاظت، اس کی قدر و قیمت سے آگاہ کرتے اور اس کا رخ اعمالِ صالحہ کی طرف پھیرتے، تاکہ وہ اس پر عمل کر کے انسانیت کے اوج کمال پر پہونچنے کی کوشش کرتا۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خالق کائنات نے جن کو فضل و شرف سے نوازا، اور عقل کی دولت عطا کی، وہ لوگ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت، ان کی دینی یا دنیاوی تعمیر و ترقی، اور انہیں ہر قسم کے خسران و نقصان سے بچانے کیلئے اپنی اپنی سوچ کے مطابق ہمیشہ سے فکر مند رہے تاکہ وہ خوشگوار زندگی کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو سکیں چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن اس کی سمجھ میں باپ کی نصیحت نہ آئی، جب اُسے طوفان میں گھرا دیکھا تو شفقت پدری نے پھر اُسے آواز دی یٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَعَنَا ، اے بیٹے ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا، حضرت نوحؑ کو معلوم تھا کہ ہلاکت سے بچنے کا واحد راستہ کشتی ہی ہے اور آج اس طوفان سے کوئی چیز بچانے والی نہیں ہے، مگر وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آیا، بالآخر طوفان کی ایک موج نے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

﴿انبیاء کرام کی آمد کا مقصد﴾

انبیاء کرام کی دنیا میں آنے کا عظیم مقصد بھی یہی ہے کہ انسان، وقت اور عمر عزیز کو خالق کائنات کے منشور کے مطابق استعمال کر کے دونوں جہان کی کامیابی و کامرانی حاصل کر لے اور یہ اسی وقت ممکن ہو سکے گا، جب وقت کی قدر و قیمت، عمر عزیز کی اہمیت اور اس کا مقصد انسان کے پیش نظر ہوگا۔

انسان کی صلاح وفلاح کا مکمل دستور دے کر ہر دور میں اللہ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو ان کی امتوں کی طرف بھیجا، اورانہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو اس طرح سر انجام دیا کہ اس میں ذراسی کوتاہی کا تصور بھی کبھی راہ نہ پاسکا۔

نبی امی لقب ﷺ نے میدانِ عرفات میں صحابہ کرام سے مخاطب ہوکرفرمایا،'' قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا، بتلاؤ کیا جواب دوگے، صحابہ نے عرض کیا، ہم یہ گواہی دیں گے کہ آپ ﷺ نے ہم تک اللہ کا پیغام پہونچادیا، اور خدا کی امانت ادا کی، اُمت کی خیر خواہی کی، آنحضرت ﷺ نے تین بار انگشت شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اَشھَدُ ۔اے اللہ! تو گواہ رہ۔
(سیرت مصطفیٰ ج۳ص۱۶۲)

انبیاء اپنی امت کی رہنمائی اور دونوں جہان کی بھلائی کیلئے جس طرح اپنے اپنے زمانے میں فکرمند رہے اوراپنے فرائض منصبی میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اسی طرح اولاد کے سلسلے میں ماں باپ کی بھی ذمہ داری ہوتی ہے، کہ وہ اپنے بچوں کی صحیح رہنمائی کیلئے ہر وقت ان پر نظر رکھیں۔

﴿تربیت اولاد کی فکر﴾

والدین جس طرح اپنے بچوں کی پرورش اوران کی دنیوی آرام وراحت کا انتظام کرتے ہیں، اوران کی ترقی کیلئے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں، اسی طرح ان پر لازم ہے کہ اپنے بچوں کی فکری، نظری، علمی، عملی، دینی اوراخلاقی تربیت کریں، بُری

صحبت، اعمالِ بداور غلط راہوں سے ان کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

قرآن نے اولاد کی دینی اور روحانی تربیت کے سلسلے میں حضرت ابراہیم ویعقوب علیہما السلام کی وصیت اوران کے طرز عمل کو مہتم بالشان طریقہ پر شاید اسی لئے ذکر فرمایا، تاکہ معلوم ہوجائے کہ والدین کا فرض اوراولاد کا حق کیا ہے؟ اور یہ کہ ان کی صلاح وفلاح کی فکر سب سے مقدم ہے، رب ذوالجلال نے اپنے محبوب سے فرمایا، وَاَنذِرْ عَشِیرتکَ الاَقْربین اپنے قریبی رشتہ داروں کوڈرایئے، چنانچہ آپ نے صفا پہاڑی پر قبائل قریش کوجمع کرکے فرمایا کہ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ پہاڑ کے عقب میں ایک لشکر ہے جوتم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری تصدیق کروگے، سب نے ایک زبان ہوکر کہا بیشک، ہم نے تو آپ سے سوائے صدق اور سچائی کے کچھ دیکھا ہی نہیں، تب آپ نے فرمایا میں تم کوایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں، ابولہب نے کہا تف ہے، تجھ پر، کیا ہم کواس لئے جمع کیا تھا۔ اس پر تبّتْ یَدَا کی پوری سورہ نازل ہوئی۔ (بخاری ج۲ص۴۳)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب دنیا سے سفر کرنے کا وقت آیا تو اپنے بیٹوں کو بلایا اور فرمایا، جس کو قرآن مقدس نے اس طرح ذکر فرمایا ہے۔

اَمْ کنتم شُہَداء اذ حَضَرَ یَعْقوبَ المَوتُ، اِذ قَال لِبَنیْہ مَا تَعبدونَ مِنْ بَعْدی، قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰھکَ وَاِلٰہَ اٰبَائِکَ اِبْراھِیْمَ واسمٰعیلَ وَاسحٰق اِلٰھاً وَاحِداً، وَنحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْن۔ (سورہ بقرہ آیت ۳۳)

ترجمہ: کیا تم موجود تھے، جس وقت قریب آئی یعقوبؑ کے موت، جب کہا

اپنے بیٹوں کو تم کس کی عبادت کروگے میرے بعد؟ بولے: ہم بندگی کریں گے، تیرے رب کی، اور تیرے باپ، دادوں کے رب کی، جو کہ ابراہیم، اور اسمٰعیل اور اسحٰق ہیں، وہی ایک معبود ہے، اور ہم سب اس کے فرمانبردار ہیں۔

حضرت یعقوبؑ کا وفات سے پہلے اپنے بیٹوں سے عہد و پیمان لینا، ذمہ داری کے اسی احساس کا نتیجہ ہے۔

ہر شخص خواہ وہ دیندار ہو یا دنیا دار، یہ چاہتا ہے کہ جو میرے پاس سرمایہ ہے، موت سے پہلے اپنی اولاد کو دے جاؤں، اگر وہ دنیا دار ہے تو دنیا کی رونقیں، مال و دولت، عہدے اور مناصب ہی اس کا آئیڈیل ہیں، جس پیشہ سے وہ وابستہ رہا، خواہ صنعت وحرفت ہو یا تجارت وملازمت، ڈاکٹری کا مشغلہ ہو یا انجینئری کا، ایکسپورٹ ہو یا امپورٹ، غرض دنیا کے جس کام سے اس کا تعلق رہا ہے، بالعموم اسی کی بابت وہ اولاد کی رہنمائی اور تربیت کرتا ہے۔

لیکن انبیاء اور ان کے متبعین جس چیز کو لازوال نعمت اور دائمی دولت سمجھتے ہیں، وہ ایمان وعمل صالح کے ساتھ، رب کی بندگی، اس کی رضامندی اور اخروی نعمتوں کا حصول اور وہ جنت ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْن، یعنی متقین کیلئے بنائی گئی ہے ان کی تمام تر توجہ اپنے لئے اور اپنی اولاد کیلئے اسی پر مرکوز رہتی ہے، اور وہ چاہتے ہیں کہ وہ نعمتیں ان کو پوری پوری مل جائیں، اس کے لئے وہ کوششیں بھی کرتے ہیں، اور دعائیں بھی، اور دنیا سے چلتے چلتے اسی کی وصیت بھی کر جاتے ہیں۔

انبیاء کرام کے بعد جو صدیقین، صالحین اور اللہ کے مقرب بندے ہوتے ہیں

ان کو بھی اپنی اولاد کیلئے یہی فکر دامن گیر رہتی ہے کہ وہ نیک اور بلند کردار کے حامل ہو جائیں۔

﴿بیٹوں کو باپ کی نصیحت﴾

حضرت لقمان علیہ السلام کی نصیحت کو خود قرآن مقدس نے ذکر فرمایا **وَاِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابنِہٖ و ھو یعظُہٗ ، یٰبُنی لَا تشرِک باللّٰہ انّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیم.** (پ۲۱،لقمان،آیت۱۳)

اے بیٹے ! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا۔ اگر والدین شرک پر مجبور کریں (تو ایسی صورت میں) ان کی پیروی مت کرنا (اس کے باوجود والدین کی عظمت اوران کے مقام ومرتبہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا) چنانچہ آگے فرمایا گیا **وَصَاحِبْھُما فی الدّنیا مَعْرُوفاً** ان کے ساتھ دنیا میں حسن سلوک سے پیش آنا، پھر یہ بھی نصیحت کی۔

یٰبنَیّ انّھَا اِنْ تَکُ مثقال حَبّۃٍ مِنْ خَرْدلٍ فتکن فِی صَخرَۃٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الارْضِ یَأتِ بِھَا اللّٰہ، اِنّ اللہ لَطِیْفٌ خبیْر. یٰبُنیّ اَقِمِ الصّلٰوۃ وَاْمُرْبالمَعْروف وَانہَ عَنِ المنکر وَاصْبِرْ علیٰ مَا اصَابکُ ، انّ ذالک مِنْ عَزْمِ الاُمُوْر. (سورہ لقمان پ۲۱،آیت۱۶۔۱۷)

اے بیٹے ! اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو، پھر وہ کسی پتھر میں ہو یا آسمانوں یا زمین میں ہو، لا حاضر کرے اس کو اللہ: بیشک اللہ جانتا ہے چھپی ہوئی چیزوں کو، خبر دار ہے۔

اے بیٹے قائم رکھ نماز کو اور سکھلا بھلی بات، اور منع کر برائی سے اور تحمل کر جو تجھ

پر پڑے، بیشک یہ ہمت کے کام ہیں اور ہمت سوچ کے مطابق ہوتی ہے۔

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ہر انسان کی سوچ اسکی ہمت ہی کے بقدر ہوگی، اگر انسان دیندار ہے، تو آخرت کی فکر اسکے پیش نظر ہوگی اور اگر دنیا دار ہے، تو اس کے سامنے دنیا کی ترقی اور اس کے لوازمات ہوں گے اور ہر شخص اپنی فکر کے مطابق ہی اپنی اولاد کو نصیحت کرے گا۔

حکیم لقمان کے دل میں فکر آخرت کا چراغ روشن تھا، اسی روشنی میں لختِ جگر کو نصیحت کی۔ تا کہ دنیا کی پُرکشش نیرنگیوں میں خود کو فضول اور بیکار کاموں سے دور رکھ کر وقت کو صحیح مصرف میں لگا سکے۔

اسی لئے اللہ کے بندوں نے اپنی اولاد کو وقت کی قدر و قیمت، اسکی حفاظت اور اعمال صالحہ کی ہدایت کے ساتھ وقت کو اچھے کام میں استعمال کرنے کی نصیحتیں فرمائیں۔

﴿ابن جوزی کی نصیحت﴾

علامہ ابن الجوزی نے بھی ایک نصیحت نامہ اپنے بیٹے ابو القاسم بدر الدین علی (متوفی ۶۳۰) کو "لفتة الكبد الىٰ نصيحة الولد" کے نام سے اسی لئے تحریر فرمایا، تا کہ ذمہ داری کا کچھ نہ کچھ حق ادا ہو جائے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ فانتبه يا بُنَيَّ ! لنفسِكَ ، وانْدم علىٰ مَا مضىٰ مِن تفريطك وَاجتهد فِي لحاقِ

الکاملین مَا دام فی الوقت سعةً ، واسْتق غُصْنک مَا دامَتْ فیه رطوبة، وَاذکُر سَاعتک التی ضَاعَت فَکفیٰ بهَاعظة ، ذهبت لَذَّةُ الکسْلِ فیها وفاتت مَرَاتب الفضائل. (الیٰ نصیحۃ الولد ص:۳۸)

وَاعْلَمُ یَا بُنیّ، انّ الایّام تبسط سَاعاتٍ، والسَّاعَات تبسط انفاساً وَکل نَفَس خزانة، فاحذر! ان یذهب نفسٌ بغیر شئی، فتریٰ فی القیامةِ خزانةٌ فارغةٌ فتندم. (الیٰ نصیحۃ الولد ص:۳۹)

وَاَلزِمْ یا بُنیَّ ! الانتباه عِنْد طلوع الفجر ولا تتحدَّث بحَدِیْث الدنیا ، فَقَدْ کان السلف الصَّالح رحمهم اللّٰه لاَ یتکلمُوْنَ فِی ذَالک الوقت بشئی من امور الدنیا . (ص:۵۰)

وَعَلیک بالعزلَةِ فهِیَ اصل کلّ خیرٍ، واحذر من جلیس السّوء، ولیکن جلساء ک الکتب والنظر فی سِیَرالسَّلف.(ص:۵۸)

واجْتَهِد یَا بُنَیَّ! فی صِیَانَةِ عرضک مِنَ التعرُّض لطلب الدُّنیا والذل لا هلها. واقنع تعزّ . فقد قیل " من قنع بالخُبْزِ وَ البقِل لم یَسْتَعْبدهُ اَحَدٌ " (ص:٦٢)

وَاَدِّ اِلیٰ کلِّ ذی حَقٍ حَقَّهٗ، مِنْ زَوْجَةٍ و وَلَدٍ ، وانظر اِلیٰ کل سَاعَةٍ مِنْ سَاعَاتِک بِمَا ذا تَذهب، فَلا تودعها الّاَاشرَف مَا یُمکن، وَلا تُهْمِل نفسَک، وَعَوِّدْهَا اشرف مَا یکون مِنَ العَمَلِ وَاَحسَنَه ، وابعث اِلیٰ صنْد وق القبر مَا یُسِرّک یَوْمَ الوصول الیه، کما قیل. (ص:٧٦)

یا مَنْ بدنیا ه اشتَغل ☆ وَغَرَّه طول الاَمَل

الــمَــوْتُ يَـا تِـیْ بَـغْتَةً ☆ والـقبـر صنـدوق الـعَـمـل

ترجمہ: اے میرے بیٹے! خبردار رہو، اپنے آپ سے، اور شرمندہ رہو اس زندگی پر جو کوتاہی عمل میں گذر گئی، اور جہاں تک وقت میں گنجائش ہو، کامل لوگوں کی صحبت اختیار کرو، اور اپنی شاخ کو پانی دیتے رہو، جب تک اس میں نمی ہو، اور ان لمحوں کو یاد رکھو، جو ضائع ہو گئے، کہ وہ نصیحت کیلئے کافی ہیں، (سوچو) کاہلی کی لذت تو ختم ہو گئی۔ اور اس میں جو مراتب فضیلت حاصل ہو سکتے تھے وہ بھی فوت ہو گئے۔

اے میرے بیٹے! زمانۂ زندگی چند گھنٹوں پر اور گھنٹے چند سانسوں پر محیط ہیں، اور زندگی کی ہر سانس گنج گراں مایہ ہے، اس لئے یہ خیال رہے کہ کوئی سانس بے فائدہ نہ گذرے، تا کہ کل قیامت میں خزانہ خالی دیکھ کر شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اے میرے بیٹے! طلوع فجر کے وقت بیداری کو اپنا شیوہ بنالو۔ اور اس وقت دنیا کی کوئی بات نہ کرو، سلفِ صالحین رحمہم اللہ اس وقت دنیاوی امور سے متعلق کسی قسم کی کوئی گفتگو نہیں فرماتے تھے۔

تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کرو، اس لئے کہ یہ ہر بھلائی کی جڑ اور بنیاد ہے۔ بُرے ہمنشینوں سے دور رہو، کتابوں کو اپنا رفیق بناؤ، اور اسلاف کی سیرتوں پر غور وفکر کرتے رہو۔

اے میرے بیٹے! اپنی آبرو کی حفاظت میں دنیا کی طلب اور دنیا داروں کی تابعداری سے اعراض کرنے کی کوشش کرو، قناعت کا پیشہ اختیار کرو۔ مقولہ ہے ''جس نے روٹی اور سبزی پر قناعت کر لی، اس کو کوئی غلام نہیں بنا سکتا''

اور بیوی، اور قرابت داروں میں سے ہر ایک کو اس کا حق ادا کرو، اور ایک ایک

لمحہ پر نظر رکھو کہ کہاں صرف ہو رہا ہے۔ وقت کو اچھے کام میں لگاؤ، بیکار زندگی نہ گذارو، اچھے اور مفید کاموں کی عادت ڈالو، اور شہر خموشاں کے صندوق میں ایسا کچھ سرمایہ جمع کرو، کہ جس دن وہاں پہونچو، وہ آپ کیلئے خوشی اور مسرت کا باعث ہو۔

اپنی دنیا میں مشغول، اور لمبی امید سے دھوکہ میں رہنے والے .سن!

موت تو اچانک آجاتی ہے۔ پھر...... قبر میں پہونچنا ہے جو عمل کا صندوق ہے۔

﴿امام غزالی کی نصیحت﴾

امام غزالیؒ نے اپنے ایک شاگرد کی درخواست پر " اَیُّھَا الولد" کے نام سے نصیحتوں کا مجموعہ تحریر فرمایا، جو علی محی الدین علی القرہ داغی کی تحقیق وتعلیق اور مقدمہ کے ساتھ ۱۵۸ صفحات پر طبع ہوا۔ جس میں وہ بار بار اَیُّھَا الولد کے ذریعہ ہر اہل علم اور صاحبان عقل وفہم سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں، اَیُّھَا الولد: النصیحة سَهْلٌ والمشکل قبولها وتنفیذ ها . اے بیٹے نصیحت کرنا تو آسان ہے۔ مگر اس کو قبول کرنا ،اس کو اپنی زندگی میں اُتارنا بہت مشکل ہے۔ ایها الولد : مَا لَمْ تَعْمَل لم تجد الاجر . اے بیٹے جب تک عمل نہ کروگے۔ اجر نہ پاؤگے العلم بلا عمل جنونٌ والعمل بلا علم لا یکونُ. علم، عمل کے بغیر دیوانگی ہے اور علم کے بغیر عمل کرنا ممکن نہیں، اِعْلَمْ انَّ عِلْماً لا یُبعِدُ کَ الیوم عن المعاصِی وَ لا یَحمِلُکَ علیٰ الطاعةِ ، لن یُبعِدُ کَ غداً عَنْ نَارِ جهنم، واِذا لَمْ تعمَلُ الیوم، وَلم تدارِک الایَّام الماضیة، تقول غداً یوم القِیامةِ " فارجِعْنَا نعمل صالحاً" فیقال : یا احمق انت من هناک تجئی .

اور جان لو! کہ ایسا علم جو آج تم کو معاصی سے دور نہیں کرسکتا اور تم کو اطاعت پر آمادہ نہیں کرسکتا وہ ہرگز کل تم کو جہنم کی آگ سے بھی دور نہیں کر سکے گا۔ اور جب تم آج عمل نہیں کرو گے، تو تم گذرے ہوئے دنوں کی تلافی نہ کرسکو گے۔ تو تم کل قیامت کے دن کہو گے۔ ہم کو لوٹا دیں (دنیا میں) تا کہ ہم نیک عمل کرلیں تو کہا جائے گا۔ ارے بیوقوف تو وہیں سے تو آرہا ہے۔ **ایُّھا الولد : لا ینال الانسان الغایة الا بالجدِّ و سَھْرِ اللیالی** ۔ اے بیٹے! انسان! کوشش اور شب بیداری کے بغیر مقصود کو نہیں پاسکتا۔ **ایھا الولد : العلم المجرد لا یُوصِلُ الانسان اِلیٰ الغایۃِ الامع العَمل** : اے بیٹے: محض علم، عمل کے بغیر مقصود تک نہیں پہونچا سکتا۔ **ایُّھا الولد : علامة الشقَاوۃِ . الکلام الکثیر . والقلب الغافل، المملؤ بالشھْوَۃِ** . اے بیٹے! بدبختی کی علامت کلام کی کثرت۔ اور دل کی غفلت ہے، جو خواہشات سے پُر ہو۔ **ایھا الولد: عِشْ مَا شَئتَ فَاِنکَ مَیّتٌ ، وَاحببْ مَنْ شئتَ فَاِنَّکَ مفارقه، وَاعْمَل مَا شِئتَ فَاَنکَ مَجْزِیَ بهٖ** ۔ اے بیٹے! جیسے چاہو زندگی گذار لو۔ (اک دن) تمہیں مرنا ہے۔ اور جس سے چاہو محبت کرلو (ایک دن) تمہیں اس کو چھوڑنا ہے۔ اور جو چاہو عمل کرلو۔ (ایک دن) تم کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

ایھا الولد : خلاصة العلم ، الوصول الیٰ معرفةِ اللّٰه. اے بیٹے! علم کا خلاصہ اللہ کی معرفت حاصل کرنا ہے اور یہی انسانی زندگی کا مقصد ہے۔ اور دونوں جہان کی کامرانی کا راز اسی میں مضمر ہے۔ **ایھا الولد** سے چند آدھی، ادھوری نصیحتیں نقل کی گئی ہیں، مزید کیلئے **ایھا الولد** دیکھیں۔

﴿علامہ اقبال کی نصیحت﴾

علامہ اقبال کو بھی یہی فکر دامن گیر رہی، بیٹے کو مخاطب کر کے ''حیاتِ جاوید'' کے نام سے جو نظم کہی، اس کا حاصل اور خلاصہ یہی ہے کہ محنت ومشقت اٹھائے اور وقت کو مفید کاموں میں استعمال کئے بغیر کوئی شخص بھی اوج کمال تک نہیں پہونچ سکا۔

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا، تب نگیں ہوا

ترقی کی خواہش تو ہر ایک کو ہوتی ہے..ع چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم۔

لیکن اوج ثریا پر قدم رکھنے کیلئے سخت کوشی اور عقل سلیم کی ضرورت ہے، کہ اسی سے قوتِ فکر وعمل کا وجود ہے، اسی سے خودی کی حفاظت ہے وہی تو ترقی کے فن سکھاتی ہے، وقت کے تحفظ کی راہیں کشادہ کرتی ہے اور وہی تو شاعر مشرق سے کہلواتی ہے۔

دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر نیا زمانہ، نئے صبح وشام پیدا کر
خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھکو سکوتِ لالہ وگل سے کلام پیدا کر
اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں ۱سفالِ ہند سے مینا وجام پیدا کر
میں شاخ ۲تاک ہوں میری غزل ہے میرا ثمر مرے ثمر سے مئے لالہ فام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

---

۱ سفال: مٹی کا برتن، ٹھیکرا ۲ تاک، انگور کی بیل

﴿ہر فرد ملت کو سلطان ٹیپو کی نصیحت﴾

سلطنتِ خداداد کا وہ خدا ترس، نڈر حکمراں (سلطان ٹیپو) جو بچپن سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک ملک اور قوم وملت کی سربلندی کیلئے دشمنوں سے برسرِ پیکار رہا، جس نے جنگ زدہ فضاؤں میں ہوش سنبھالا، اور میدانِ کارزار میں دنیا سے آخرت کے لئے روانہ ہوا اس نے بھی اقبال کی زبان میں یہی نصیحت کی۔

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول ❖ لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول
اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز ❖ ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں ❖ محمل گداز گرمی محفل نہ کر قبول

صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

انبیاء، حکماء، صاحبِ دل اور اہل دانش کی یہ نصیحتیں اور وصیتیں، اسی لئے تو ہیں، کہ آدمی غفلت میں نہ رہے، بیکار وقت نہ گذارے، خاموش اور مایوس نہ بیٹھے بلکہ ہر ہر لمحہ کی حفاظت کرے۔ اور جہاں تک ہو سکے وقت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے، کیونکہ یقین محکم اور عمل پیہم سے ہی بزم ہستی آباد ہے، اور وہ موج اپنا وجود کھو دیتی ہے جو سکون کی تلاش میں ساحل سے ہمکنار ہو جاتی ہے۔

ریاض عالمِ ہستی پہ اعتبار نہ کر
کہ مستعار ہے یہ دورِ گل رہے نہ رہے

﴿وقت اور خودی﴾

وقت اور خودی کے درمیان ایک لطیف رشتہ ہے، خودی کی تربیت وقت کی رہینِ منت ہے، اور وقت کی قدر و قیمت خودی کے فلسفہ میں مضمر ہے مَنْ عَرَفَ نفسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّه، جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا،

شیخ سعدیؒ نے بوستاں میں ایک بزرگ کی حکایت لکھی کہ خُتن کے بادشاہ نے ایک بزرگ کی خدمت میں ایک بہت عمدہ لباس بھیجا، بزرگ نے یہ لباس پہن کر زمین ادب کو بوسہ دیا، بادشاہ کے جود وسخا اور عالی ظرفی کی تعریف کی، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس خِلْعَتْ کے عمدہ ہونے میں کلام نہیں، لیکن اس کے مقابلہ میں میرا پیوند لگا خرقہ بہت بہتر ہے، کیونکہ اِسے پہن کر کسی انسان کے سامنے سر نہیں جھکانا پڑتا۔

تری خودی وہ متاعِ عزیز ہے ناداں
نہیں ہیں قیصر و کسریٰ کے تاج جس کا جواب
حریر و اطلس و کمخواب لے کے سر نہ جھکا
نہ کر جمالِ خودی کھو کے اپنا حال خراب

جو لوگ دولت کو سرمایہ زندگی سمجھتے ہیں، ایسے لوگ حصول دولت کیلئے ہر قسم کی بے ضابطگی اور ذلت قبول کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں، لیکن جو دانشمند ہوتے ہیں ان کے نزدیک سب سے قیمتی سرمایہ ایمان اور یقین محکم ہے اور اسی کا ایک نام خودی بھی ہے۔

انسان، خالقِ کائنات کی مخلوقات میں سب سے حسین شاہکار ہے۔ اپنے آپ میں وہ خود ایک جہان ہے، انسان غور تو کرے، کائنات کی ہر چیز قدرت نے اس میں

ودیعت کررکھی ہے، سبزۂ وزار سے لیکر، ابرنیساں اور پہاڑ کی صلابت و چوٹیاں تک ہرایک منظر اسکی ذات میں موجود ہے، نہ کبھی ہم نے اسکے بارے میں سوچا، نہ قدرت کی بے شمار ارد گرد بکھری ہوئی نشانیوں پر غور کیا، قرآن کہتا ہے وَكَايَن مِنْ اٰيَةٍفِي السَّمٰوٰاتِ وَالاَرْض يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عنها مُعْرِضُوْن (سورہ یوسف، آیت ۱۵) کتنی نشانیاں ہیں آسمان وزمین میں، جس پر گذرتے رہتے ہیں اور اس سے اعراض کرجاتے ہیں۔

اگر ہم ان نشانیوں پر غور کر لیتے اور تدبّر سے کام لے لیتے تو خالق ارض وسماء کی معرفت بھی حاصل کر لیتے اور اپنے وجود کی مقصدیت کو بھی جان لیتے، مگر شرط ہے کہ شعور بیدار ہو۔

ہے آبِ حیات اس جہاں میں
شرط اس کے لئے ہے تشنہ کامی

اگر پیاس بجھانے کی تڑپ ہو تو سبیلیں مل سکتی ہیں، آب زمزم کے چشمے اُبل سکتے ہیں، اگر علم کے حصول کی سچی طلب ہے تو کوئی بھی خضرِ وقت کی صورت میں آپ کی رہنمائی کرسکتا ہے، اگر کامل یقین ہے تو دریائے پُرشور پر راستہ بن سکتا ہے۔ اگر عشق الٰہی کی آگ دل میں روشن ہو تو دنیا کی آگ بھی گلزار بن سکتی ہے۔ مگر ان سب چیزوں کیلئے بقول غالب سفر ہے شرط......اور سفر کیلئے سمتِ سفر کا صحیح ہونا۔ وقت کی نزاکت کو سمجھنا اور مضبوط قوت ارادی کا ہمرکاب ہونا، کامیابی کیلئے ضروری ہے۔

سیلاب رنگ ونور، طلوعِ سحر میں ہے
تابندہ کہکشاں مری گردِ سفر میں ہے

اور یہ گردِ سفر کیا ہے؟ وقت کے لمحات، منٹ، گھنٹے اور ایام ہیں جن سے ماہ وسال کی نمود ہے، اور اسی کے قدر وانضباط سے خودی کی تعمیر ہوتی ہے۔

خودی ہو زندہ تو فقر بھی شہنشاہی
نہیں ہے طغرل وسنجر سے کم شکوہِ فقیر
خودی ہو زندہ تو دریائے بیکراں پایاب
خودی ہو زندہ تو کہسار، پرنیاں وحریر

اور جب خاکی نژاد انسان میں شعلہ وشرر کی تپش وتاب ہو، اور صحراء وبیابان کی کھلی فضا میں کسی مردِ حق آگاہ کی رہنمائی ہو، اور شب وروز کی شبّانی وقت کا وظیفہ ہو تو خودی کی تربیت ہوتی ہے، اور پھر خاک کے پردے سے کوئی کلیم جلوہ گر ہوتا ہے۔

خودی کی تربیت کیلئے جدو جہد کی ضرورت ہوتی ہے، وقت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کی دھڑکنوں اور اس کے تقاضوں کو سنجیدگی سے سمجھنا اور عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

خودی کی تربیت وپرورش پہ ہے موقوف
کہ مشتِ خاک میں پیدا ہو آتش ہمہ سوز
یہی ہے سرِ کلیمی ہر اک زمانے میں
ہوائے دشت وشعیب وشبانی شب وروز

﴿وقت اور زندگی﴾

وقت زندگی کا بیش قیمت سرمایہ ہے، بلکہ وقت ہی زندگی ہے، چنانچہ ڈاکٹر عبدالستار نویر نے اَلوَقْتُ ھُوَ الحیاۃ کے نام سے مستقل کتاب تحریر کی ہے۔

وقت کے بارے میں کہا گیا۔ فالزّمَنُ ھُوَ عَمْرُالحَیَاۃِ وَمَیدانُ وجود الانسانِ وَسَاحۃ ظلّہٖ وبقائہٖ وَنَفعِہٖ وَانتفاعِہٖ. (قیمۃ الزمن عندالعلماء، ص ۱۷)

ترجمہ: وقت ہی زندگی کی آبادی ہے اور انسانی وجود کا میدان ہے۔ اس کی عزت اور اس کی بقاء اور اس سے نفع اٹھانے اور نفع پہونچانے کی کشادہ جگہ ہے۔

اس لئے دانش مندی اور سمجھداری کا تقاضا تو یہی ہے، کہ وقت جو زندگی ہے اس کا ہر وقت محاسبہ کرتا رہے، کہ کیا کھویا ہے، کیا پایا ہے، ہمیں کیا کرنا تھا اور ہم نے کیا کیا ہے، کیا رہ گیا ہے، جو کرنا تھا اس کو پورا کرنے کی کوشش کرے، اُسے آئندہ کل پر نہ چھوڑے، ہوسکتا ہے کہ کل کا دن تمہارا ساتھ نہ دے۔

وقت جو بہت گرانمایہ ہے، اس کا صحیح، مناسب حال اور بروقت استعمال ایسا ہے جیسے کھیتی کیلئے پانی، وقت پر اگر کھیتی کو پانی نہ ملے تو کھیتی برباد ہوجاتی ہے، اسی طرح وقت کو اگر صحیح استعمال نہیں کیا گیا تو وہ بھی ضائع ہوجاتا ہے۔

وقت پر کافی ہے قطرہ ابر خوش ہنگام کا
جل گئی کھیتی اگر برسا تو پھر کس کام کا

وقت زمین کے مانند ہے، زمین پر محنت کر کے اُسے گل وگلزار اور سبزہ زار

بنا سکتے ہیں، اور لذت کام و دہن کیلئے ہر قسم کا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں، لیکن اگر اُسے بیکار چھوڑ دیں تو کانٹے دار جھاڑیاں اور بے مصرف پیڑ، پودے اُگ آتے ہیں۔

اسی طرح اگر وقت سے بروقت فائدہ نہ اٹھایا، تو پھر اس غفلت شعاری کے نتیجے میں پہونچنے والے نقصان کی تلافی کبھی ممکن نہ ہو سکے گی کیونکہ گذرا ہوا وقت لوٹ کر نہیں آ سکتا۔

امام مسلمؒ نے حضرت عمرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ اِذ طَلَع عَلَیْنا رَجُلٌ شَدِیْدبیاضِ الثیاب، شدید سواد الشَّعْرِ الخ. (صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث ۳۴)

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ایک شخص آیا، کپڑے بہت سفید تھے، بال بالکل سیاہ تھے، اس کے اوپر سفر کا کوئی اثر نہ تھا، ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا بھی نہ تھا، اس نے اسلام، ایمان، احسان، اور قیامت کے بارے میں سوال کیا، حضور ﷺ نے جواب مرحمت فرمایا، تو اس نے کہا صَدَقْتَ گفتگو مکمل ہونے کے بعد سائل چلا گیا، تو آپؐ نے حضرت عمر سے کہا أتدرِیْ مَنِ السَّائل؟ کیا تم کو معلوم ہے کہ سائل کون تھا؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کو ہی زیادہ معلوم ہے، تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ حضرت جبرئیل تھے، جو تمہیں دین سکھانے آئے تھے (اَتاکم یُعَلّمکم دینکم)۔

معلم کائنات کے پاس حضرت جبرئیل، طالب علمانہ تشریف لائے تھے، نہایت سفید پیراہن میں ملبوس، اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ مرد کیلئے سفید کپڑے کی فضیلت ہے، اور طالب علم کو خوش پوش ہونا چاہئے، بلکہ ہر مسلمان کو صفائی پسند اور

سلیقہ مند ہونا چاہئے۔

شدید سَواد الشَّعر سے کم عمری میں حصول علم کی تلقین ہوتی ہے۔ کہ یہی زمانہ حصول علم وفن اور تحقیق وجستجو کا ہوتا ہے، یہی وقت، قوت عمل، فکر کی تازگی، اعتماد اور جدوجہد کا ہوتا ہے۔ اور ہر قسم کا شوق بھی اسی عمر میں انگڑائیاں لیتا ہے۔

بد قسمتی سے آج نوجوانوں کیلئے وقت کی بربادی کے اتنے سامان فراہم ہیں کہ ان کو شمار بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ گاؤں سے لیکر شہر تک ایک سیلاب ہے رنگ ونور کا۔ ٹی وی، انٹرنیٹ، اینڈ ورائڈ موبائل گوگل، فیس بک۔ یوٹیوب، انسٹا گرام، واٹس ایپ اور ہزاروں سائٹوں کا، جس میں منہمک ہوکر وہ خود کو ہی بھول جاتا ہے۔

میں دیکھتا ہی رہ گیا نیرنگی صبح وشام
عمر فسانہ ساز گذرتی چلی گئی

﴿زندگی کا سب سے خوبصورت دور﴾

جوانی کی عمر اور طالب علمی کا زمانہ، زندگی کا سب سے خوبصورت زمانہ ہوتا ہے، یہی زمانہ حقیقت میں تعمیر وترقی کیلئے بے حد قیمتی ہوتا ہے، اور اسی مرحلہ میں مستقبل کے منصوبوں کی بنیاد رکھی جاتی ہے، اور آج ہی کی محنت پر تابناک مستقبل کا فیصلہ ہوتا ہے، اور اسی عمر کی عبادت بھی اللہ رب العزت کو سب سے زیادہ محبوب ہے، لیکن کیا کہا جائے، یہی زمانہ لہو ولعب، سیر وتفریح، تماش بینی، کاہلی، خواب غفلت اور گناہ کے موسم کا بھی ہوتا ہے۔

عظیم تر ہے عبادت شباب کی لیکن
یہی گناہ کا موسم ہے کیا کیا جائے

اب اُسے اختیار ہے کہ وقت کی قدر کر کے بخت خفتہ کو بیدار کر لے اور خوش آئند زندگی کی فکر میں لگ جائے ، یا بیکار، غیر مفید کاموں میں صرف کر کے اپنی تباہی وبربادی کا سامان کر لے۔

آپ زمین پر بیٹھے ہوں یا کھڑے، سوئے ہوں یا لیٹے، فیس بک یا یوٹیوب پر دل بہلا رہے ہوں، یا اخبار پڑھ کر سب سے عقلمند بن گئے ہوں یا چند دوستوں میں بیٹھ کر ملک فتح کر رہے ہوں، یا ذکر واذکار، اوراد وظائف، دینی باتیں یا مذہبی کتابیں دیدۂ ودل کے لئے نور وسرور اور سکون کا سامان فراہم کر رہی ہوں، جو بھی صورت ہو، آپ کی زندگی کا سفر جاری ہے، اس کے متعلق الشہاب غازی بن العادل نے اس طرح کہا۔

وَمِنْ عُجب الایّام انک قاعِدٌ عَلیٰ الارضِ فی الدنیا وَانْتَ تسیر
فَسیرک یا ھٰذا کسَیْرِ سَفینَۃٍ بقومٍ قعود والقُلُوعُ تطیُر

دنوں کا معاملہ بڑا عجیب ہے، باوجود اس کے کہ آپ زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں، پھر بھی چل رہے ہیں، اور آپ کی یہ حرکت اس کشتی کی طرح ہے، جس میں لوگ بیٹھے ہوتے ہیں، اور بادبان تیز رفتار سے چل رہے ہوتے ہیں۔

وقت کے بارے میں کبھی ہم نے سوچا ہی نہیں کہ وقت کیا ہے؟ وقت کی قدر وقیمت کیا ہے، وقت یا تو بہترین دوست ہے، یا بدترین دشمن ہے، دشمن سے محبت

کر لینا اور دوست سے پہلوتہی کر لینا، رنج وغم اور نقصان کو دعوت دینا ہے۔

مَن عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفسِهٖ . وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ إِلىٰ رَبكُمْ تُرْجَعُوْن. (پ۲۶،سورہ جاثیہ،آیت۱۵)

ترجمہ: جو نیکی کرے گا وہ اپنے ذاتی بھلے کیلئے اور جو برائی کرے گا، اس کا وبال اسی پر ہے، پھر تم اپنے پرودگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

نصیحت پر عمل کر لینا خود اس کے لئے ہی مفید ہوتا ہے، مگر شومیِ قسمت، عقل اور نفس کا غلام، دل کی غلامی پر آمادہ نہیں۔

قدرت نے اس جہاں رنگ و بو کو جس طرح رنگا، رنگ، مختلف و متضاد اشیاء کا مجموعہ بنایا ہے، اسی طرح انسانوں کو بھی نوع بنوع افکار و خیالات کا حامل بنا دیا ہے۔

ارشاد باری ہے ثـمّ اورَثـنـا الـكتٰـب الَّـذيْـنَ اصطفينا مِنْ عبادنا . فـمـنهم ظالِمٌ لنفسهٖ وَمنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات ِباذن اللّٰه . وَذالک هُوَ الفضل الكبير (سورہ فاطر پ۲۲)۔

پھر ہم نے وارث کئے کتاب کے ان لوگوں کو، جن کو چُن لیا ہم نے اپنے بندوں میں سے، پھر کوئی ان میں بُرا کرتا ہے اپنی جان کا، اور کوئی ان میں ہے بیچ کی چال پر ہے، اور کوئی ان میں آگے بڑھ گیا ہے، خوبیاں لے کر اللہ کے حکم سے، یہی ہے بڑی بزرگی۔

ooo

﴿امت محمدیہ کی تقسیم﴾

قرآن نے امت محمدیہ کی تقسیم، ایمان اور اعمال کی بنیاد پر اس طرح کی،
(۱) ظالم (۲) مقتصد (۳) سابق بالخیرات۔

(۱) **ظالم:** جو بعض واجبات میں کوتاہی کرتا ہے اور بعض محرمات کا ارتکاب کرتا ہے۔

(۲) **مقتصد:** جو تمام واجبات شرعیہ کو ادا کرتا ہے اور تمام محرمات سے بچتا ہے مگر کبھی مستحبات کو چھوڑ دیتا ہے، اور مکروہات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۳) **سابق بالخیرات:** جو تمام واجبات و مستحبات کو ادا کرتا ہے، اور تمام محرمات و مکروہات سے بچتا ہے، بقول حضرت عائشہؓ یہ تینوں قسم کے لوگ جنتی ہیں، (ابن کثیر، معارف القرآن)

آج کے حالات اور وقت کے تناظر میں تین قسمیں اور بھی ہیں۔

(۱) **پہلی قسم:** جن کے پاس اپنا تو کچھ نہیں، البتہ ان کے پاس اپنا ماضی ہے، جن پر ان کو فخر ہے، ''پدرم سلطان بود'' ان کا وظیفہ ہے، نہ ان کو حال کی خبر ہے، نہ ان کے پاس کوئی عملی منصوبہ ہے، نہ کوئی جد و جہد، نہ ہی کوئی صلاحیت ہے کہ جس سے مستقبل کے تابناک ہونے کے امکانات روشن ہوں، بس ماضی کی یادوں کو تعویذ بنا کر گلے میں لٹکائے پھر رہے ہیں گویا آنکھیں موند کر ابھی تک ماضی میں پڑے ہوئے ہیں۔

اس زُمرے میں کچھ لوگ وہ بھی ہیں، جو ذات، برادری کی لعنت میں گرفتار ہیں، خاندانی نسبتوں کو عزت کا معیار اور بڑائی کا طغرۂ امتیاز سمجھتے ہیں اور اسی کے

سہارے وہ عزت کے متلاشی ہیں، اور بڑائی کے حصول کی خواہش میں جہالت کے دور کی مردہ لاش کو اٹھائے پھر رہے ہیں، نہ ان کو درگور کرنے کا حوصلہ ہے کہ سرمایہ ہی وہی ہے نہ ہی کچھ کرنے کی صلاحیت وقابلیت ہے کہ وقت ان کو سہارا دے سکے اور وہ کچھ کرسکیں۔

علامہ اقبال نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا ہے۔

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو ۔۔۔ نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو
بجلیاں جن میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو ۔۔۔ بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو
ہونکونام جو قبروں کی تجارت کر کے ۔۔۔ کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے

نسب، فخر وغرور کیلئے نہیں تعارف کیلئے ہے

اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نسب پر اترانیوالوں سے مخاطب ہوکر فرمایا

ایُّھا الفاخِرُ جھلاً بالنسب ☆ انما الناس لامٌ واَب
ھَل تراھُم خُلِقُوا مِنْ فضّةٍ ☆ اَمْ حَدیدٍ اَمْ نُحاسٍ اَمْ ذھبٍ
بَلْ تَراھُم خُلِقُوا من طینةٍ ☆ ھَل سوی لَحْمٍ وعَظْمٍ وعَصَب
اِنَّما الفخرُ لعَقلٍ ثابت ☆ وَحیَاءٍ وعفافٍ وَادب

ترجمہ: اے جہالت کی وجہ سے نسب پر اترانے والے سُن ! سب لوگ ایک ہی ماں باپ سے ہیں کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے کچھ سونے کچھ چاندی، کچھ لوہے اور کچھ تانبے سے پیدا کئے گئے ہیں، بلکہ تم انہیں دیکھو گے کہ وہ سب مٹی سے

پیدا کئے گئے ہیں اور کیا ان کا جسم، گوشت پوست، ہڈی اور اعصاب کے سوا کسی اور چیز پر مشتمل ہے۔ فخر تو عقل سلیم کیلئے، شرم وحیا، عفت وپاکدامنی اور علم وادب پر ہی زیب دیتا ہے۔

فخر، نسب پر نہیں علم وادب پر زیبا ہے

كُنْ ابنُ مَنْ شِئْتَ واكتِسبُ اَدباً ❖ يُغنيكَ مَحمُودُهُ عَنِ النَّسَبِ
فَلَيْسَ يُغْنِي الحَسِيْبَ نِسْبَتُهُ ❖ بِلا لسانٍ لَهُ وَلا اَدَبِ
انّ الفتىٰ مَنْ يقولُ هَا اَنَا ذا ❖ لَيْسَ الفتىٰ مَنْ يقولُ كانَ اَبى

ترجمہ: علم وادب حاصل کرو، پھر چاہے جس کے بیٹے ہو جاؤ، تمہیں اس کے اچھے اوصاف نسب سے بے نیاز کردیں گے، علم وادب اور زبان وبیان (کی صلاحیت) کے بغیر عالی نسب کو اس کا نسب کچھ فائدہ نہیں دیتا، بیشک جواں مردوہ ہے جو خود کو پیش کرے، اور کہے میں یہ ہوں، جواں مردوہ نہیں جو کہے میرے باپ دادا ایسے تھے۔

(دیوان حضرت علی رضی اللہ عنہ)

شاعر ابن الرومی (متوفی ۲۸۳ھ) کہتے ہیں۔

لئن فَخَرْتَ بآباء ذوى حسب لَقَدْ صَدَقْتَ وَلكِنْ بِئسَ مَا وَلدوا

دیوان ابن رومی ج:۱ ،ص:۵۲۵

اگر تم اپنے حسب ونسب والے باپ دادا پر فخر کرتے ہو تو تم سچ کہتے ہو، مگر انہوں نے بہت بُری اولاد کو جنم دیا ہے۔

بشرط ایمان، نسبی تعلق آخرت میں نفع دے گا

فرمان باری ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ. (سورہ طور پ۲۸ آیت۲۱)

ترجمہ: جولوگ ایمان لائے اوران کی اولاد بھی ایمان میں ان کے تابع رہی، یعنی مومن ہوئی، تو ہم ان کی اولاد کو بھی جنت میں انہی کے ساتھ ملا دیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ مومنین صالحین کی ذریت واولاد کوان کے بزرگ آباء کے درجہ میں پہونچادیں گے، اگرچہ وہ عمل کے اعتبار سے اس درجہ کے مستحق نہ ہوں گے، تاکہ ان بزرگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ (رواہ الحاکم والبیہقی فی سننہ والبزار وابونعیم فی الحلیۃ، وابن المنذر، وابن جریر وابن ابی حاتم۔ازمظہری)۔

اورطبرانی نے حضرت سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں کہ ابن عباس نے فرمایا اور میرا گمان یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی شخص جنت میں داخل ہوگا، تو اپنے ماں، باپ اور بیوی، بچوں کے بارے میں پوچھے گا (وہ کہاں ہیں) اس سے کہا جائے گا کہ وہ تمہارے درجہ کونہیں پہونچے (اس لئے ان کا جنت میں الگ مقام ہے) یہ شخص عرض کرے گا۔

اے میرے پروردگار: میں نے جو کچھ عمل کیا وہ اپنے لئے اوران سب کے لئے کیا تھا، تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے حکم ہوگا، کہ ان کو بھی اسی درجۂ جنت میں ان

کے ساتھ رکھا جائے۔ (ابن کثیر)

اولاد صالحین کی وجہ سے والدین کو بھی نفع پہونچے گا، یہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔

مسند احمد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کا درجہ جنت میں اس کے عمل کی مناسبت سے بہت اونچا کردیں گے۔ تو یہ دریافت کرے گا کہ اے میرے پروردگار مجھے یہ مقام اور درجہ کہاں سے مل گیا (میرا عمل تو اس قابل نہ تھا) تو جواب یہ دیا جائے گا کہ تمہاری اولاد نے تمہارے لئے استغفار اور دعا کی، اس کا یہ اثر ہے۔

(رواہ الامام احمد وقال اسنادہٗ صحیح)

(۲) دوسری قسم: جن کے پاس نہ تو ماضی ہے، نہ حال، بلکہ بدحال ہیں، ان کی زندگی کا دفتر بداعمالیوں، بیہودہ کاموں، اور روزمرہ کے بیکار مشاغل سے سیاہ ہوچکا ہے۔ نہ تو انہیں اس پر افسوس ہے، نہ تلافی مافات کی فکر، اور نہ آئندہ کچھ کرنے کا عزم، نہ عملی کوئی کوشش، خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں، پھر بھی اچھے مستقبل کی تمنا اور آرزو رکھتے ہیں، جب کہ وقت ان سے پکار کر کہہ رہا ہے۔

وَلَا تَغْفَلْ عَنِ الْإِحْسَانِ فِيْهَا
فَمَا تَدْرِيْ السُّكُوْنُ مَتٰى يَكُوْنُ

اس وقت اچھے کام کرنے میں غفلت مت کر، کیوں کہ پتہ نہیں کب سکون ہوجائے، اور زندگی کی بہار لٹ جائے، مگر اس کے باوجود ان پر زندگی کا راز آشکارا نہیں ہوتا، نہ ہی وقت کی بربادی کا خیال آتا ہے۔

خوب وناخوب عمل کی ہو گرہ وا کیونکر
گرحیات آپ نہ ہوشارح اسرارحیات

فرمان نبی ﷺ ہے۔ اَلْکَیِّسُ مَنْ دانَ نَفْسَه وَعَمِلَ لِمَا بَعد المَوْت وَ العَاجز مَنْ اَتْبَعَ نفسَهٗ هَواهَا وتمنّٰى عَلىٰ اللّٰهِ . (ترمذی وابن ماجہ)

عقلمند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو قابو میں رکھا، اور موت کے بعد کیلئے عمل کیا، اور عاجز وہ ہے جس نے اپنے آپ کو اپنی خواہش کے تابع کرلیا، اور اللہ سے امیدیں باندھ لیں، ایسے لوگوں کے بارے میں شاعر حکمت محمود بن حسن الورّاق (متوفی ۲۳۳ھ) نے کہا۔

مضىٰ اَمْسُکِ المَاضی شَهِیْداً مُعدّلاً وَاَعْقَبَهٗ یومٌ عَلَیکَ جَدِیْد
فَاِنْ کنتَ بالامس اقترفْتَ اِسَاءةً فَثَنِّ باحْسَانٍ وَانت حَمِیْد
وَلا تُرَجِّ فِعْلَ الخیر یوماً اِلىٰ غَدٍ لَعلّ غداً یَأتِی وانت فقید
وَیَوْمُکَ اِنْ عَایَنْتَهٗ عَادنَفْعُهٗ اِلَیْکَ وَمَاضِی الاَمْسِ لَیْسَ یَعودُ

ترجمہ: ماضی جو گذر گیا اس کو معتبر گواہ بنا کر رکھ، جبکہ تیرا حال یہ ہے کہ اس کے پیچھے جو نیا دن آرہا ہے وہ خود تمہارے خلاف ہے۔ اگر کل آپ سے کسی غلطی کا صدور ہوگیا ہے۔ تو نیکی کر کے اس کو ختم کیجئے، یہی قابل ستائش ہے۔ آج کی نیکی کے کام کو کل کی امید پر مت چھوڑو، ہوسکتا ہے کہ کل تو آئے اور تم نہ رہو، اگر تم اپنے "آج" کا مشاہدہ کرو (تو دیکھوگے کہ) اس کا نفع تمہیں ہی پہونچ رہا ہے (مگر یہ بات بھی یاد رکھو) کہ گذرا ہوا کل کبھی بھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔

(۳) **تیسری قسم**: جن کے پاس نہ تو ماضی ہے، نہ آباء واجداد کے روشن کارنامے، البتہ ان کے پاس عقل سلیم ہے، ہمت وجرأت ہے، اور کچھ کر گذرنے کا حوصلہ ہے۔ جو اس سے خود کہہ رہا ہے۔

زمانے کی یہ گردش جاودانہ ☆ حقیقت ایک تو، باقی فسانہ
کسی نے دوش دیکھا ہے نہ فردا ☆ فقط امروز ہے تیرا زمانہ

ماضی تو گذر چکا جو کچھ نہیں تھا، مستقبل کا کچھ پتہ نہیں، بس ''امروز'' اپنا ہے، اسی میں سمندر بھی پاٹنا ہے، اور کوہ سے راستہ بھی نکالنا ہے، اور روشن مستقبل کے امکانات بھی تلاش کرنے ہیں۔

اور جب انسان پختہ عزم کر کے کسی چیز کی طلب میں سرگرم عمل ہو جاتا ہے، تو اللہ رب العزت اس کے ساتھ لطف خاص کا معاملہ فرماتے ہیں، **وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنيا نُؤْتِهٖ منها وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الاخرةِ نُؤْتِهٖ منها وَسَنجزى الشّٰكرِيْن** (پ۴، آل عمران، ۱۴۵)۔

ترجمہ: اور جو کوئی دنیا میں بدلہ چاہتا ہے، ہم اُسے اس میں سے کچھ دیدیں گے، اور جو کوئی آخرت میں بدلہ چاہتا ہے، ہم اُسے آخرت میں دیدیں گے۔ اور ہم شکر گزاروں کو بہت جلد نیک بدلہ دیں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ **مَنْ كانَ يريْدُ حَرْثَ الْاٰخِرةِ نزدلهٗ فِي حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدّنيا نُؤْتِهٖ منها وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخرةِ مِنْ نَّصِيْب.** (سورہ الشوریٰ: ۲۰)

جس کا ارادہ آخرت کی کھیتی کا ہو، ہم اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے، اور جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہتا ہے، ہم اس میں سے ہی کچھ دیں گے، اور ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

اب یہ آپ کے ظرف اور فکر کی بات ہے کہ آپ کا مطلوب کیا ہے؟ آپ کے وقت کی قیمت کیا ہے، دنیا کی فانی دولت، ناپائیدار زندگی کی عارضی راحت ولذت، عہدہ ومنصب، عزت وشہرت یا آخرت کی لازوال نعمت اور دائمی جنت، جس پر محنت ہوگی اور وقت کا بیش قیمت سرمایہ جس پر صرف ہوگا رحیم وکریم آقا کی طرف سے اسکو وہی ملے گا، جس کی اس نے کوشش کی ہے، لَیْسَ لِلانسانِ الاّ مَا سعیٰ. خوش نصیب ہے وہ شخص جس نے دین کی سمجھ حاصل کی اور آخرت کا سودا کرنے میں اپنی توانائی اور زندگی کی بازی لگادی۔

کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

وقت کی اہمیت اور قدر وقیمت

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ (انسان) اپنے زمانے کے شرف اور وقت کی قدر کو جانے، ان میں سے ایک لحظہ بھی اللہ تعالیٰ کی قربت کے کاموں کے علاوہ کسی اور چیز میں ضائع نہ کرے اور ان اوقات میں افضل سے افضل عمل کو اپنے آگے بھیجنے کی کوشش کرے۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں: سب سے اعلیٰ اور فائدہ مند فکر وہ ہے، جو اللہ کیلئے اور

آخرت کیلئے ہو، اگر وقت ضائع ہوگیا تو تمام تر مصلحتیں ضائع ہوگئیں، سوتمامتر مصلحتوں کا اصل منبع وقت ہے، جب انسان سے کوئی وقت ضائع ہوجاتا ہے تو اسکا ازالہ کبھی بھی ممکن نہیں ہوتا۔ (الجواب الکافی ۲۰۸)

ابن عطاء نے حِکَم میں فرمایا۔ اوقات میں جوحقوق (واجبہ) ہیں (اگر وہ غفلت یا کسی وجہ سے رہ گئے) تو اس کی قضا ممکن ہے۔ (لیکن خود) اوقات کے حقوق (کہ ان اوقات میں جو کرنا تھا اگر وہ بروقت نہ کئے جاسکے) تو پھر اس کی قضاء (اور تلافی) ممکن نہیں۔

وقت کی مثال میں متنبّی کے ان اشعار کو پیش کیا جاسکتا ہے جو اس نے اپنے ممدوح کی تعریف میں کہا ہے۔

کالبدرِ مِنْ حَیْثُ التفَتَّ رَأیْتَہٗ　　یُھدی اِلیٰ عَیْنَیْکَ نُوراً ثاقِباً

کالبَحْرِ یَقْذِفِ للقرِیب جواھراً　　جوداً وَیَبْعَثُ لِلبَعِیْدِ سَحَائِباً

کالشَمْسِ فِی کبد السَّمَاءِ وضوءھا　　یغشي البلاد مشارقا ومغاربا

وقت اس ماہِ کامل کی طرح ہے کہ جہاں سے بھی نظر التفات کرو، وہ تمہاری آنکھوں کو مکمل روشنی عطا کرے گا۔

وقت تو اس سمندر کی طرح ہے، جو اپنی سخاوت کی وجہ سے قریب کیلئے موتی لٹاتا ہے، اور دور کیلئے بادلوں کو بھیجتا ہے۔

وقت تو نصف النہار کے سورج کی طرح ہے جس کی روشنی مغرب ومشرق کے تمام شہروں کو گھیر لیتی ہے۔ (دیوان متنبّی۔ ص:۱۱۱)

وقت کی قیمت اور اس کی بربادی کا جائزہ لیجئے تو ہر ہوشمند وہی کہے گا جو وزیر الصالح یحیٰ بن ہبیرہ نے کہا ہے۔

وَالْوَقْتُ اَنْفَسُ مَا عُنِيتَ بِحِفْظِهٖ
وَاَرَاهُ أسْهَلُ مَا عَلَيْكَ يَضِيعُ

وقت ایک نفیس ترین چیز ہے، اس کی حفاظت کا تم کو مکلّف بنایا گیا ہے، جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہی چیز تمہارے پاس سب سے آسانی سے ضائع ہو رہی ہے۔

وقت کی جن لوگوں نے قدر کی، صدیاں گذر جانے کے بعد بھی آج وہ زندہ ہیں، آج بھی ان کی عظمت اور ان کے عظیم کارناموں کو دنیا خراج تحسین پیش کرتی ہے۔

محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا، مَا مِنْ يَوْمٍ طلعت شمسه فيه اِلَّا يقولُ: مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّعْمَلَ فِيْ خَيْرٍ فَلْيَعْمَلْهُ ، فَاِنِّي غَيْرُ مُكرّر عَلَيْكُمْ اَبَداً. (الجامع لشعب الایمان۔ج:۵/ص:۳۶۰)۔

کوئی دن ایسا نہیں کہ اس میں اس کا سورج طلوع ہو کر یہ نہ کہتا ہو، کہ آج جو شخص کوئی بھلائی کا کام کر سکتا ہے، تو اُسے چاہئے کہ کر لے، اس لئے کہ میں آج کے بعد پھر کبھی لوٹ کر نہیں آؤنگا۔

اور یہی اعلان طلوع ہونے والا سورج ہر روز کرتا ہے، مگر ہماری غفلت نہ تو ہمیں عمل پر اُکساتی ہے، نہ ہی ہمیں کچھ سوچنے دیتی ہے کہ آخر دن کی روشنی کا مقصد کیا ہے؟

سنئے خالق کائنات کی بات: تاکہ دن کی روشنی اور رات کی تاریکی کا فلسفہ معلوم ہو جائے۔ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَ النَّهَارَ آيتين فَمَحَوْنَا اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَا اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتبتغُوا فَضْلاً مِنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعلَمُوا عَدَ د السِّنِيْنَ والحِسَابَ ، وَ كل شئٍ فَصَّلْنٰه تفصِيْلا. (بنی اسرائیل، آیت ۱۲)

ترجمہ: ہم نے رات اور دن کے دونمونے بنائے، اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا، تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرسکو، اور تاکہ تم معلوم کرسکو گنتی سالوں کی اور حساب، اور سب چیزیں ہم نے بیان کردی ہیں، کھول کر۔

اللہ نے رات اور دن کے آنے جانے کی حکمت، اور اندھیرے اُجالے کی غیر معمولی ضرورت واہمیت کو کھول کر اس طرح بیان کردیا، تاکہ انسان غفلت میں نہ رہے، شب وروز کی گردش کے مقصد کو سمجھے، اور دن کی روشنی سے بھرپور فائدہ اٹھانے اور روزی حاصل کرنے کی فکر میں لگ جائے، لیکن خیال رزق میں اپنے خالق ورازق کو نہ بھولے، رات کو الوداع اور دن کا استقبال کرنے سے پہلے اپنے پروردگار کو یاد کرلے، اس کی بارگاہ میں جبین نیاز کو جھکائے اور پھر روزی کی تلاش میں چل پڑے۔

ارشاد باری ہے **فَاذا قُضِيَتِ الصَّلوٰة فانتشروا فِي الارض وَابتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰه.** (سورہ جمعہ، پ:۲۸۔ آیت:۱۰)

جب نماز پوری کرلو تو زمین میں پھیل جاؤ، اور اللہ کا فضل تلاش کرو، تلاش معاش، اور اسباب رزق کو حاصل کرنے کی طرف بار بار توجہ دلانا، اس کے فضل وکرم کی بات ہے، کیونکہ جملہ اسباب معاش اس نے زمین کی گود میں رکھ دئے ہیں۔

وَلَقَدْ مَكّنّٰكُمْ فى الارضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايشَ ، قَلْيْلاً مَا تشكرون. (سورہ اعراف پ:۸، آیت:۱۰)

کھلی بات ہے کہ ہم نے تمہیں رہنے کی جگہ دی اور اس میں تمہارے لئے روزی کے اسباب پیدا کئے، پھر تم لوگ شکر کم ہی ادا کرتے ہو۔

اب دانش مندی تو یہی ہے کہ اسباب روزی ، حاصل کرنے کی فکر میں لگ جائے ، اوراس بات پر حق تعالی کا شکرادا کرتا رہے، کہ اس نے زمین کے سینے میں ہمارے لئے روزی کے لاکھوں اسباب مہیا فرمادئے ہیں، اور بتا بھی دیا، وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرٰزِقِين. (سورہ حجر پ۱۴ آیت ۲۰)

اوراس میں تمہارے لئے روزی کے سامان پیدا کئے ،اوران مخلوقات کے لئے بھی جن کوتم رزق نہیں دیتے ۔قسّامِ ازل اپنے بندوں اوراپنی مخلوقات پر کس قدر مہربان ہے، کہ اس نے روزی کے سامان فراہم کئے اوران کے حصول کا راستہ اسباب سے جوڑا، پھر بے شمار اسباب وسائل کواس لئے پیدا کیا کہ دنیا میں ہر شئی کا وجود وعدم اور ہر چیز کی یافت وبازیافت اسباب کے ذریعہ ہی ممکن ہے ۔اگر اسباب ناپید ہوجائیں تو کسی چیز کا حصول ہی ممکن نہ ہوسکے گا، بلکہ عملی طور پر جدوجہد کا تصور ہی معدوم ہوجائے گا۔

یہ اس کی رحمت کا ہی عام فیضان ہے کہ اس نے دن کو اجالوں کی سوغات دی، تا کہ تم بآسانی اسباب کوتلاش کرسکو جواس نے تمہارے لئے زمین کی آغوش میں رکھ دئے ہیں، اس احسان کوحق تعالیٰ نے اسطرح بیان کیا ہے۔ وَجَعَلْنا اللَّيلَ لباساً وَجعلنا النهارَ معَاشاً . (سورہ نبأ پ۳۰، آیت ۱۱)

ترجمہ: ہم نے رات کواوڑھنا بنادیا اور دن کو کمائی کرنے کیلئے بنایا

کام کرنے ، دوڑ، دھوپ کرنے ، مزدوری اور ملازمت کرنے کیلئے روشنی کی ضرورت ناگزیر ہے، ایک طرف ہم نے تم کو راحت واستراحت کیلئے شب کی تاریکی

اور خاموشی عطا کی، تو دوسری طرف معاش اور اسباب معاش کے حصول کے لئے اُجالوں بھرا دن عطا فرمایا، تا کہ اسباب و وسائل کو ڈھونڈھنے میں کوئی دقت نہ ہو، اور ہر شخص اپنی ہمت و طاقت اور صلاحیت کے مطابق خوشگوار زندگی کے اسباب تلاش کر سکے، **فتبارک الله اَحسن الخالقین.**

بیکار کاموں، لایعنی باتوں اور بُرے مشغلوں میں وقت جیسی نفیس ترین دولت کو ضائع نہ کرے، وقت کا درست استعمال ہی منزل تک پہونچنے کیلئے نشانِ راہ اور ہر کامیابی کی ضمانت ہے، ذہن میں رکھئے جو لوگ وقت کو برباد کر دیتے ہیں وقت بھی ان کو برباد کر دیتا ہے۔

وقت برباد کرنے والوں کو ☆ وقت برباد کر کے چھوڑے گا

﴿وقت کی رفتار اور اس کا شعور﴾

وقت بادل کی طرح گذر جاتا ہے، یا ہوا کے جھونکے کی طرح چلا جاتا ہے، خواہ خوشی و مسرت کا زمانہ ہو یا رنج و غم کا۔ اگر چہ شادمانی کے زمانے جلدی سے گذر جاتے ہیں، اور غموں کے زمانے آہستہ اور بوجھل گذرتے ہیں، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا ہے۔ مگر خوشی سے ہمکنار لوگوں اور غموں کے ماروں کو ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا۔

مَرَّت سنین بالوصال وبالهنا فكأنها من قصرها ايام

ثم انثنت ايامُ هجرٍ بعدها فكأنها من طولها اعوام

ثم انقضت تلک السنون و اھلھا　　فکانھا و کانھم احلام

سالوں ملاقات اور خوشی میں گذر گئے، مگر لگا کہ وہ بہت مختصر چند دن تھے، پھر اس کے بعد جدائی کے ایام آئے، تو وہ اپنی درازی میں کئی سال معلوم ہوئے، پھر ان سالوں اور اس کے لوگ ختم ہوگئے۔ تو اب وہ زمانے اور اس زمانے کے لوگ خواب ہوگئے۔ (الوقت فی حیاۃ المسلم)

بچپن کا معصوم زمانہ جو گردو پیش سے بے نیاز، امروز وفردا کی فکر سے دور، مٹی کے گھروندوں کو بنانے، بگاڑنے میں لگا رہتا ہے، پھر جب وقت کی گردش اور شب وروز کا الٹ پھیر اس کی عمر کو مبتدا اور منتہا کے لحاظ سے بڑھاتا اور گھٹاتا ہے تو ماں باپ کو فکر ہوتی ہے، اور اس سے کہتے ہیں، بیٹے!

بڑھنے لگا ہے قد تو کتابیں اٹھا کے پڑھ　　مٹی سے کھیلنے کے زمانے نہیں رہے

کتابیں لے اور پڑھنے چلا جا، اب وہ مدرسہ یا اسکول جا کر کچھ پڑھتا ہے، کچھ کھیلتا ہے، کچھ دوستوں سے جھگڑ کر وقت گذارتا ہے، چھٹی ہوتی ہے گھر کی راہ لیتا ہے۔

یہ ہے بچپن کا خوشگوار وقت جو ماضی، حال اور مستقبل کو نہیں جانتا اُسے تو کھیل کی دنیا ہر چیز سے زیادہ پیاری اور عزیز ہے مگر ماں باپ کی ذمہ داری اور گوشہ جگر سے ہمدردی کا یہ اسلامی اصول کہ "جب وہ سات سال کا ہو جائے تو نماز کا حکم کرو، اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز پڑھنے کیلئے اُسے مارو، یہ تاکید شاید اس لئے ہو کہ نماز کی عظمت کا احساس اس کے دل میں جاگزیں ہو جائے، بچپن کا پاک وصاف دل تو سادہ ورق کی طرح ہوتا ہے، جو نقش بھی بنایا جائے آسانی سے بن جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا:

حَرِّض بَنِیک عَلیٰ الأداب فی الصغرِ　　کَیْ مَا تقَرّ بِھِمُ عَیناک فِی الکِبَر

وَاِنّمَا مثل الأداب تَجمَعُهَا　　فِی عُنفُوانِ الصَّبَا کالنّقْشِ فِی الحجر

ترجمہ: اپنے بچوں کو بچپن میں تہذیب وشائستگی اور علم وادب حاصل کرنے پر آمادہ کرو، تاکہ بڑے ہونے پر ان سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، بچپن میں حاصل کئے گئے علم وادب کی مثال پتھر پر نقش بنانے کی سی ہے، جو کبھی نہیں مٹتا۔ سوچئے! یہ نقش بنانا کس کی ذمہ داری ہے۔

آپ سوچیں، نہ سوچیں، ذمہ داری سمجھیں، نہ سمجھیں، اس موسم میں وقت کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ۔

ماندم کہ خار از پاکشم مَحمِل نہاں شد ازنظر
یک لحظہ غافل بودمُ، صد سالہ راہم دور شد

ترجمہ: رکا میں کہ پاؤں سے کانٹا نکالوں، کہ کجاوہ نظر سے اوجھل ہوگیا، ایک لمحہ کیلئے غافل ہوا تھا کہ سو سال کیلئے (کجاوہ سے) دور ہوگیا۔

کا منظر ہوتا ہے، شعور نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ بچپن تو ماضی کی اوٹ میں چھپ چکا ہے اور،.....ع

جوانی سے طفلی گلے مل رہی ہے

جوانی کی جولانی سے سرشار رخشِ عمر اس قدر تیز گام ہے کہ..........ع

نہ ہاتھ باگ پر ہے، نہ پا ہے رکاب میں

جوانی کی عمر: یہی وہ عمر ہے کہ طبیعت کی جولانیاں، بہاروں کی رنگینیاں،

سحروشام کی نیرنگیاں جوانی کی سرمستیاں، حسن وجمال کی فتنہ انگیزیاں، سب ہمرکاب ہوتی ہیں، اور حشر خیز عمر کا یہی زمانہ، تعمیر وتخریب، صلاح وفساد اور اچھے، بُرے عمل کا نقطۂ آغاز ہوا کرتا ہے۔ دریائے جنوں میں کتنی لہریں اٹھتی ہیں اور فنا ہوجاتی ہیں۔ کتنے فرہاد: کہ وصال یار کی خاطر، ہرضرب تیشہ ان کے لئے فرحت بخش ہوجاتا ہے، کتنے مجنون! کہ دست وکہساران کیلئے گل وگلزار بن جاتے ہیں، کتنے رازی وغزالی! کہ خون جگر لگا کر کائنات آرزو میں رنگ بھر دیتے ہیں کتنے ابن بطوطہ اور ابن خلدون! کہ منزلیں ان کا استقبال کرتی ہیں، اور سنگہائے میل ان کیلئے راہیں کشادہ کرتے ہیں، اور کتنے ایسے! کہ بلامقصد راہ نوردی اور جادۂ پیمائی میں عمر عزیز اور وقت گرانمایہ کو گنواں کر، ناکارہ وآوارہ بن جاتے ہیں، اور انہیں محسوس بھی نہیں ہوتا، کہ نوخیز عمر کا زمانہ سیل تند کے بہاؤ میں کتنی مسافت طے کرچکا ہے۔ اور زندگی کا مسافر اس منزل پر پہونچ چکا ہے، کہ ’’نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔

جوانی کی پُرکیف شام وسحر رخصت ہوچکی ہے، گلشن حیات موسم خریف کی زد میں ہے، جذبات اور امنگوں کا طوفان تھم چکا ہے، شب وروز کی گردش کا تسلسل **يُغشِي اللّيل وَ النَّهَا يَطْلُبهُ حَثيثا** کی صورت میں جاری ہے، اوڑھاتا ہے رات پر دن اس طرح کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے دوڑے چلے آتے ہیں، رات آتی ہے دن چلا جاتا ہے، دن آتا ہے رات چلی جاتی ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ یہ شب وروز کی گردش صرف

ایک معمول کا حصہ ہے، ہم یہ نہیں سمجھتے کہ عمر کے بڑھنے اور گھٹنے کا راز بھی اسی گردش میں نہاں ہے، دنیا کا سفر جاری ہے جو قیامت پر منتہی ہوگا، انسان کی زندگی کا بھی سفر جاری ہے۔ وہ بھی قیامت (موت) پر ختم ہو جائے گا مَنْ مَاتَ فقد قامَتْ قیامَته، جو مر گیا وہی اس کی قیامت ہے۔

﴿ملک الموت سے مکالمہ﴾

کسی نے ملک الموت سے کہا کہ آپ کی گرفتاری کا قانون بھی عجیب ہے، بغیر نوٹس دیئے ہی آجاتے ہو، جب کہ ہماری دنیا کا قانون یہ ہے کہ پہلے نوٹس بھیجا جاتا ہے، اس کے بعد گرفتاری کا مرحلہ آتا ہے۔

ملک الموت نے کہا میری عدالت تو اتنا نوٹس بھیجتی ہے کہ اس قدر تو کوئی عدالت نہیں بھیجتی ہے۔ جب آپ بیمار ہوتے وہ، ہمارا نوٹس ہوتا ہے، جب آپ کو بخار آتا ہے، وہ ہمارا نوٹس ہوتا ہے، جب آپ کے بال سفید ہوتے ہیں۔ وہ ہمارا نوٹس ہوتا ہے، جب آپ دادا بنتے ہیں، وہ ہمارا نوٹس ہوتا ہے۔ مگر اے انسان تو غور کرنے پر آمادہ نہیں۔ قرآن کہتا ہے۔ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّر فيه من تذكر وجَاءَكُمُ النّذِير فذوقوا فما للظّٰلِمينَ من نصير. (پ۲۲، سورہ فاطر، آیت ۳۷)

ترجمہ: کیا ہم نے عمر نہ دی تھی تم کو اتنی کہ جس میں سوچ لے، جس کو سوچنا ہے۔ اور پہونچا تمہارے پاس ڈرانے والا، اب چکھو! کہ کوئی نہیں گنہگاروں کا مددگار۔

بقول ابن عباس، عکرمہ، قتادہ، سفیان بن عیینہ یہاں پر نذیر سے مراد بڑھاپا

ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اشعار بھی اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں

الشیبُ عنوان المنیّة ☆ وَھُو تاریخ الکبَر

وبیاض شَعرک مَوتُ ☆ شَعرِکُ ثمَّ اَنتَ عَلی الاثرِ

فاذا رایتَ الشّیبَ عَمَّ ☆ الرّاسَ فَالحَذارُ الحذر

ترجمہ: بالوں کی سفیدی موت کا مقدمہ اوراس کی دلیل ہے، اور وہ تمہارے بڑے ہوجانے کی تاریخ ہے، تمہارے بالوں کی سفیدی تمہارے بال کی موت ہے پھر سمجھ جاؤ! تمہاری باری ہے، جب دیکھو کہ سفیدی تمہارے سر پر چھا گئی، تو پھر اللہ ہی اللہ ہے۔ اب تو اپنے رب سے لَو لگا، اسی کا ذکر وردِ زبان رکھ، سوچ! اب بچا کیا ہے!

بچپن کی شوخیاں گئیں، نوعمری کا زمانہ دیکھتے دیکھتے ختم ہوگیا، دورِ شباب قصہ پارینہ بن گیا، کہولت کی عمر آپہونچی۔ اب تو سنجیدگی سے سوچ لیں جو بھلائی ہوسکے کرلیں۔ اب بھی عمر کے لمحات کو غنیمت سمجھیں، اگر سوچنے میں دیر کردی تو کل کا سورج جب طلوع ہوگا تو بے کسی و بے بسی، ضعیفی اور ناطاقتی کے سوا کچھ بھی باقی نہ بچے گا، دماغ ماؤف ہوگا، آنکھ دیکھنے سے عاجز ہوگی، ہاتھ، پاؤں طاقت سے محروم ہوں گے، ضعف پیری سے اعضاء اور جسم اس قدر نحیف و ناتواں ہوجائیں گے کہ دیکھنے والا تم پر ترس کھانے لگے گا، زندگی، خود پر بوجھ بن جائے گی، عمل کی حسرت تو ہوسکتی ہے، مگر عمل کی قوت نہ ہوگی، افسوس تو ہوگا، مگر ازالہ ممکن نہ ہوسکے گا، تب اس وقت سوچ یہ ہوگی۔

بجھا دے اے ہوائے تند مجھ کو

کہ میں بجھنے کی حد تک جل چکا ہوں

﴿انسان کے تخلیقی مراحل﴾

انسان کا وجود اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ کودتے ہوئے پانی کے(مَاءِ دَافق) ایک ناپاک قطرے سے اس کے وجود کا آغاز ہوا، اور پھر ہوتے ہوتے ایک دن انسانی پیکر میں ڈھل گیا، دیکھئے ! قرآن نے انسان کے تخلیقی مراحل کو ابتداء سے انتہا تک کس قدر بلاغت کے ساتھ فطری اسلوب میں پیش کیا ہے۔تا کہ انسان اپنی حقیقت سے آشنا ہوجائے قرآن کہتا ہے۔یَا ایُّھَا النّاس ان کنتم فی ریبٍ مِنَ البَعْثِ. فانّا خلقنکُم مِنْ تراب ثمّ مِنْ نطفةٍ ثم من عَلقةٍ ثمّ مِنْ مُضْغَة مُخَلَّقَةٍ وَغَیر مخلّقهٍ لِنبیّنَ لَکُم وَنُقِرُّ فِی الارحَامِ مَا نَشآ ءُ الیٰ اَجلٍ مُسَمّیً، ثمّ نخرِجُکم طفلاً ثمّ لتبلغُوا اَشُدّکُم ومنکُم مَنْ یتوفیٰ وَمنکُم مَنْ یُرَدُّ اِلیٰ اَرْذِل الْعُمُرِ لکیلا یَعْلَمَ بَعْد عِلْمٍ شَیئاً. (سورہ الحج پ۱۷ آیت۵)

اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ زندہ ہونے میں کوئی شک ہے تو ذرا سوچو! کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے ایک لوتھڑے سے، جو کبھی پورا بن جاتا ہے، اور کبھی پورا نہیں بنتا۔تا کہ ہم تمہارے لئے تمہاری حقیقت کو کھول کر بتا دیں، ہم تمہیں ماؤں کے پیٹ میں جب تک چاہتے ہیں، ایک متعین وقت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر تمہیں بچے کی شکل میں باہر لاتے ہیں، پھر تمہیں پالتے ہیں، تا کہ تم اپنی بھرپور عمر تک پہونچ جاؤ، اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو پہلے ہی دنیا سے اٹھا لئے جاتے ہیں، اور تمہیں میں سے بعض وہ ہوتے ہیں،

جن کو بدترین عمر، یعنی انتہائی بڑھاپے تک لوٹا دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی کچھ نہیں جانتا، دوسری جگہ ارشاد ہے **وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الخَلْقِ اَفَلا يَعْقِلُوْن** (سورہ یٰسین، پ۲۳، آیت ۲۸)۔
اور جس شخص کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں، اُسے تخلیقی اعتبار سے الٹ ہی دیتے ہیں۔

زندگی کے ہنگامے

سوچئے! اور سوچنے کی عادت ڈالئے، تاکہ قدرت کی عیاں اور نہاں حکمتوں اور رازوں کو جان سکیں، اور پھر اس کا بھی ادراک کر سکیں کہ ''وقت کی گردش میں'' سحر کے اُجالے سے شام کے ہنگام تک، رات کے آغاز سے طلوع سحر تک انسان کی تخلیق میں عدم سے وجود تک۔ لاشعور کی منزل سے شعور کی بھرپور قوت تک، اور پھر عقل وشعور کی کرشمہ سازی سے لیکر لاشعور و بےخبری کی عمر تک، کتنے تنوعات، کتنے مراحل، کتنے ادوار، اور کتنے ہنگامے مضمر ہیں۔

کیا تم ان سب کو دیکھ کر بھی نہیں سمجھتے، جو رب ان تمام چیزوں پر قادر ہے وہ **بَعْثْ بَعدَالْمَوْت** (موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے) پر قادر کیوں نہیں ہوگا، اور ہم سے ہماری زندگی اور عمر کے ایک ایک لمحہ کا حساب کیوں نہیں لے گا، سب کچھ اس کی دسترس میں ہے، وہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے ایک دن اس کے روبرو ہر ایک کو پیش ہونا ہے، اس لئے دامن وقت کو اعمال صالحہ سے مزین کرنے کی پوری پوری کوشش کیجئے جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت جانئے اس سے پہلے کہ آواز لگائی

جائے کہ فلاں نہیں رہا۔

خیرے کن اے فلاں وغنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ برآید ، فلاں نماند

ترجمہ: اے شخص عمر کو غنیمت جان اور بھلائی کے کام کر، اس سے پہلے کہ آواز آئے فلاں شخص نہیں رہا۔

زندگی کے ایک ایک لمحہ کی حفاظت کر کے ، ذکر الٰہی سے رب ذوالجلال کو راضی کرنے کی فکر کر لیجئے، اللہ ہم سب کو اس کی توفیق ارزانی عطا فرمائے...... سچ ہے۔

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام تو ہے عرفان محبت عام نہیں

مکان، موسم اور وقت کا تنوع

اللہ رب العزت نے اس جہان میں، جس میں ہم رہتے بستے ہیں، اس کے نظام شمسی وقمری، برق وباراں، اور زمین کی لاکھوں مخلوقات، جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں، ہوسکتا ہے یہ سب ایک ہی عالم ہو، اور اسی جیسے اور ہزاروں عالَم ہوں۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ ''عالم چالیس ہزار ہیں، یہ دنیا مشرق سے مغرب تک ایک عالم ہے، باقی اس کے سوا ہیں''، امام تفسیر حضرت مقاتل سے منقول ہے کہ عالم اسّی (۸۰) ہزار ہیں، چالیس ہزار عالم خشکی میں، اور چالیس ہزار عالم سمندر میں۔ ربیع بن انس نے ابوالعالیہ سے روایت کیا کہ جن ایک عالم ہے۔

انسان ایک عالم ہے، اوراس کے علاوہ زمین کے چار گوشے ہیں، ہر گوشے میں ایک ہزار پانچ سو گوشے ہیں۔ (اللہ نے) ان کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج:۱ص:۲۱۴) واللہ اعلم بالصواب

ان سب کا رب اللہ ہے، رب کے معنی تربیت کے ہیں، اور تربیت کہتے ہیں تمام تر مصالح کی رعایت کرتے ہوئے کسی چیز کو درجہ بدرجہ اس طرح آگے بڑھایا جانا کہ وہ حد کمال کو پہونچ جائے۔

اب اس جہان رنگ وبو کو دیکھئے، جہاں ہزاروں رنگین مناظر، لاکھوں دلکش نظارے اور کروڑوں نفع بخش چیزیں حق تعالیٰ نے مخلوقات کی تربیت، نشو ونما، اور اس کی خوشگوار زندگی کیلئے بنائیں، اور اس تربیت کے نظام کو اس قدر مضبوط، محکم اور محیر العقول بنایا کہ افلاک سے لیکر عناصر تک، ذرات سے لے کر سیارات تک ہر چیز ایک سلسلہ نظام سے اس طرح مربوط ہے کہ اس میں کبھی کوئی خلل واقع ہو جائے یا وہ اپنی افادیت کھودے یہ ممکن ہی نہیں کیونکہ وہ نظام ہی قادر مطلق کا ہے، جو اپنے حکم پر غالب ہے، وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰیٰ اَمْرِہٖ اور جو اپنے بندوں پر بیحد مہربان ہے، اس نے اپنے بندوں پر کس قدر احسان وانعام فرمائے، نہ تو اس کا شمار ممکن ہے اور نہ ہی اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

زمین کو اس نے فرش بنایا اور اس کے اوپر ستاروں سے مزین، دھیمی، دھیمی روشنی سے جھلملاتی ہوئی نیلگوں، مضبوط ومحفوظ، لامتناہی وسیع وعریض ستون سے بے نیاز ایسی چھت بنادی کہ جس کو دیکھنے سے نہ تو جی بھرے اور نہ کبھی آنکھیں سیر ہوں، نہ کبھی وہ پرانی اور بوسیدہ ہو، قیامت تک خرق والتیام سے پاک، اس خوبصورت آسمانی

شامیانے کے نیچے قدرت نے انسان کی دل بستگی ،نظر افروزی ، جمال وزیبائی ، اور آسائش زندگی سے بھر پور،اور عجائبات سے مالا مال،ایسی ایسی حیران کن اورروح پرور،نافع خلائق چیزیں بنادیں،کہ بے اختیار زبان بولے **فتبارک الله اَحۡسَن الخالقین.**

نظر اٹھا کر دیکھیں! کہیں دیو قامت سر بفلک پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اس کی گود میں سنگ راہ سے گذرتی ،ٹکراتی ،کھیلتی ، بل کھاتی ندیاں ،کہیں آبشاروں اور جھرنوں کی جل ترنگ،کہیں فراز کوہ سے رواں شفاف چشمے،کہیں(**مَرَجَ البَحۡرَیۡنِ یلتقِیان بینهما برزخٌ لا یَبۡغِیَان**) . (پ۲۷،سورہ رحمٰن،آیت۲۰)

دوسمندروں کے باہم ملنے کے عجیب وغریب نظارے،کہیں جھیل اور تالاب کی پُر کیف بہاریں،کہیں سیلاب تندوتیز کے تھپیڑوں کی خوفناک آوازیں۔

چشم بصیرت سے ان مناظر کو دیکھئے، یہ صرف دل جمی کے سامان نہیں بلکہ مخلوقات سے خالق تک پہونچنے کی علامات بھی ہیں،کیا وہ نہیں دیکھتے **اَفَلا ینظرُونَ الیٰ الابِلِ کیف خُلِقَتۡ ، وَاِلیٰ السَّمَآءِ کَیۡف رُفِعتۡ، وَالیٰ الجبال کیف نُصِبَتۡ ، وَالی الاَرۡضِ کیۡفَ سُطِحَتۡ.** (پ۳۰،غاشیہ،آیت ۲۰۱۷

کہ اونٹ کو کیسے پیدا کیا گیا،آسمانوں کو کیسے بلند کیا گیا، پہاڑوں کو کس طرح نصب کیا گیا۔اورزمین کو کس طرح بچھایا گیا،اوراسے کس قدر بوقلموں بنایا گیا،دیکھئے تو! کہیں سرابوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ،کہیں سرخ پتھروں کی چادر اوڑھے،کہیں پیڑ پودوں کا لباس پہنے کوہستانی علاقہ ،کہیں دورتک پھیلے ہوئے بے آب وگیاہ چٹیل میدان ،کہیں گھنے درختوں پر مشتمل وسیع جنگل وبیابان ،کہیں حسین ودلآویز چمن کی

روشیں، کہیں سبز پیرہن میں ملبوس گل بوٹوں سے آراستہ زرخیز زمینیں، کہیں ہزاروں قسم کے چھوٹے، بڑے پھلوں کے خوشنما باغات، کہیں رنگ برنگ پھولوں سے معطر ارض کائنات اور نہ جانے کتنے دل فریب مناظر جو خالقِ ارض وسماء کی قدرت کا عکس جمیل بھی ہیں، اوراس کے معبود برحق ہونے کی دلیل بھی۔

کسی بھی اہل نظر کو شعورِحق کے لئے
اگر رسول نہ آتے تو صبح کافی تھی

کاش! ہم سوچتے، لیکن ....ع اتنی فرصت ہی کہاں ہے جوٹھہر کر سوچتے، اوراس خاموش پیغام کو سمجھتے، جو زبان حال سے گویا ہیں۔

پھول بے پرواہیں، تو گرم نواہو یا نہ ہو
کارواں بے حس ہے، آواز دراہو یا نہ ہو

موسم کے تغیرات

موسم کی تبدیلی بھی قدرت کی طرف سے بندوں پر بے غایت احسان ہے سردی اور گرمی کے دونوں موسموں کا تذکرہ قرآن نے اپنے مخصوص اسلوب میں بطورِانعام اس طرح فرمایا۔

لایلفِ قریش، ایلفِهِمْ رحلة الشتآءِ وَ الصّیفِ ، فلیعبدوا ربّ هٰذا البیت.

ترجمہ: اس واسطے مانوس رکھا قریش کو،ان کو مانوس رکھنا سردی اور گرمی کے سفر سے،توچاہئے کہ بندگی کریں اس گھر کے رب کی۔

سردی اور گرمی کے موسم میں ملک شام اور ملک یمن کے سفر کو مانوس بنا دینا، یہ بھی اللہ کا انعام تھا، اور اس نعمت کے نتیجہ میں قریش مکہ کو حق تعالیٰ کا شکر گذار ہونا چاہئے اور رب البیت کی عبادت میں لگ جانا چاہئے، کیونکہ بیت اللہ ہی ان کے تمام شمائل وفضائل کا سرچشمہ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مکہ والے بڑے افلاس اور تکلیف میں تھے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہاشم نے قریش کو اس کے لئے آمادہ کیا کہ دوسرے ملکوں سے تجارت کا کام کریں، اسطرح قریش مکہ، گرمی اور سردی کے سفر کے عادی ہوگئے، اصحابِ فیل کو ہلاک کر کے اللہ نے سفر کی رکاوٹ اور خطرے کو بھی دور فرمادیا، چنانچہ گرمی کے زمانے میں ملک شام کا اور سردی کے زمانے میں ملک یمن کا آزادی کے ساتھ کسی رکاوٹ کے بغیر بلا خطر تجارتی سفر کرتے انہیں دونوں ملکوں کے سفر پر ان کی تجارت کا دارومدار تھا، اگر تجارتی سفر ان کیلئے منافع کے حصول کا ذریعہ تھا، تو موسم کا اختلاف ان کیلئے قدرت کی طرف سے بڑا انعام بھی تھا۔

موسم کا اختلاف نعمت کی صورت میں تو خود ہمارے سامنے ہے، گرمی کے موسم میں مالدار اور مرفّہ حال لوگ راحت وسکون کی خاطر، شملہ، مسوری، نیتی تال، جیسی جگہوں پر چلے جاتے ہیں، اور سردی کے زمانے میں موسم کی تکلیف سے بچنے کیلئے گرم علاقوں میں بود وباش اختیار کر لیتے ہیں، گویا موسم کا تنوع، تغیر اور اختلاف پوری دنیائے انسانیت کیلئے عظیم احسان وانعام ہے، اگر صرف ایک ہی موسم ہوتا تو ہوسکتا تھا کہ انسان اس سے اُوب جائے اور موسم کی بے کیفی سے دل برداشتہ ہوجائے، اس لئے

قدرت نے نوع بنوع موسم کے ذریعہ انسان کی راحت اور اس کی دلجمعی کے سامان پیدا فرمادئے۔

قرآن کہتا ہے۔وَانزَلَ مِنَ السَّمآءِ مَاء اً فَاَخرَجنَا بِهٖ اَزوَاجاً من نبات شتّیٰ (سورہ طٰہٰ پ۱۶، آیت ۳۵)

اور اتار آسمان سے پانی، پھر نکالا ہم نے اس سے بیشمار نباتات کی قسمیں۔ (جن کا احاطہ بھی انسان کیلئے ممکن نہیں)

قرآن دوسری جگہ اس طرح بیان کرتا ہے۔

وَهُوَ الّذِیٓ انزَل مِنَ السَّماء مَاءً، فَاَخرَجنَا بهٖ نَبَات کلّ شئی فَاَخرَجنَا مِنہ خَضِراً نُخرِج مَنْهُ حبّاً مُتراکباً، وَمِنَ النَّخلِ مِن طَلعِهَا قِنوانٌ دانية وَجَنّٰت مِنْ اَعنٰبٍ وَالزَّيْتُون وَ الرُّمَّان مُشْتَبِهاً وَغَير متشابهٍ، اُنظُرُوا اِلیٰ ثَمَرِهٖ اذا اَثمَرَ وَيَنعِهٖ، انّ فی ذالِكُم لاٰيٰتٍ لِقوم يُؤمنون (سورہ انعام پ۷، آیت ۱۰۰)

ترجمہ: اور اسی نے اُتارا آسمان سے پانی، پھر نکالی ہم نے اس سے اُگنے والی ہر چیز، پھر نکالی اس میں سبز کھیتی، جس سے ہم نکالتے ہیں، دانے ایک پر ایک چڑھا ہوا، اور کھجور کے گابھے میں سے پھل کے گچھے جھکے ہوئے، اور باغ انگور کے اور زیتون اور انار کے، آپس میں ملتے جلتے اور جدا جدا بھی، دیکھو ہر ایک درخت کے پھل کو جب وہ پھل لاتا ہے، اور اسکے پکنے کو، ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے واسطے۔

نظر آئے گا اسی کو یہ جہانِ دوش وفردا
جسے آ گئی میسر مری شوخیِ نظارا

﴿جہان دوش وفردا﴾

فاطر السمٰوات والارض کی شان کریمی اوراس کی نعمتہائے بے پایاں کی ارزانی دیکھئے! تین موسم بنائے۔ موسم سرما، موسم گرما، اور موسم باراں، اوران تینوں موسموں کوتین دور میں تقسیم فرمایا، آغاز موسم، وسط موسم، اورانتہائے موسم، ہر دور کی کیفیت اورنوعیت ایک دوسرے سے بالکل مختلف۔

آغاز: خوشگوار و پربہار، وسط: جوموسم دور شباب ہوتا ہے بظاہر تکلیف دہ، ناگوار وناسازگار، انتہا: جوعبوری دوراور تداخل کا زمانہ ہوتا ہے، نئے موسم کی آمد آمد ہوتی ہے، اورگذراہواموسم اپنی بساط لپیٹ رہاہوتا ہے، پھر موسم باراں اورموسم سرما کا امتزاجی زمانہ، اسی طرح سردی اور گرمی کے موسم کا حصہ جوموسم ربیع اور موسم خریف کا دورانیہ ہوتا ہے، ان موسموں کا عبوری زمانہ عجیب وغریب جلوہ سامانیاں لے کرآتا ہے، ہر رنگ میں قدرت کی کرشمہ سازی کااس قدرظہور ہوتا ہے، گویا۔

ہے ہراک رنگ میں ہزاروں رنگ
ایسا جلوہ ہے اس کی قدرت کا

موسم خریف آتا ہے تیز وتندگرم ہوائیں چلتی ہیں، درخت، برگ وبار سے تہی دست ہوجاتے ہیں، لباس شجرتارتارہوکربکھر جاتا ہے، ہوائیں ان کی باقیات کواِدھر اُدھر منتشرکردیتی ہیں، مسافر درخت کی ٹھنڈی چھاؤں کوترس جاتا ہے، اس وقت ایسا لگتا ہے۔

چمن سے روتا ہوا موسم بہار گیا
شباب سیر کو آیا تھا سوگوار گیا

پھر موسم کروٹ لیتا ہے، ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں، بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے، دھول اڑاتے صحرا مرغزار بن جاتے ہیں، درخت کی ننگی شاخیں، نرم و نازک پتوں کی چادر اوڑھ لیتی ہیں، چمن کے نازک اندام پودوں اور درختوں کی ہری بھری شاخوں پر رنگا رنگ پھول کھلنے لگتے ہیں، باغوں سے لیکر بیابانوں تک پتہ پتہ بہاروں کے رسول بن جاتے ہیں گویا۔

جنبش موج نسیم صبح گہوارہ بنی
جھومتی ہے نشۂ ہستی میں ہر گل کی کلی

ہر طرف شادابی و زرخیزی، ہر جسم پر تازگی و توانائی، ہر جاندار پر کیف و مستی کی بہاریں اپنا رنگ جما لیتی ہیں، رات، بھینی بھینی خوشبو سے معطر ہو جاتی ہے اور صبح زبان حال سے کہتی ہے۔

باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرام حیات

فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِينَ تُمۡسُونَ وَحِيۡنَ تُصۡبِحُونَ: خالق کائنات کی ان نعمتوں پر جس قدر ہو سکے شکر ادا کریں تا کہ اس کی مزید نعمتوں سے بہرہ ور ہو سکیں۔

○○○

﴿قدرت کی بے مثال صناعی﴾

پھولوں سے پھلوں کی نمود ہوتی ہے، پھل کا چھوٹا سا بے رنگ و بے مزہ دانا، ایک دن خوش ذائقہ شیریں اور خوبصورت پھل بن جاتا ہے، دنیا سامان پہلے بناتی ہے، پھر اس کی پیکنگ کرتی ہے، قدرت پہلے پیکنگ کرتی ہے، پھر سامان بناتی ہے۔

سنترے کو سامنے رکھئے اور خالق کی بے مثال صناعی کو دیکھئے، کہ کس طرح سنترے کے اندر جو ہر طرف سے پیک ہے، اس کے اندر ہی اندر قاشیں بنتی ہیں، اور ان بند قاشوں میں کس طرح خوش ذائقہ وٹامن سی کی چھوٹی چھوٹی، بوتلیں بے حد ترتیب سے سجی ہوتی ہیں، پھر وہ تمام قاشیں، باہم مربوط ہوکر، گُروی شکل اختیار کرلیتی ہیں، جس پر سفید رنگ کی مہین (پیکنگ) جھلّی چڑھی ہوتی ہے، پھر اس کے اوپر سبز رنگ کی دبیز پیکنگ ہوتی ہے، جس کو آپ چھلکا کہتے ہیں، جو انتہائی بد ذائقہ اور کڑوا ہوتا ہے، پھر جب وہ پک جاتا ہے تو اس کا رنگ زرد سُرخی مائل اور جاذب نظر ہوجاتا ہے، کبھی آپ نے اس پر غور کیا کہ جس خالق و مالک نے سنترے کے پھل کو پیدا کیا، اس نے اوپر سے لے کر اندر تک، پیکنگ کا اس قدر زبردست اہتمام کیوں فرمایا، کہ تہ بہ تہ مختلف انداز سے چار قسم کی پیکنگ کی، ظاہر ہے کہ یہ سب اہتمام بندوں کیلئے تحفظات کی خاطر کیا گیا۔ پھل کے اندر سامان کی پیکنگ شاید اس لئے کی گئی کہ باہر سے کسی قسم کے جراثیم اس میں راہ نہ پاسکیں، پھر اس کو اس قدر محفوظ پیک کیا گیا، تاکہ کیڑے مکوڑوں کے زہریلے اثرات سے ہمہ وقت اس کی حفاظت رہے۔

کیا شان ہے قادر مطلق اور اس کی صنعت گری کی وَلَـہُ الـکـبـریـاء فـی السمٰوات والارض. بڑائی اور کبریائی تو اسی کی ہے آسمان وزمین میں، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہر تصرف اسی کی اجازت پر موقوف ہے، ہوائیں اُسی کے حکم سے چلتی ہیں، ابر باراں اسی کے حکم سے برستا ہے، پھولوں میں پھل اُسی کے حکم سے لگتے ہیں، پھر ان سے رزق وہی عطا کرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَهُوَ الّذی اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْراً بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّماءِ مَآ ءً طَهُوْراً، لِنُحییَ بِهٖ بَلْدَةً مَیْتاً وَ نُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَا اَنْعَاماً وَاَنَا سِیَ کَثِیْراً ، وَلَقَدْ صَرَّفْنٰـهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّکَّروا ، فَاَبیٰ اَکثرا لنَّاس الا کفوراً .

(سورہ فرقان، پ۱۹، آیت ۵۰)

ترجمہ: وہی تو ہے جو اپنی بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں، اور ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں، جو پاک وصاف کرنے کی چیز ہے، تاکہ اس کے ذریعہ سے مردہ زمین میں جان ڈال دیں، اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چار پایوں اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کریں، اور ہم اس پانی کو (بقدر مصلحت) ان لوگوں کے درمیان تقسیم کردیتے ہیں تاکہ لوگ غور کریں (کہ یہ تصرفات کسی بڑی قدرت والے کے ہیں کہ وہی مستحق عبادت ہے، چاہئے تھا کہ غور کر کے اس کا حق ادا کرتے لیکن) اکثر لوگ ناشکری کئے بغیر نہ رہے۔

ان نعمتوں کا تذکرہ اور بار بار اس کا اعادہ، خالقِ کائنات اسی لئے کرتا ہے، تاکہ انسان خیالی معبودوں کو چھوڑ کر وحدہٗ لاشریک لہٗ سے اپنا تعلق جوڑے۔ پڑھیے: اس آیت کو اَلَّـذِیْ جَـعَـلَ لَـکُـمُ الارضَ فـراشاً وَ السَّمَاء بناءً وَاَنْزَلَ مِنَ

السَّمَاء مَاءً فَاَخرَجَ بِهٖ مِنَ الثَمرٰتِ رِزْقاً لَّکُمْ فَلَا تجعَلُو الِلهِ اَندَاداً وَاَنتُمْ تَعْلَمُو ن. (سورہ بقرہ پ ا، آیت۲۲)۔

جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت، اور اتارا آسمان سے پانی، پھر نکالے اس سے میوے، تمہارے کھانے کے واسطے، سو نہ ٹھہراؤ کسی کو اللہ کے مقابل اور تم جانتے ہو۔

اللہ رب العزت نے اس آیت میں کس قدر جامعیت اور ایجاز کے ساتھ آفاقی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) **پہلی نعمت:** زمین کو انسان کیلئے فرش بنایا۔ (۲) **دوسری نعمت:** آسمان کو مزین، نظر فریب چھت بنایا۔ (۳) **تیسری نعمت:** آسمان سے پانی برسایا۔ (۴) **چوتھی نعمت:** اس پانی کے ذریعہ ہر قسم کے پھل پیدا کئے اور پھر ان پھلوں کو انسان کی غذا بنادی۔ بتایئے! ان نعمتوں کے پیدا کرنے میں کیا اللہ کے سوا کسی کو دخل ہے؟ تو ہر شخص یہی کہے گا، وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السّمٰواتِ والارضَ وَسَخَّر الشَمسَ والقَمرَ لَيَقُوْلُنَّ الله. (سورہ عنکبوت، آیت ۶۱)

اگر تم ان سے پوچھو! کہ کس نے زمین وآسمان پیدا کئے اور سورج اور چاند کو کام میں لگایا؟ تو کہیں گے اللہ۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَاَحْيَا بِهِ الاَرضَ مِنْ بَعْدِ موتِهَا لَيَقُولُنَّ الله قل الحَمْدُلِلّٰه بَلْ اَكثر هُمْ لا يَعقِلون . (سورہ عنکبوت، آیت ۶۳)

اور اگر تم ان سے پوچھو! کہ کس نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس سے زمین کو زندگی عطا کی، اس کے مردہ ہونے کے بعد؟ تو جواب میں کہیں اللہ!

آپ کہئے: **اَلْحَمْدُ لِلّٰہ!** اقرار تو ہے، کہ خالق ارض وسماوات تو صرف اللہ ہی ہے، یقین تو ہے کہ سب کچھ اللہ کی قدرت کاملہ اور اسکی حکمتِ بالغہ کا ہی نتیجہ ہیں، اس کے باوجود اس کو مانتے نہیں، اس لئے کہ وہ عقل سے کام نہیں لیتے، جس کی وجہ سے بدیہی چیز بھی ان پر مخفی رہ جاتی ہے۔ انسان: اگر غور وفکر سے کام لیتا، تو اس پر رب العالمین کی قدرت یقیناً آشکارا ہوتی، زمانے کے تصرفات اور موسم کے تغیرات کو دیکھ کر کچھ نہ کچھ اس کی حکمتوں کا ادراک ہوجاتا، جو اس کے لئے ہدایت کا سبب بن جاتی، کیونکہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، **فِعل الحکیم لا یَخلوا عن الحکمۃِ.**

ہر تغیر ہے غیب کی آواز
ہر تجد د میں ہے ہزاروں راز

﴿سردی گرمی اور موسم باراں﴾

سردی، گرمی اور برسات میں رب العالمین کے ہزاروں راز پنہاں ہیں، جن کا کما حقہ ادراک کرلینا انسان کے بس کی بات نہیں، ہم تو ان موسموں کے تغیرات میں بظاہر اپنے حالات کے لحاظ سے نفع ونقصان کا فیصلہ کرتے ہیں، اصل حقیقت نظروں سے اوجھل رہتی ہے، اور وہ نہیں جانتے کہ **مَصَائِبُ قَوْمٍ عِنْدَ قَوْمٍ فَوائِد**، اگر ایک چیز کچھ لوگوں کیلئے مصیبت ہے تو وہی چیز دوسروں کیلئے سامان منفعت ہے۔

چمکنے والے مُسافر! عجب یہ بستی ہے
جو اَوُج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے

قدرت نے زمانے کی گردش اور موسم کے تنوّعات میں بڑی نعمتیں چھپادی ہیں، جس کا ہمہ وقت مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، سردی کی شدّت سے جب لوگ بے حال ہوجاتے ہیں، تو آہستہ آہستہ گرمی، مسیحائی کے لئے اپنی بہاریں، ساتھ لے کر آجاتی ہے، پھر جب گرمی اپنے عروج کو پہونچتی ہے اور ہر شخص بے چین وبیقرار ہوجاتا ہے۔ تو! ٹھنڈی اور خوشگوار ہوائیں راحت وسکون کا سامان لے کر آجاتی ہیں، اور کبھی کبھی گرمی کی شدت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ لگتا ہے، آسمان سے شعلہ برس رہا ہو، اور زمین آگ اُگل رہی ہو، تو اس وقت پریشانی کا عالم یہ ہوتا ہے کہ نہ دن کو چین نہ رات کو آرام، کیا آفت! کیسی مصیبت! شعلہ بار آفتاب قہر برپا کر کے چھپ بھی جاتا ہے، تو بھی حرارت کی سوغات رات کے حوالہ کر جاتا ہے، اس وقت ہر زبان پر بارش کا وظیفہ ہوتا ہے، ہر نماز میں بارانِ رحمت کے لئے دعائیں، جگہ جگہ نماز استسقاء کا اعلان، سوچئے! چند ماہ گذرتے گذرتے انسان کس قدر پریشان ہوگیا، کہ صبر وضبط، سب کچھ جاتا رہا۔ اگر تا حیات، موسم ایک حال پر ٹھہر جاتا، تو انسان کا کیا حال ہوتا۔ اس کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ گرمی کی چند روزہ شدت سے جب زندگی بوجھ بن گئی۔ اور اس بیکسی کے عالم میں جب سکون کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تو پھر وہ عاجزی وانکساری اور پوری توجہ کے ساتھ اپنے رب کو پکارتا ہے، تو اللہ رحیم وکریم اپنے بندے کی پکار کو سنتا ہے، اس کا خود فرمان ہے۔

اَفَمَنْ يُجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْءَ. بھلا کون پہونچتا ہے بیکس کی پکار کو، جب وہ اسکو پکارتا ہے، اور دور کر دیتا ہے سختی کو لیکن تم کم دھیان

دیتے ہو۔ اور یہ تو اللہ کی عادت ہے، کہ جب بھی کسی مصیبت زدہ نے اس کی بارگاہ میں فریاد کی، تو اس نے اس کی فریادرسی کی فکشفنا مَابِهِمْ مِنْ ضُرٍّ تو ہم نے ان سے تکلیف کو دور کردیا، جب کسی نے گرمی کی تکلیف میں دُعائیں اور التجائیں کی، تو اسکی رحمت نے سہارا دیا وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ. (سورہ لقمٰن آیت ۱۰)

ترجمہ: اور اُتارا آسمان سے پانی، پھر اُگائے زمین میں عمدہ قسم کے جوڑے، سورہ واقعہ میں ہے، وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَآءً ثَجَّاجاً اور ہم نے اُتارا بھرے ہوئے بادلوں سے پانی کا ریلا، پھر اس نے پوچھا! ءَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ. (سورہ نبأ) کیا بارش کا پانی سفید بادلوں سے تم نے اُتارا ہے یا ہم اس کے اُتارنے والے ہیں۔

تو جواب میں کیا کہے گا؟ خالق ارض وسمٰوات کو رب مانے یا نہ مانے، لیکن مجبور ہوکر اعتراف میں وہی کہے گا، جو قرآن نے کہا ہے، لیقولنّ اللّٰه! کیونکہ ہمہ وقت وہ دیکھ رہا ہے کہ موسم کا تغیر، خوشگوار اور فرحت بخش ٹھنڈی ہواؤں کا چلنا، پھر بارانِ رحمت کا نزول، سب کچھ اللہ کی مشیت پر ہی موقوف ہے، اس میں ذرہ برابر بھی کسی کو دخل نہیں۔

سوچئے! جب اس قدر بندوں پر نعمتوں کا فیضان ہے، تو پھر اسکا تقاضا تو یہی ہے کہ ہماری زبان پر شکر کے کلمات ہوں، اور ہماری جبین نیاز اس کی بارگاہ میں خم

ہو جائے، لیکن ہوتا کیا ہے، اس کیفیت کو قرآن ناطق سے سنئے۔

اللّٰہُ الَّذِی یُرسِلُ الرِّیٰحَ فتثیر سَحَاباً فَیَبْسُطه فِی السَّمَاءِ کَیفَ یَشَآءُ وَیَجعَلُهٗ کِسفاً فَتری الودقَ یَخرُجُ مِن خِلالِهٖ فاِذَا اصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ اذاهمْ یَستَبشِرون. (سورہ روم پ۲۱، آیت ۴۸)

اللہ وہ ہے جو چلاتا ہے ہوا، پھر وہ اٹھاتی ہیں بادلوں کو، پھر پھیلا دیتا ہے ان کو آسمان میں جس طرح چاہے، اور رکھتا ہے اس کو تہ بہ تہ پھر تو دیکھے کہ مینہ نکلتا ہے، اس کے بیچ سے، پھر جب اسکو پہونچا دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے، اپنے بندوں میں، تب ہی وہ خوشیاں کرنے لگتے ہیں۔

گویا وہ خوش ہیں اس بات پر کہ مقدر نے یاوری کی، اس لئے وہ منعم حقیقی کے شکر کا خیال بھی دل میں نہیں لاتے، مگر جب وہ نعمتیں زوال سے دوچار ہو جاتی ہیں تو پھر ان کا عمل کیا ہوتا ہے، قرآن کہتا ہے۔

وَلَئِنْ ارسَلْنا ریحاً فَرَاَ وہُ مُصفرّاً لَظَلُّوا مِنْ بَعْدِهٖ یکفرون .اگر ہم بھیجیں ایک ہوا، پھر وہ دیکھیں کھیتی کو کہ زرد پڑ گئی، تو وہ اس کے بعد ناشکری کرنے لگتے ہیں۔

موسم کے تغیر میں کتنی نعمتیں اور کتنی مصلحتیں ہیں، ہمیں معلوم نہیں، اس لئے نفع ہوتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں، اور نقصان ہوتا ہے تو کبیدہ خاطر اور شکوہ سنج ہو جاتے ہیں، اور یہ حالت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ حقیقت سے واقفیت نہیں، قرآن اس سلسلے میں کہتا ہے، عَسیٰ اَنْ تَکْرهوا شیئاً وَهُوَ خَیرٌ لَکُمْ وَعَسیٰ ان تحبُّوا شَیئاً

وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ، والله يَعْلم وانتم لا تَعْلَمُوْن (سورہ بقرہ پ۲، آیت ۲۱۶).

ترجمہ: اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تم کو بُری لگے اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں اور ہوسکتا ہو کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ بُری ہو تمہارے حق میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

چونکہ ہر شئی کی حقیقت سے اللہ واقف ہے، تم اس کی خبر نہیں رکھتے۔ اس لئے کسی چیز کے اچھے اور بُرے ہونے کا فیصلہ اپنی خواہش اور اپنی پسند و ناپسند سے مت کرو، اگر ذرا عقل سے کام لو تو یہ بات تم پر عیاں ہو جائے گی کہ دشواری کے بعد آسانی، یا آسانی کے بعد دشواری زندگی کا لازمہ ہے بالکل اسی طرح نقصان کے بعد نفع یا نفع کے بعد نقصان، زندگی کا ایک حصہ ہے گویا نفع و ضرر میں وہی رشتہ ہے، جو بہار و خزاں، مسرت و غم اور روز و شب کا ایک دوسرے کے ساتھ ہے۔

وَاللّٰه قَدْ جَعَلَ الايَّامَ دائرةً

فلا ترى راحَةَ تَبْقىٰ وَلا تعبا

اللہ نے زمانے کو سدا گردش میں رکھا ہے، لہٰذا یہاں آرام مستقل رہے گا اور نہ مشقت۔

وقت کبھی بھی ایک جیسا ہمیشہ نہیں رہتا، کیونکہ سکون اس کا مقدر نہیں، اس لئے ہر حال میں پروردگار کا شکر ادا کرنا چاہئے، کہ یہی زندگی کے ہر موڑ پر کامیابی کی کلید ہے۔

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

ooo

﴿شکر اور کفران نعمت﴾

قرآن نے شکر کی اہمیت وفضیلت اور ناشکری پر مصیبت وہلاکت کا مختلف انداز سے بار بار تذکرہ کیا۔

کہیں فرمایا فَاذکرونی اذکرکُمْ واشکروالی ولا تکفرون (پ۲، بقرہ، آیت ۱۵۲)

تم مجھے یاد کرو میں تجھے یاد کرونگا، اور تم میرا احسان مانو اور ناشکری مت کرو، ذکر کے اصل معنی دل سے یاد کرنے کے ہیں، زبان سے ذکر کرنے کو بھی ذکر اسلئے کہا جاتا ہے کہ زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ ذکر زبانی وہی معتبر ہوتا ہے، جس کے ساتھ دل میں بھی اللہ کی یاد ہو۔ مولانا روم نے کہا۔

برزباں تسبیح ، دردل گاؤخر
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

تاہم محض زبان سے ذکر بھی فائدہ سے خالی نہیں کہ ایک عضو تو طاعت میں لگا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس قدر بیشمار نعمتیں عطا کی ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا جاسکتا، انسان اپنے خالق ومالک کی ان نعمتوں سے ہمہ وقت فائدہ تو اٹھاتا ہے، لیکن اس کی کبریائی پر غور نہیں کرتا ہے جب کہ وہ بندوں کو بار بار اپنی طرف متوجہ کرتا ہے کہ۔

اللہ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے اور اتارا آسمان سے پانی، پھر اس سے تمہاری روزی اور میوے نکالے، اور مسخر کیا تمہارے لئے کشتی، کہ چلے دریا میں

اس کے حکم سے، اور کام میں لگا دیا تمہارے لئے ندیوں کو، اور کام میں لگا دیا تمہارے لئے سورج اور چاند کو ایک دستور پر، اور کام میں لگا دیا تمہارے لئے رات اور دن کو، اور پھر کہا **وَاٰتٰکُمْ مِنْ کُلِّ مَاسأَلْتُمُوْہ ، وَاِنْ تَعُدّ وا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْھا اِنَّ الانْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفّار** (پ۱۳، ابراہیم، آیت۳۴)۔

اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی (جو تمہارے مناسب حال تھی) اور اللہ کی نعمتیں اس قدر بیشمار ہیں، کہ (اگر ان کو) شمار کرنے لگو تو شمار میں نہیں لا سکتے (مگر) سچ یہ ہے کہ آدمی بہت ہی بے انصاف اور بڑا ہی ناشکرا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر اور شکر نہیں کرتا۔

سوچئے! کہ غور وفکر کیلئے ہی اللہ نے اپنی نعمتوں کو بار بار مختلف انداز سے بیان کیا، تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی، پھر زمین ہو جاتی ہے سرسبز، بیشک اللہ بہت مہربان، سب باتوں کی خبر رکھنے والا ہے، تو نے نہیں دیکھا! اللہ نے بس میں کر دیا جو کچھ زمین میں ہے اور کشتی کو جو چلتی ہے دریا میں اس کے حکم سے وہی آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے، بیشک اللہ لوگوں پر نرمی کرنے والا مہربان ہے، پھر فرمایا، **وَھُوَ الَّذِیْ اَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثمَّ یُحْیِیْکُم اِنَّ الانْسَانَ لکفُور** (پ۱۷، الحج، آیت۶۶).

اور وہی ہے جس نے تم کو زندگی دی، پھر تم کو موت دے گا، پھر (قیامت میں) تم کو زندہ کرے گا، (ان انعامات کا تقاضا تو یہ تھا کہ لوگ اللہ کی وحدانیت اور اسکے شکر کو اختیار کرتے مگر) واقعی انسان بڑا ناشکرا ہے۔

سوچئے ! گرمی، سردی اور بارش کا زمانہ کس قدر خوشگوار ہوتا ہے لیکن یہی اگر اپنی حد سے تجاوز کر جائیں، تو انسان کیلئے ہلاکت وتباہی کا سامان بن جاتے ہیں، اسی فلسفہ کو قرآن نے دن اور رات کو ذکر کر کے اس طرح بیان فرمایا۔

کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کیلئے قیامت تک رات ہی رہنے دیتا تو خدا کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی کو لے آتا (اور اس کے برعکس) اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کیلئے قیامت تک دن ہی رہنے دیتا تو خدا کے سوا کون سا معبود ہے، جو تمہارے لئے رات کو لے آتا، جس میں تم آرام پاؤ (اسکے بعد فرمایا)۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهارَ لِتَسْكنوا فِيْهِ وَلتبتغوا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكم تشكرون، (پ۲۰، قصص، آیت ۷۳)۔

اور اپنی مہربانی سے بنادئے تمہارے واسطے رات اور دن تاکہ رات میں آرام کرو، اور دن، تاکہ اس میں سکون پاؤ، اور اس کی روزی تلاش کرو اور (ان دونوں نعمتوں پر) تم (اللہ کا) شکر ادا کرو۔

﴿نعمتوں کا ذکر شکر پر ترغیب دلانا ہے﴾

اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں نعمتوں میں پاکیزہ رزق حلال کا تذکرہ اس طرح فرمایا، **فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰه حَلالاً طيباً ، وَاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْن ،** (پ۱۴، نحل، آیت ۱۱۴)

کھاؤ پاکیزہ حلال رزق جو ہم نے تم کو دیا ہے، اور شکر کرو اللہ کے احسان کا اگر

تم اسی کی عبادت کرتے ہو، اسی مفہوم کو دوسری جگہ ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَارَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوا اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْن (پ۲، البقرہ، آیت۱۷۲)۔

اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو، اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو۔

اس میں حلال و طیب چیزوں کے کھانے کا حکم ہے، اس لئے کہ حلال کھانے سے ایک نور پیدا ہوتا ہے، اخلاق رذیلہ سے نفرت اور اخلاق فاضلہ کی رغبت پیدا ہوتی ہے، عبادت میں دل لگتا ہے گناہ سے دل گھبراتا ہے۔ دعاء قبول ہوتی ہے، اس کے برعکس حرام کھانے سے، اخلاق ذمیمہ پیدا ہوتے ہیں، عبادت کا ذوق جاتا رہتا ہے، دعاء قبول نہیں ہوتی۔

اس میں اشارہ ہے کہ نیک عمل کرنے میں رزق حلال کو بڑا دخل ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بہت سے لوگ طویل السفر، پریشان حال، اللہ کے آگے دعاء کیلئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یارب، یارب پکارتے ہیں، مگر ان کا کھانا حرام، ان کا پینا حرام، ان کا لباس حرام، ان کی غذا حرام، ان حالات میں ان کی دعاء کہاں قبول ہوسکتی ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ حدیث۱۷۶۵)

لہٰذا جب ہم نے پاکیزہ چیزیں مرحمت فرمائی ہیں تو ان میں جو چاہو کھاؤ، اللہ کی طرف سے نعمت سمجھ کر کھاؤ، اور بندگی کا تعلق یہ ہے کہ تم اس پر اسکا شکر ادا کرو۔

ایک جگہ اپنے احسان کا ذکر اس طرح فرمایا: **وَتَرَی الْفُلْکَ مَوَاخِرَ فِیْه**

لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (پ۲۲، فاطر، آیت۱۲)۔

اور تم دیکھتے ہو جہازوں کو کہ چلتے ہیں پانی کو پھاڑتے ہوئے تا کہ (تم ان کے ذریعہ سے سفر کر کے) اسکی روزی ڈھونڈ و اور تا کہ (روزی حاصل کر کے) تم اللہ کا شکر ادا کرو۔

نعمتوں کی بقاء اور زیادتی شکر کرنے میں ہے

جو بندہ اللہ رب العزت کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنی نعمتیں واپس لے لیتا ہے، چنانچہ ابن عطاء اللہ السکندری اپنی کتاب ''الحکم العطائیۃ'' صفحہ:۱۱ پر لکھتے ہیں، مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النِّعَمَةَ فَقَدْ تَعَرَّضَ لِزَوَالِهَا وَمَنْ شَكَرَهَا فَقَدْ قَيَّدَهَا بِاِقَالِهَا :جو شخص نعمتوں پر شکر ادا نہیں کرتا وہ اس کو زوال کیلئے پیش کر دیتا ہے، اور جو نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے وہ اسکو نکیل لگا کر اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔

نعمت پر شکر گذاری کا صلہ رب کی طرف سے یہ ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (پ۱۳، ابراہیم، آیت ۷)۔

اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو ہم اپنی نعمتیں تمہیں اور زیادہ عطا کریں گے۔ اور یہ زیادتی نعمتوں کی مقدار میں بھی ہو سکتی ہے اور ان کے بقاء و دوام میں بھی۔

رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے، جس شخص کو شکر ادا کرنے کی توفیق ہوگئی وہ کبھی نعمتوں میں برکت اور زیادتی سے محروم نہ ہوگا۔

شکر گذاری کی تاکید اللہ کی طرف سے اس لئے نہیں کہ اس میں اسکا کچھ فائدہ

ہے بلکہ یہ تاکید بسبب رحمت بندوں کو فائدہ پہونچانے کیلئے ہے۔

حکایت: کہتے ہیں کہ ایک بڑے میاں تھے، جو بہت نیک طینت، خدا ترس اور شکر گذار تھے، خالق کائنات انہیں بے تحاشا نعمتیں دے رہا تھا ہم ہوتے تو وہ ان نعمتوں کو پاکر خوش ہوتے مگر وہ فکر مند ہوگئے کہ کہیں میرے اچھے کاموں کا بدلہ دنیا ہی میں نہ دیا جارہا ہو، اور جب دربار خداوندی میں حاضری ہو تو مجھ سے کہہ دیا جائے **اَذهَبْتُمْ طيّبا تكُمْ فى حَيَاتِكُم الدُّنِيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بها** (پ۲۶، احقاف، آیت ۲۰)

ضائع کئے تم نے اپنے مزے دنیا کی زندگانی میں اور ان کو برت چکے۔ (یعنی ہم نے تمہارے اچھے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں دیدیا، اب آخرت میں تمہارا کچھ حصہ نہیں۔

حالانکہ یہ آیت کافروں کیلئے ہے، مومنین کیلئے یہ حکم نہیں، کہ اگر دنیا میں کسی کو نعمت اور مال ودولت وغیرہ مل جائیں تو وہ آخرت کی نعمت سے محروم ہوجائے، چونکہ اس آیت میں عتاب وعقاب ان کے دنیاوی لذتوں میں منہمک رہنے کی بناء پر کیا گیا، اس لئے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ وتابعین نے لذائذ دنیا کو ترک کرنے کی عادت بنالی، جیسا کہ ان کی سیرت اس پر شاہد ہے۔ **وَقَدْ تورع (امير المؤمنين) عمر بن الخطابؓ عن كثير من طيبات الماكل والمشارب وتنزه عنها ويقول (انى) اخاف ان اكون كالذين قال الله تعالىٰ لهم وقرعهم (اذهبتم الخ.) فلمّا وبّخ اللّٰه الكافرين بالتمتع بالطيبات فى الدينا اٰثر النبىّ صلى اللّٰه عليه واصحابهٖ والصّالحون اجتناب اللذات فى الدنيا رجاء ثواب الآخرة.**

عن عمر قال دخلت علیٰ رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم فاذا هو مضطجعٌ علیٰ رمال حصیر قد اثر الرمال بجنبهٖ فقلت یا رسول اللّٰہ ادع اللہ فلیوسع علیٰ اُمتک فاِن فارس والروم، قد وسع علیهم وهم لا یعبدون اللّٰہ فقال اولٰئک قوم عجّلوا طیبا تهم فی الحیاة الدنیا .

عن عائشة رضی اللّٰہ عنها انها قالت مَاشبع اٰل محمد ﷺ من خبز الشعیر یومین متتابعین حتی قُبض رسول الله ﷺ قال جابر بن عبداللّٰہ رأی عمر بن الخطاب لحماً معلقا فی یدیی ، فقال ما هذا یا جابر ؟ قلت: اشتهیت لحماً فاشتریتهٗ، فقال عمر او کلما اشتهیت شیئا یا جابر ، اشتریت ، امَا تخاف هٰذهٖ الاٰیةِ: اذهبتم طیباتکم الخ. (بغوی)

امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھانے پینے کی بہت سی لذیذ چیزوں سے پرہیز کرتے تھے، اور اس سے بچتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ میں ڈرتا ہوں اس بات سے کہ کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤں جن کو ڈانٹتے ہوئے اللہ نے فرمایا۔ اَذهبتم طیباتکم الخ.: جب اللہ نے توبیخ فرمایا کافروں کو دنیا میں لذیذ چیزوں سے نفع اٹھانے پر تو نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور نیک لوگوں نے آخرت کے ثواب کی امید پر دنیا میں لذیذ چیزوں سے بچنے کو اپنا شعار بنالیا۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ریت پر چٹائی کے اوپر لیٹے ہوئے ہیں اور آپ کے پہلو ریت (خاک) آلود ہیں، میں نے کہا یا

رسول اللہ ﷺ اللہ سے دعاء فرمادیجئے کہ اللہ آپ کی امت میں کشادگی پیدا فرمادے (جس طرح) کہ اللہ نے فارس اور روم پر وسعت فرمائی ہے، حالانکہ وہ اللہ کی عبادت (بھی) نہیں کرتے ہیں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ان کی لذیذ چیزیں اس دنیا میں نقد دے دی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ محمد ﷺ کے گھر والے (کبھی) لگاتار دودن جو کی روٹی سے آسودہ نہ ہوئے۔تا کہ آنکہ آپ ﷺ وفات پاگئے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (ایک مرتبہ) میرے ہاتھ میں گوشت دیکھا۔تو فرمایا! اے جابر یہ کیا ہے؟ تو میں نے کہا گوشت کھانے کو جی چاہ رہا تھا تو میں نے اس کو خرید لیا،تو حضرت عمر نے فرمایا کہ جب تمہارا کسی چیز کو جی چاہے تو تم خرید لوگے۔کیا تم اس آیت سے نہیں ڈرتے **اذھبتم طیباتکم.** الخ۔

حضور پاک ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجنے کے وقت یہ وصیت فرمائی تھی کہ دنیا کے تنعم سے پرہیز کرتے رہنا،اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے تھوڑا رزق لینے پر راضی ہوجائے، اللہ تعالیٰ بھی اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہوجاتے ہیں۔(معارف القرآن، ج۷، ص۸۰۹)

پاکباز اور خداترس لوگوں کی نظر کہاں پہونچتی ہے، اسرار ورموز کس قدر پیش نظر ہوتے ہیں، حضور پاک ﷺ کی وصیت اور صحابہ کی عادت اور قرآنی احکامات پر ان کی نگاہ کس قدر رہوتی ہے۔

اس لئے دنیاوی نعمتوں کی ارزانی دیکھ کر یہ خوف دامن گیر ہوجاتا ہے کہ کہیں میرے اچھے عمل کا دنیا ہی میں بدلہ تو نہیں مل رہا ہے۔

اس فکر کی وجہ سے جب بڑے میاں کو مزید نعمت ملتی، تو کہتے میرے مولا بس کر! مجھے اور نہیں چاہئے۔ مگر نعمت تھی کہ بڑھتی ہی جارہی تھی، جس قدر دعائیں کرتے، اور کہتے، اور نہیں چاہئے، اللہ اور زیادہ کر دیتا، بہت حیران ہوئے کہ یا اللہ! جب میں عرض کررہا ہوں کہ اور نہیں چاہئے، تو پھر مجھے اور کیوں دے رہے ہیں۔

رب کریم نے الہام فرمایا، میرے بندے! جب تک تو نعمتوں پر شکر ادا کرنے سے نہیں رکے گا، ہم اپنی نعمتیں عطا کرنے سے نہیں رکیں گے۔

معلوم ہوا کہ جب تک ہم نعمتوں پر شکر ادا کرتے رہیں گے، نعمتوں کا فیضان جاری رہے گا، اور جب شکر کرنا چھوڑ دیں گے، تو نعمتیں بھی ساتھ چھوڑ دیں گی۔

﴿نعمتوں پر شکر عقلمندی اور سعادت مندی ہے﴾

نعمتوں کی شکر گذاری اور قدر دانی پر نعمتوں کی بقاء موقوف ہے، عقلمند وہی ہے جو ہر وقت انعامات الٰہیہ پر شکر ادا کرتا رہے۔

مگر ایسے خوش قسمت لوگ کم ہیں وَقَلِیْلٌ مِنْ عِبَادِیَ الشکور (پ۲۲، سبا، آیت ۱۳) اور میرے بندوں میں شکر گذار تھوڑے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا گیا وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلٰی النَّاسِ ولکنَّ اَکْثَرھُم لَا یَشْکُرُوْن (پ۲۰، النمل آیت ۷۳)۔

تیرا رب تو لوگوں پر بڑا فضل رکھتا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے، بلکہ انسان جب کبھی دوسروں کے مقابلے میں اپنے کو کمتر دیکھتا ہے تو ناشکری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

انَّ الانسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْد، وَاِنَّہٗ عَلیٰ ذَالِکَ لَشَہِیْدٌ، وَاِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْد(پ۳۰، عادیات، آیت ۶، ۷، ۸)۔

بیشک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے اور اسکو خود بھی اسکی خبر ہے، اور مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے، اور یہی محبت اسکی ناشکری کا سبب ہے۔

شیطان بھی انسان کی نفسیات سے کس قدر واقف ہے، جس وقت اللہ رب العزت نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے، تو اللہ نے اس سے کہا باہر نکل تو ذلیل ہے۔ اسوقت شیطان نے کہا تھا کہ میں آدم اور بنی آدم کو گمراہ کرنے کیلئے ان کے آگے سے، پیچھے سے، اور دائیں سے بائیں سے آؤنگا (پھر بولا) وَلا تَجِدُ اکْثَرَھُمْ شٰکِرِین (پ۸، اعراف، آیت ۱۷)۔ اور تو نہ پائے گا ان میں سے اکثروں کو شکرگذار۔

مصیبت پر صبر کر لینا تو آسان ہے، لیکن نعمتوں پر شکر کرنا انسان کے لئے بہت مشکل ہے یہ اسلئے کہ نعمتوں کا حصول وہ اپنی صلاحیت وقابلیت کا نتیجہ سمجھتا ہے، اس لئے شکرگذاری کا تصور بھی اس کے ذہن میں نہیں آتا۔

قرآن کہتا ہے: فَاِذَا مَسَّ الانسَانَ ضُرٌّ دعانا ، ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰہُ نِعمَۃً قَالَ انَّمَا اُوْتِیتُہ عَلیٰ عِلْمٍ ، بَل ھِیَ فتنَۃٌ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لا یَعْلَمُوْن. (پ ۲۴، الزمر، آیت ۴۹)

پھر جب انسان کو کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے، پھر جب بخشیں ہم اس کو اپنی طرف سے نعمت تو کہتا ہے یہ تو مجھ کو (میری) تدبیر سے ملی ہے (اللہ نے اسکارد کرتے ہوئے فرمایا) کہ وہ (نعمت خدا کی طرف سے دی ہوئی) ایک آزمائش ہے، لیکن اکثر لوگ (اس بات کو) نہیں سمجھتے۔

انسان کو دنیا میں جو بھی نعمت ملتی ہے، وہ محنت اور کسی نہ کسی سبب اور واسطہ سے ملتی ہے انسان اسی سبب ظاہر کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے، اور علت حقیقی پر غور نہیں کرتا، یہی اس کیلئے آزمائش ہے۔ چنانچہ وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ تو مجھ کو میری دانشمندی اور تدبیر سے ملی ہے، اکثر لوگ یہی سمجھتے ہیں، قارون اور فرعون نے بھی یہی سمجھا اور کہا تھا۔ مگر ان کی ناسمجھی اور ناشکری کا انجام کیا ہوا؟ دنیا جانتی ہے قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور فرعون کو دریا بُرد کر دیا گیا۔

﴿ناشکری کا انجام﴾

قرآن میں اللہ رب العزت نے ایک بستی کے لوگوں کا واقعہ بیان کیا: ضَرَبَ اللّٰـه مَثَلاً قَـرْيَةً اٰمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْ تِيهَا رِزْقُهَا رَغَداً مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرتْ بِـاَنْـعُـمِ اللّٰهِ فَاذا قَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَا نَوا يَصْنَعُون (پ۱۴، النحل، آیت ۱۱۲)۔

اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان کی، ایک بستی تھی وہ امن وچین سے رہتی تھی، ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت کے ساتھ ہر چار طرف سے ان کے پاس

پہونچتی تھیں، پھر ناشکری کی اللہ کے احسانوں کی ،اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کوان کی حرکتوں کے سبب ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا کہ مال ودولت کی فراوانی سلب ہوکر قحط اور بھوک میں مبتلا ہوگئے ،اور دشمنوں کا خوف مسلط کر کے ان کی بستیوں کا امن وسکون ختم کردیا۔

پہلا واقعہ : یہ کس بستی کا واقعہ ہے،اکثر مفسرین نے اس کومکہ مکرمہ کا واقعہ قرار دیا ہے۔کہ وہ سات سال شدید قحط میں مبتلا رہے، یہاں تک کہ مردار جانور، کتے اور غلاظتیں کھانے پر مجبور ہو گئے ،اور مسلمانوں کا خوف ان پر مسلط ہو گیا،ابوسفیان نے بحالت کفر آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ صلۂ رحمی اور عفو ودرگذر کی تعلیم دیتے ہیں ، یہ آپ کی قوم ہلاک ہوئی جاتی ہے ، اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ قحط ہم سے دور ہو جائے ۔اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعاء فرمائی اور قحط دور ہوا ۔ (معارف القرآن،ج۵،۴۰۹)

دوسرا واقعہ: اللہ نے قوم سبا کا بیان فرمایا، لَقَدْ كَانَ لِسَبَأٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ، جَنَّتٰنِ عَنْ يَمِيْنٍ وَشِمَالٍ، كلوا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشكروا لهٗ بَلْدة،طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفورٌ. (پ۲۲،سبا،آیت۱۵)

سبا،یمن کے بادشاہوں اوراس ملک کے باشندوں کا لقب ہے۔تبابعہ ملک سبا کے مقتدا اور پیشوا تھے، ملکہ بلقیس بھی اسی قوم سے تھی ، اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے رزق کے دروازے کھول دئے تھے اوران کے شہر کوتمام عیش وآرام کے اسباب مہیّا فرمادئے تھے،اورانبیاء کے ذریعہ ان کواللہ کی وحدانیت ،اوراحکام باری کی اطاعت

اور انعامات الٰہیہ پر شکر کرنے کا حکم دیا گیا تھا، ایک مدت تک وہ اس حال پر قائم رہے، اور ہر طرح عیش وعشرت اور نعمت وراحت سے مالا مال رہے، پھر راحت کوشی کی لذت میں منہمک ہوکر خدا سے غافل بلکہ منکر ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی تنبیہ کیلئے تیرہ انبیاء بھیجے، جنہوں نے ان کو راہِ راست پر لانے کی پوری کوشش کی، مگر یہ لوگ اپنی غفلت سے باز نہ آئے، تو ان پر ایک سیلاب کا عذاب بھیجا گیا، جس نے ان کے شہر اور باغات کو ویران و برباد کردیا جس کو قرآن نے اس طرح بیان کیا۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ. (آیت ۱۶)۔ پھر ہم نے ان پر قہر اس طرح نازل کیا کہ ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا (بند ٹوٹ گیا) اور سیلاب کے پانی سے ان کے دورویہ باغات سب غارت ہو گئے، پھر ہم نے ان کے دورویہ باغ کے بدلے اور دو باغ دئے، جن میں یہ چیزیں رہ گئیں بدمزہ پھل، اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری (جو جنگلی تھی) یہ بدلہ دیا ہم نے ان کو ناشکری کی وجہ سے اور یہ بدلہ ہم اسی کو دیتے ہیں جو ناشکرا ہو۔

ابن کثیر کے بیان کے مطابق ملک یمن کے دارالحکومت صنعاء سے تین منزل کے فاصلہ پر شہر مآرب تھا، جو قوم سبا کا مسکن تھا دو پہاڑیوں کے درمیان وادی میں یہ شہر آباد تھا، دونوں پہاڑوں کے درمیان سے اور پہاڑوں کے اوپر سے بارش کا سیلاب آتا تھا، جس کی وجہ سے یہ شہر ہمیشہ سیلابوں کی زد میں رہا کرتا تھا، اسی پر یہ عَرِم یعنی بند (ڈیم) بنایا گیا تھا (جس سے شہر سیلاب سے محفوظ ہو گیا) شہر کے دائیں، بائیں جو دو پہاڑ تھے، ان کے کناروں پر باغات لگائے گئے تھے، جس میں پانی کی نہریں جاری تھیں،

یہ باغات تعداد میں اگر چہ بہت تھے، مگر قرآن نے اسکو دو باغ سے اسلئے تعبیر فرمایا کہ ایک رخ کے باغ کو بوجہ اتصال ایک باغ اور دوسرے رخ کے باغوں کو دوسرا باغ قرار دیا، ان باغوں میں ہر طرح کے درخت اور ہر قسم کے پھل اس کثرت سے پیدا ہوتے تھے کہ ائمہ سلف اور حضرت قتادہ وغیرہ کے بیان کے مطابق اگر ایک عورت سر پر خالی ٹوکری لے کر چلتی تو درختوں سے ٹوٹ کر گرنے والے پھلوں سے (وہ ٹوکری) خود بخود بھر جاتی تھی، اس کو ہاتھ بھی لگانا نہ پڑتا تھا۔ (ابن کثیر)

حق تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعہ ان کو یہ حکم دیا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اس وسیع رزق کو استعمال کرو اور اسکی شکر گذاری، اعمال صالحہ اور اطاعت، احکام الٰہیہ کے ساتھ کرتے رہو، اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس شہر کو" بلدہ طیبہ بنایا ہے، جس میں سردی، گرمی کا اعتدال، صحت بخش آب وہوا، مکھی، مچھر، سانپ، بچھو کی ایذاء رسانی سے محفوظ اور یہ آرام وراحت صرف دنیا کی زندگی تک نہیں، اگر تم شکر گذاری پر قائم رہے، تو آخرت میں اس سے بڑی اور دائمی نعمتوں کا وعدہ، مگر ہوا کیا؟ اس قدر نعمتوں کے باوجود جب قوم سبا نے سرکشی اور حکم الٰہی سے سرتابی کی تو اللہ نے خوشحالی کو بدحالی سے اور حفاظت کے بند (ڈیم) کو آفت ومصیبت سے بدل دیا، اور پھر پورا شہر تباہ ہوگیا، شہر کے کچھ باشندے سیلاب کی نذر ہوگئے، کچھ عمان، کچھ مقام بُصریٰ، کچھ یثرب، کچھ بطن مرّہ جو مکہ کے قریب ہے پہونچ کر مقیم ہوگئے، اس طرح یہ قوم سبا ٹکڑے ٹکڑے ہوکر بکھر گئی (تفصیل کیلئے ابن کثیر دیکھیں)

مرسلین ومقربین کوشکرگذاری کاحکم

شکر کی اہمیت کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو جو معصوم اور اسکے محبوب بندے ہیں جن کی زندگی کا اولین مقصد اللہ کی رضا جوئی اس کی بندگی، اور مخلوق خدا کو دین حق کی رہنمائی تھی، وہ لوگ قوم کی تمام تر مخالفت وعداوت کے باوجود صبر وشکر کے ساتھ اپنے فرض منصبی کو انجام دیتے رہے پھر بھی ان سے کہا جا رہا ہے شکر کرو، حضرت موسیٰ کلیم اللہ سے اللہ رب العزت نے فرمایا:

قَالَ يٰمُوْسٰىٓ اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ، فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ (پ۹، اعراف، آیت ۱۴۴)

اے موسیٰ میں نے تجھ کو پیغمبری کا عہدہ دے کر اور (سابق) ہمکلامی کا شرف بخش کر (اس سے) اور لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے تو (اب) جو کچھ میں نے تجھ کو عطا کیا ہے، (رسالت، ہمکلامی، توریت) اسکو لو اور شکر ادا کرو۔

حضرت داؤد علیہ السلام سے کہا گیا۔ اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (پ۲۲، سبا، آیت ۱۳)

اے داؤد کے خاندان والو! (سلیمان اور ان کے متعلقین) شکریہ میں نیک کام کیا کرو، اور میرے بندوں میں شکر گذار تھوڑے ہیں۔

اس جملہ میں عمل صالح پر ترغیب دلانا مقصود ہے کہ یہ تمہارے لئے خلق کثیر پر امتیاز کا سبب بن جائے گا۔

حضرت لقمان علیہ السلام کے بارے میں قرآن میں کہا گیا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الحِکْمَۃَ اَنِ اشْکُرلِلّٰہ ، وَمَنْ یَشْکُرفاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ (پ۲۱،لقمان،آیت۱۲)۔

ہم نے عطا کی لقمان کودانش مندی (اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ سب نعمتوں پر عموماًاوراس نعمتِ حکمت پر خصوصاً) کہ اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتے رہو، جوشکر کرتا ہے وہ اپنے ذاتی نفع کیلئے کرتا ہے (کہ اس سے نعمت میں ترقی ہوتی ہے،خواہ دینی ہو یادنیاوی اورآخرت میں بھی ثوابِ عظیم ملتا ہے) اور جو ناشکری کرتا ہے،وہ (اپنا ہی نقصان کرتا ہے، کیونکہ) اللہ تو بے نیاز اور (سب) خوبیوں والا ہے۔

حضرت سلیمانؑ کا اندازشکر

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ملکہ سُبا کے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تواس نعمت پر اظہارتشکراس طرح فرمایا،ھٰذا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ یہ میرے رب کا فضل ہے، پھراس کے مضمرات کواس طرح بیان کیا۔

لَیَبْلُوَنِیْ ءَ اَشْکُرُاَمْ اَکْفُرُ، وَمَنْ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشْکُرُلِنَفْسِہٖ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ رَبِیّ غَنِی کَرِیْم. (پ۱۹،النمل،آیت۴)

تا کہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جوکوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کیلئے کرتا ہے،اور جو ناشکری کرتا ہے (وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے) سومیرا رب بے پرواہ ہے کرم والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشوائی اور شکر گذاری کی تعریف میں قرآن نے یوں بیان کیا۔

﴿حضرت ابراہیمؑ کا مختصر تعارف﴾

اِنَّ اِبۡرَاهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتاً لِلّٰهِ حَنِيۡفاً، وَلَمۡ يَکُ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡن، شَاكِراً لاَنۡعُمِهٖ اجۡتَبٰهُ وَ هَدٰاهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡم. (پ۱۴ نحل، آیت ۱۲۱)

بیشک ابراہیمؑ بڑے مقتدا اور اللہ تعالیٰ کے پورے فرمانبردار تھے وہ بالکل ایک (خدا) کی طرف ہو رہے تھے، اور شرک کرنے والوں میں نہ تھے، اللہ کی نعمتوں کے بڑے شکر گذار تھے اللہ نے ان کو منتخب کر لیا تھا، اور سیدھی راہ پر ڈال دیا تھا۔

انبیاء کرام کی زندگی، ان کا طرز عمل امت کیلئے نمونہ عمل ہوتا ہے، ان کی ذات عصمت و عفت کے سانچے میں ڈھلی ہوتی ہے، تا کہ کوئی لغزش راہ نہ پا سکے، نبی کی زندگی ہمہ وقت رب کی مرضی کے مطابق، اسکی بندگی سے سرشار ہوتی ہے، حمد و ثناء اور صبر و شکر کا مجسمہ ہوتی ہے، اس کے باوجود ان کو شکر ادا کرنے کا حکم اور حضرت ابراہیم کے تعارف میں صفتِ شکر کا ذکر، ایک طرف تو شکر کی اہمیت کا اظہار ہے، دوسری طرف رسول برحق کے حوالہ سے امت کو تاکید کرنا ہے، کہ نعمتوں کا فیضان اور مراتب عالیہ کا حصول صبر و شکر پر ہی منحصر ہے۔

اس لئے صبر و شکر دونوں کے بارے میں انبیاء کو بار بار تلقین کی گئی، جبکہ یہ دونوں چیزیں ان کی طبیعت میں پہلے ہی سے ودیعت کر دی جاتی ہیں۔

دیکھئے! اللہ رب العزت رسولوں سے کہہ رہا ہے، **يَا اَيُّهَا الرّسُلُ كُلوا مِنَ الطيّبَات وَاعمَلوا صَالِحاً.** اے رسولو: پاکیزہ مال کھاؤ اور نیک عمل کرو، رسولوں کیلئے رزق حلال اور نیک اعمال کا فیصلہ تو پہلے ہی ہو چکا ہے، ان کیلئے حرام مال کھانا اور برے عمل کرنا تو محال کے درجہ میں ہے، تو پھر ان سے خطاب کا مطلب، رزق حلال کی اہمیت کو امت کے دل ودماغ میں راسخ کرنا ہے۔ اسی طرح نبیوں اور رسولوں کو شکر کا حکم اس کی اہمیت کیلئے آخری درجہ کا اظہار ہے، ورنہ ان کی ذات تو سراپا شکر ہے۔

حضرت فضیلؒ سے منقول ہے کہ جب حضرت داؤد پر شکر کا حکم نازل ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے پروردگار! میں آپ کا شکر کس طرح پورا کرسکتا ہوں، جب کہ میرا شکر قولی ہو یا عملی وہ بھی آپ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے، اس پر بھی مستقل شکر واجب ہے، حق تعالیٰ نے فرمایا **الآن شكرتني ياداؤد**، اے داؤد! اب آپ نے شکر ادا کردیا، کیونکہ حق شکر ادا کرنے سے اپنے عجز وقصور کو سمجھ لیا اور اعتراف کرلیا، یہی شکر ہے

محسن کا شکر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **من لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشكُرِ الله** (مسند احمد وترمذی)۔ جس نے احسان کرنے والے بندے کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکریہ نہیں ادا کیا۔

عَنْ اُسَامَۃ بن زَیْدٍ قَالَ رَسُول اللّٰہِ صَلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلمَّ مَنْ صُنِعَ اِلَیْہِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَا عِلِہٖ جَزَاکَ اللّٰہ خَیْراً.

رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا، جس آدمی پر کوئی احسان کیا گیا، اوراس نے اسکو یہ کہہ کردعاءدی، جزاک اللّٰہُ خَیْراً، تواس نے اس کی پوری تعریف بھی کردی اورغور کریں تواس میں اس کی قدرشناسی بھی ہے، مختصر وقت میں محسن کا شکر بھی ادا ہوجائے، پوری تعریف بھی ہوجائے اورقدرشناسی کا اظہار بھی ہوجائے، یہی تو دین فطرت کی خوبی ہے۔

﴿دین فطرت اوروقت کی اہمیت﴾

کائناتِ رنگ وبو کے حسین ودلفریب اورلامحدودجلوہ ہائے صدرنگ، لاریب انسانوں کیلئے ہی ہیں، لیکن اس سے نفع اٹھانے کازمانہ محدودومختصر ہے حضور پاک ﷺ کاارشادگرامی ہے: اَعْمَا رُ اُمَّتِیْ بَیْنَ السّتّیْنَ اِلیٰ السَّبْعِیْن وَاقَلُّھُمْ مَنْ یَّجُوْزُ. میری امت کی عمریں ساٹھ (۶۰)، ستر (۷۰) کے درمیان ہوں گی، بہت کم لوگ اس سے آگے بڑھیں گے۔

نفس واقعہ بھی یہی ہے کہ اکثرلوگ، ساٹھ، ستّر کی بہاریں دیکھ کرآخرت کی طرف کوچ کرجاتے ہیں۔

دنیا کی یہ مختصر زندگی، انسان کیلئے انعام بھی ہے، اورامتحان بھی، انعام کاحاصل یہ ہے کہ دنیاسے بھرپورفائدہ اُٹھائے کہ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ. دنیاتوتمہارے ہی

لئے بنائی گئی ہے۔ اور امتحان یہ کہ تمہارا مقصدِ وجود آخرت کیلئے ہے۔ دنیا کے لئے نہیں وَاِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَةِ اور یہ کہ تم کو آخرت کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ تو تمہیں قدم قدم پر امتحان و آزمائش سے بھی گذرنا ہے، غیر محدود تمناؤں کی بھیڑ میں بے شمار نعمتوں کی ارضی کائنات جو چاروں طرف سے دعوتِ ذوق وشوق دے رہی ہیں، ان کے پس پردہ اہم مقصد بندے کا امتحان ہے، لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا. (پ ۱۲، ہود، آیت ۷)

تم میں کون عمل کے اعتبار سے بہتر ہے، یہ آگاہی اس لئے دی گئی تاکہ انسان جہانِ بوقلموں کی لہلہاتی ہوئی بہاروں اور اس کی رعنائیوں میں گم ہوکر غفلتوں کا شکار نہ ہوجائے۔ اور چندروزہ دنیا کی حیاتِ مستعار کو حاصل زندگی نہ سمجھ بیٹھے، اور اس میں اس طرح مست و مگن نہ ہوجائے کہ آخرت کا تصور نظروں سے اوجھل ہوجائے، اسی لئے قرآن نے بار بار ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر فرمایا کیونکہ اسی پر آخرت کی کامیابی موقوف ہے۔

آخرت کا خیال اور عمل کی تڑپ

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ ''فتاویٰ دار العلوم'' کے پیش لفظ صفحہ ۳۸ پر رئیس الافتاء مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ علیہ کا یہ واقعہ جو خود مفتی صاحب نے جلالین شریف کے درس میں سنایا تھا، تحریر فرماتے ہیں۔

''فرمایا کہ میں ایک شب سونے کیلئے لیٹا، تو اچانک قلب میں یہ اشکال وارد

ہوا کہ قرآن کریم نے تو یہ دعویٰ فرمایا ہے ، لَیْسَ لِلانسَانِ الا مَا سَعیٰ ،جس کا واضح نتیجہ یہ نکلتا ہے، کہ آخرت میں کسی کیلئے غیر کی سعی کارآمد نہ ہوگی ،اور حدیث نبوی میں ایصال ثواب کی ترغیب آئی ہے۔ جس سے تخفیف عذاب، رفعِ عقاب، اور ترقی درجات کی صورتیں ممکن بتلائی گئی ہیں، نیز شفاعت انبیاء وصلحاء، شفاعت حفّاظ وشہداء سے رفع عذاب، حصولِ نجات، اور ترقی درجات کا وعدہ دیا گیا ہے،جس سے صاف نمایاں ہے کہ آخرت میں غیر کی سعی بھی کارآمد ہوگی۔ پس یہ آیت وروایت میں کھلا تعارض ہے۔فرمایا کہ اس کا حل سوچتا رہا،مگر ذہن میں نہ آیا، بالآخر،سوچتے سوچتے یہ خوف قلب پر طاری ہوا کہ جب آیت وروایت میں یہ تعارض قلب میں جاگزیں ہے اور حل ذہن میں نہیں ہے،تو گویا اس آیت پر میرا ایمان، سست اور مضمحل ہے اور اگر اس حالت میں موت آگئی ،تو قرآن کی ایک آیت میں خلجان اور ریب کی سی کیفیت لے کر جاؤں گا، اور ایسی حالت کے ساتھ حق تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گا، کہ قرآن کے ایک حصہ پر میرا ایمان سُست اور مضمحل ہوگا تو میرا انجام کیا ہوگا؟ کیا اس خاتمہ کو حسن خاتمہ کہا جاسکے گا؟

﴿پیادہ پا راتوں رات گنگوہ کا سفر﴾

اس دھیان کے آتے ہی ،فکرِ آخرت اس شدت سے دامن گیر ہوا کہ میں اسی وقت چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا اور سیدھے گنگوہ کی راہ لی، مقصد یہ تھا کہ راتوں رات گنگوہ پہونچ کر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ اشکال حل کروں، کہ میرا ایمان صحیح اور حسنِ

خاتمہ کی توقع درست ہے۔

حالانکہ آپ پیدل چلنے کے عادی نہ تھے، اور وہ بھی گنگوہ جیسے لمبے سفر کے جو دیوبند سے بائیس کوس کے فاصلے پر ہے، یعنی تقریباً تیس میل اور وہ بھی رات کے وقت، لیکن جب خوفِ آخرت، نفس کا حال بن چکا ہو تو اس میں وساوس کی کہاں گنجائش تھی، اس جذبے سے عزم پیدا ہوا۔ اور اسی عزم صادق سے اتنا لمبا سفر کرنے کیلئے، اندھیری رات میں پیدل ہی چل کھڑے ہوئے، صبح صادق سے پہلے گنگوہ پہونچے، حضرت گنگوہی قدس سرہٗ تہجد کیلئے وضو فرمارہے تھے، کہ حضرت مفتی اعظم نے سلام کیا، فرمایا کون؟ عرض کیا عزیز الرحمٰن، فرمایا تم اس وقت کہاں؟ عرض کیا: حضرت ایک علمی اشکال لے کر حاضر ہوا ہوں جس میں مبتلا ہوں اور وہ یہ کہ قرآن تو نفع آخرت کو صرف اپنی ذاتی سعی میں منحصر بتلا رہا ہے، جس سے غیر کی سعی کے نافع ہونے کی نفی نکل رہی ہے، اور حدیث، غیر کی سعی کو نافع اور مؤثر بتلارہی ہے، جس میں نفع آخرت ذاتی سعی میں منحصر نہیں رہتا جو صراحۃً قرآن کے معارض ہے، تو ذہن میں اس تعارض کا حل نہیں آتا، حضرت نے وضو کرتے ہوئے برجستہ فرمایا کہ آیت میں سعی ایمانی مراد ہے جو آخرت میں غیر کے لئے کارآمد نہیں ہوسکتی کہ ایمان تو کسی اور کا ہو اور نجات کسی اور کو ہوجائے اور حدیث میں سعی عملی مراد ہے، جو ایک کی دوسرے کے کام آسکتی ہے، اس لئے کوئی تعارض نہیں۔

اس واقعہ سے اندازہ لگائیے: کہ آخرت کا خوف، مقصود کے حصول کی فکر، اچھے

کام میں عجلت پسندی، کل کے خیال سے بے توجہی، وقت کی قدر دانی، علم کی تڑپ اور اسکی جستجو آپ پر کس قدر غالب تھی

اور پھر دیکھئے: آپ کی اولوالعزمی اور عالی ہمتی! کہ راستے کی پُر خطر طویل مسافت اور شب کا مہیب سناّٹا بھی آپ کے ارادہ کو متزلزل نہ کر سکا۔

مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی
میری سرشت میں ہے پاکی ودرخشانی
تو اے مسافر شب، خود چراغ بن اپنا
کر اپنی رات کو داغِ سفر سے نورانی

﴿دنیا دار العمل ہے﴾

دنیا عمل کا میدان ہے، اس لئے عملی زندگی کا مکمل منشور ودستور قرآن کریم کی صورت میں اللہ نے اپنے محبوب کے ذریعہ امت کو عطا فرمایا، پھر اس کی تفصیلات شرح وبسط کے ساتھ جامع صفات وکمالات نبی آخر الزماں ﷺ نے بیان فرمائیں، اعمال صالحہ کی فضیلت وافضلیت، نظام الاوقات کی صراحت ووضاحت، لمحاتِ شب وروز کی اہمیت وخصوصیت اور زمانے کی تعیین وتحدید اور ان کے خصائص، قیامت تک پیش آنے والے حالات ومسائل، آخرت میں کام آنے والے اعمال اور ان کے فضائل، سب کچھ کھول کھول کر اس لئے بیان فرمادئے تاکہ انسان غفلت میں زندگی نہ گذارے، اور عمر عزیز کے زمانے کو لایعنی کاموں میں برباد نہ کردے، آپ ﷺ نے

فرمایا " مِنْ حُسْنِ اسْلامِ المَرْءِ ترک مَالا یعنیه . اسلام کی خوبی میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ انسان لایعنی کاموں کو چھوڑ دے اور یہ جبھی ممکن ہے، جب آخرت پر نظر ہو اور وقت کی اہمیت کا احساس ہو۔

قرآن نے زمانے اور وقت کی اہمیت کو جا بجا مختلف انداز و اسلوب میں بار بار قسم کھا کر ذکر فرمایا ہے، کہیں پہ زمانے کی قسم وَالْعَصْرِ اِنَّ الانسانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلاَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُو الصَّالِحَات .قسم ہے زمانے کی (جس میں رنج وخسران واقع ہوتا ہے) کہ انسان ہر طرح خسارے میں ہے، مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے، کہیں پر لیل ونہار کی قسم وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشَیٰ وَ النَّهَارِ اِذَا تَجَلَّیٰ ،قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے، اور قسم ہے دن کی جب وہ روشن ہو جائے۔ کہیں پہ دوپہر کی قسم وَالضُّحیٰ قسم ہے دن کی روشنی کی، کہیں پہ آفتاب و ماہتاب، روز وشب، آسمان وزمین اور انسانی جان کی قسم، وَ الشَّمْسِ وَضُحٰهَا، وَالقَمَرِ اِذَا تلٰهَا وَالنَّهَارِ اِذا جلّٰها ، واللیلِ اِذَا یَغْشٰهَا وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا وَ الاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا وَنَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا.

قسم ہے سورج کی اور اسکی روشنی کی اور چاند کی جب سورج کے غروب سے پیچھے آئے، اور قسم ہے دن کی جب وہ اس (سورج) کو خوب روشن کر دے اور قسم ہے رات کی جب وہ اس (رات) کو چھپالے اور قسم ہے آسمان اور اس کے بنانے کی، اور قسم ہے زمین اور اس کے بچھانے اور پھیلانے کی اور قسم ہے انسانی جان اور اس کے درست متناسب کرنے کی، کہیں پہ آسمان کے ساتھ یوم موعود اور شاہد ومشہود کی قسم وَالسَّمَآءِ ذات البُرُوْجِ وَ الْیَومِ الموعود ، وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْد ،قسم ہے

بُرجوں والے آسمان کی، قسم ہے یوم موعود (یعنی قیامت کے دن) کی اور قسم ہے حاضر ہونے والے دن (جمعہ) کی اور قسم ہے اس دن کی جس میں لوگوں کی حاضری ہوتی ہے (یعنی عرفہ کے دن کی) کہیں فجر کی قسم وَ الفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْر، قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی (مراد اس سے ابتدائی ذی الحجہ کی دس راتیں ہیں) کہیں پہ صبح کی قسم وَ الصُّبحِ اِذا اَسْفَرَ قسم ہے صبح کی جب وہ روشن ہو جائے اور کہیں اُفق پر پھیلی شفق اور شب کی تاریکی کے ساتھ چاندنی رات کی قسم فَلا اُقْسِمُ بالشَّفَقِ وَ اللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ وَالقَمَرِ اِذا تَّسَقَ ان قسموں کے اہتمام سے ایک طرف زمانے اور وقت کی اہمیت کا تذکرہ مقصود ہے، تو دوسری طرف ایک بڑا مقصد وقت کی قدر و قیمت پر متنبہ بھی کرنا ہے کہ وقت کو ضائع ہونے سے بچا کر اچھے اعمال اور عبادت کے خیال میں لگائے کہ یہی انسان کی تخلیق کا مقصد ہے وَمَا خَلَقْتُ الجِنَّ وَ الاِنْسَ اِلَّا لَيَعْبُدُوْن ۔ہم نے جن وانس کو اپنی معرفت وعبادت کیلئے پیدا کیا ہے

﴿نظام کیلئے وقت کی تعیین وتحدید ضروری ہے﴾

اسی لئے دستور حیات دیا گیا، طریقہ عمل بتایا گیا، اور فرائض واجبات کیلئے وقت کی تعیین وتحدید اور دوسرے اعمال صالحہ کے لئے مستحب وقت کو ذکر کیا گیا۔

﴿نماز﴾ فرض نماز کی ادائیگی کیلئے اوقات کو متعین کیا گیا، اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفِي النَّهَارَ وَزُلَفاً مِنَ اللَّيْل. اِنَّ الْحَسَنَات يُذهِبْنَ السَّيِّئَات ذَالِكَ ذِكْرىٰ لِلذّٰاكِرِيْن. (پ۱۲ سورہ ہود، آیت ۱۲۱) اور قائم کرو نماز کو دن کے دونوں

طرف اور رات کے کچھ حصوں میں، البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں بُرائیوں کو اور یہ نصیحت ہے، نصیحت ماننے والوں کیلئے۔

اس آیت میں چار نمازوں کا ذکر ہوا، فجر، عصر اور مغرب وعشاء، طَـــرَفــي النـهار سے فجر وعصر اور زُلـفـاً مِنَ اللَّيل سے جمہور مفسرین نے مغرب اور عشاء کی نماز کو بتایا ہے اور ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زُلُـفاً مِنَ اللَّيلِ سے مراد مغرب وعشاء ہیں (ابن کثیر) ظہر کی نماز اَقِـمِ الـصَّـلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمسِ اِلیٰ غَسَقِ اللَّيلِ وَقُراٰنَ الفَجرُ اِنَّ قُراٰنَ الفَجرِ كَانَ مَشهُودا .میں آیا ہے۔ جمہور صحابہ اور تابعین نے دلوک کے معنی زوال آفتاب کے لئے ہیں، جمہور ائمہ تفسیر نے اس آیت کو پانچوں نماز کے لئے جامع حکم قرار دیا ہے۔

ان پانچوں نماز کیلئے اوقات مقرر ہیں، اِنَّ الصَّلوٰةَ كَانَت عَلىٰ المؤمِنين كِتَـابــاً مَوقُوتـا .(پ۳، سورہ نساء، آیت ۱۰۳)۔ بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے مقررہ وقتوں میں، مقرر وقت ختم ہونے کے بعد نماز قضا تو ہوسکتی ہے، مگر ادا نہیں ہوسکتی۔

روزہ عاقل، بالغ، مسلمان پر فرض ہے، كُتِبَ عَلَيكُمُ الصِّيَام (تم پر روزہ فرض کیا گیا) اس کے لئے رمضان کے مہینے کو مختص کیا گیا، شَهرُ رَمَضَانَ الَّـذِىٓ اُنزِلَ فِيهِ القُراٰن.......... فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهرَ فَليَصُمهُ پھر روزہ رکھنے کا وقت بھی متعین ہے، اَتِـمُّـوا الـصِّيَـامَ اِلـىٰ اللَّيل، روزہ کو رات تک پورا کرو، ماہ رمضان گذر جائے اور روزہ نہ رکھے تو اسکی تلافی پوری زندگی روزہ رکھنے سے

بھی نہیں ہوسکتی۔

﴿زکوٰۃ﴾ : ہر مالدار صاحب نصاب پر مطلوبہ مال کی مقدار کے ساتھ، متعین مدت گذر جانے کے بعد فرض ہوجاتی ہے، جس کا ذکر قرآن نے بار بار اٰتُوا الزَّکوٰۃ کے ساتھ فرمایا ہے۔

﴿حج﴾ : زندگی میں ایک بار، مالدار صاحب استطاعت پر جوکہ بیت اللہ تک آنے جانے کی طاقت رکھتا ہو فرض ہے وَ لِلّٰہ عَلیٰ النّاس حِجُّ البَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلا۔ اس کے لئے سال کے مہینوں میں ایک مہینہ مقرر ہے۔ الحَجّ اشھرٌ مَعْلومَات، اس کے افعال واعمال کیلئے خاص تاریخیں، اوقات اور مقامات بھی متعین ہیں، ثُمَّ اَفِیْضُو من حَیْث افاض النّاس میں عرفات کا ذکر ہے، جہاں ۹/ ذی الحجہ کا وقوف فرض ہے، پھر وہاں سے لوٹ کر مزدلفہ میں قیام واجب ہے، اور اس میں واجب کی ادائیگی کیلئے وقت بھی متعین ہے، مزدلفہ میں شب گذارنے کا تذکرہ فَاِذَا افَضْتُم مِنْ عَرفاتٍ فَاذْکُرُوْاللّٰہ عِنْدَ المَشْعَرِ الْحَرَام میں ہے، (جب تم لوٹو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو مشعرِ حرام کے پاس)۔ پھر فَمَن تَعجَّل فِی یَوْمَیْنِ فَلا اِثْمَ عَلَیْہ میں قیام منیٰ کا تذکرہ ہے، جس میں اوقات متعینہ کے اندر رمی جمرات واجب ہے۔

حج کے مخصوص ایام میں اگر عرفہ کا وقوف، متعین تاریخ میں چھوٹ جائے تو حج ادا نہ ہوگا، چاہے اس کے بعد پورے سال عرفات میں پڑا رہے۔

سوچیئے! دین کے فرائض وواجبات اور اہم امور کی ادائیگی میں اسلامی مہینوں، ایام، اوقات اور تاریخ کی کس قدر اہمیت ہے اور ان سے واقف ہونا ہمارے

لئے کتنا ضروری ہے، مگر المیہ یہ ہے کہ آج ہم کو چاند کی تاریخ کا علم نہیں، اور اکثریت تو اسلامی مہینوں کے نام سے بھی واقف نہیں، جب کہ اسلامی شریعت میں حساب چاند ہی کا متعین ہے، بالخصوص ان عبادات میں جن کا تعلق کسی خاص مہینے اور ان کی تاریخوں سے ہے، جیسے رمضان، روزہ، حج کے مہینے، حج کے ایام، محرم، شب برأت وغیرہ سے جو احکام متعلق ہیں ان سب کا تعلق رویت ہلال ہی سے ہے۔

ایک مرتبہ صحابہ نے چاند کے بارے میں آپ سے سوال فرمایا، **یَسْئلونک عَنِ الاَهِلّةِ قُل هِیَ مَوَاقیت للنّاس وَ الحَج** (سورہ بقرہ آیت ۱۸۹)

چاند کے گھٹنے، بڑھنے میں کیا حکمت و مصلحت ہے، تو اس کے جواب میں فرمایا گیا، کہ آپ ان سے کہدیں کہ تمہاری مصالح جو چاند سے وابستہ ہیں، یہ ہیں کہ اس کے ذریعہ تمہیں اپنے معاملات اور معاہدوں کی میعاد مقرر کرنا ہے اور حج کے ایام معلوم کرنا ہے اسی مضمون کو سورہ یونس میں اس طرح بیان کیا گیا، **هُوَ الَّذِیْ جَعَل الشَّمْسَ ضِیَاءً وَ القَمَرَ نوراً وقدَّرَهٗ مَنَازل لِتَعْلَمُوا عَدد السِّنِیْن والحساب۔**

جس سے معلوم ہوا کہ چاند کو مختلف منزلوں اور مختلف حالات سے گذارنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے سال، مہینے اور تاریخوں کا حساب معلوم ہو سکے۔

اب اگر ہمیں اسلامی مہینے اور تاریخ کا بھی علم نہیں، تو یہ شرعی حیثیت کے علاوہ قومی غیرت اور ملی حمیت کا بھی دیوالیہ پن ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی روزمرہ کی ضروریات میں اسلامی تاریخوں کا استعمال کریں، اس میں فرض کفایہ کی ادائیگی کا ثواب بھی ہوگا اور اپنا قومی شعار بھی محفوظ رہے گا۔ (مستفاد معارف القرآن)

بتائیے! جس کوقمری مہینے اور تاریخ کا علم نہ ہووہ دین کا فریضہ کیونکرادا کر سکے گا، جس کووقت کے مناسب عمل کی اہمیت معلوم نہ ہووہ آخرت کا سودائی کیسے بن سکے گا، جس کو یہ معلوم نہ ہو کہ نَوْمُ الصُّبْحَةِ یَمْنَعُ الرِّزق (رواہ البیہقی واحمد عن عثمان) ضعیف جدا۔

صبح تک سوتے رہنا رزق سے محرومی کا سبب ہے، وہ دن نکلنے سے پہلے نرم وگرم بستر کو کیوں چھوڑے گا، جس کو یہ نہ معلوم ہو کہ صبح کے کاموں کے لئے حضور ﷺ نے برکت کی دعا کی ہے اَللّٰھُمَّ بَارِک لامّتِی فِی بکورھَا. (ابن ماجہ عن صخر الغامدی)

تو وہ دین ودنیا کی منفعت کیلئے صبح سویرے اٹھ کر کام کرنے کی کوشش کیوں کرے گا۔

﴿روزی کی تقسیم﴾

جو یہ جانتا ہو کہ طلوع فجر سے لے کر، طلوع شمس تک اللہ رب العزت اپنے بندوں کو روزی تقسیم کرتے ہیں، تو اس وقت وہ غفلت میں کیوں پڑا رہے گا، حضور پاک ﷺ نے گوشۂ جگر حضرت فاطمہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، یَا بُنَیَّة قُومِی: فاشھدی رِزق رَبِّک وَ لا تَکُونِی مِنَ الغافِلِین . فَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وجَلّ یُقَسِّمُ اَرْزَاقَ النّاسِ مَابَیْنَ طلوعِ الفجر الیٰ طلوع الشمس.

(رواہ البیہقی وابن ماجہ عن علی) بیہقی نے شعب الایمان ج:۴، ص:۱۸۱ میں اس کی سند کو ضعیف کہا ہے، اور البانی نے السلسلۃ الضعیفہ ص:۵۱۷۰ میں اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔

بیٹی اٹھو! اپنے رب کے رزق کی تقسیم کے وقت حاضر رہو، اور غافلین میں

سے مت ہو جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ طلوعِ فجر سے طلوع شمس کے درمیان لوگوں کا رزق تقسیم کرتے ہیں۔

جس کو رات کی تنہائی میں مناجات باری اور آہِ سحر گاہی کی حلاوت مل گئی ہو، وہ اپنی میٹھی نیند کو قربان کیوں نہ کر دیگا۔ اور جو رب کے اس فرمان فتهجد به نافلة لک کی حقیقت سے واقف ہوگا، وہ شب بیداری کو اپنا وظیفہ کیوں نہ بنائے گا۔ اور جو دل بھی سحر خیزی کی لذت سے آشنا ہو جائے، وہ ہنگامۂ دوش و فردا سے بے نیاز کیوں نہ ہو جائے گا۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

حضرت جنید بغدادیؒ

حضرت جنید بغدادیؒ (متوفی ۲۹۸) کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو جمعہ کا دن تھا اور آپ تلاوت میں مشغول تھے۔

امام ابو محمد الحریری فرماتے ہیں: میں نے کہا، اے ابو القاسم! آپ اپنی جان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیجئے، حضرت جنید بغدادی نے فرمایا، اے ابو محمد: کیا اس وقت کوئی ایسا شخص بھی ہو سکتا ہے، جو مجھ سے زیادہ اس عبادت کا مستحق ہو، دیکھو وہ میرا نامہ اعمال لپیٹا جا رہا ہے۔

جعفر خُلدی کہتے ہیں کہ وفات کے بعد میں نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا، اللہ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ کیا، حضرت جنیدؒ نے جواب دیا طاحت

تلک الاشارات وَغَابَتْ تلک العبارات وَفَنِيَتْ تلک العُلوم وَنَفِدَت تـلکُ الـرّسـوم وَمَـانـفعَنَا الا رکعاتٍ نَرْکعُهَا بِا لاسْحارِ. (تاریخ بغداد للخطیب ج ۷: ص ۲۴۸)

ترجمہ: وہ اشارے ختم ہوگئے، وہ عبارتیں غائب ہوگئیں، وہ علوم فنا ہوگئے وہ نقوش مٹ گئے، اور ہمیں کچھ بھی کام نہ آئے، سوائے ان چند رکعتوں کے جنھیں اوقاتِ سحر گاہی میں ہم پڑھ لیا کرتے تھے۔اور

وہ سحر، جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود

اس سحر خیزی اور دعائے نیم شبی کو دیکھ کر بقول اقبال فرشتے بھی بول اٹھے

گراں بہا ہے ترا گریۂ سحر گاہی
اسی سے ہے، ترے نخلِ کہن کی شادابی

خالقِ ارض وسمٰوات نے زمانے، مہینے، ایام، اوقات، شہر ومقامات کی قسمیں کھا کر، ان کی عظمت واہمیت کومختلف اسلوب وانداز میں بار بار اسی لئے بیان فرمایا ہے، تاکہ انسان یہ جان سکے، کہ کس عبادت کا ثواب، کب، کہاں، کس مہینے اور کس وقت زیادہ ہوجاتا ہے، اور کون سا عمل، کس وقت اللہ کو زیادہ محبوب ہے، اور کس مقام پر کس عمل کی زیادہ اہمیت ہے، اور کن کن ایام اور کون کون سی شب وساعت میں، کون سے اعمال قربِ الٰہی کا ذریعہ ہیں، یہ سب ہدایات اسی لئے ہیں کہ دنیا ہی عمل کا میدان ہے، دارالعمل یہی دنیائے فانی ہے، اور فانی زندگی پر آخرت کی دائمی زندگی کی کامیابی وناکامی اور لازوال نعمتوں کا حصول موقوف ہے، اس لئے بار بار قسم کھا کر

انسان کو متنبہ کیا گیا، تا کہ وہ رنگ و نور سے معمور وسیع کائنات اور دنیا کی ہزاروں خواہشات سے دامن بچا کر، اپنے رب کو راضی کرنے کی فکر سے اپنے دل کی بستی کو شاد و آباد کر لے، کیونکہ یہی اس کی زندگی کا اولین مقصد ہے۔

اگر غفلت میں پڑ کر آخرت کی فکر نہ کر سکا، اور حسنِ اعمال سے اپنی زندگی کو سنوار نہ سکا، تو اس دنیا سے کیا لے کر جائیگا، سوچئے کہ ابھی سوچنے کا وقت ہے، ورنہ جب نبض ہستی رک جائے گی، آنکھیں بند ہو جائیں گی، اور زبان پر حشر تک کیلئے مہر سکوت لگ جائے گی، اس وقت سوچنے کی مہلت بھی ختم ہو چکی ہوگی۔

حکم آیا خموشی کا تو پھر حشر تلک چُپ
ہیبت ترے پیغام کی ظاہر ہے اَجل سے

اس کے بعد تو عالمِ حشر ہوگا، جہاں ایمان و عمل کی بنیاد پر جزاء و سزا کا فیصلہ ہوگا۔

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل اگر کوئی عمل دفتر میں ہے

اس وقت مجرمین حسرت کے ساتھ کہیں گے کہ اے خدا ہم کو لوٹا دے تا کہ ہم نیک عمل کر کے آئیں۔ وَلَوْ تَرىٰ اِذالْمُجْرِمونَ نَاكِسُوا رؤسَهُمْ عِنْدَ رَبّهِمْ رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارجِعْنَا نَعْمَل صَالِحاً انامو قنون.(سورہ سجدہ پ۲۱: آیت۱۲)

ترجمہ: اور اگر تو دیکھے جب مجرمین اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے (کہہ رہے) ہوں گے، اے ہمارے رب، ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، اب تو ہم کو لوٹا دے تا کہ ہم کریں بھلے کام، ہم کو یقین آ گیا۔

اور جس وقت وہ جہنم کا ہولناک منظر دیکھیں گے، اس وقت بھی حسرت سے یہی کہیں گے وَلَوْ تَرىٰ اِذْ وُقِفُوا عَلىٰ النّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنا نُرَدُّ وَلاَ نُكَذِّب باٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنُ مِنَ المؤمِنِيْن (سورہ انعام پ ۷: آیت ۲۷)

اور اگر تو دیکھے جس وقت وہ دوزخ پر کھڑے کئے جائیں گے، تو کہیں گے کاش ہم کو پھر بھیج دیا جاتا، تو ہم نہ جھٹلاتے اپنے رب کی آیتوں کو اور ہم ہوجاتے ایمان والوں میں۔

کافر تو ایمان اور نیک عمل سے محرومی پر افسوس کرے گا۔ اور جنتی، جنت میں پہونچ کر، ان لمحوں اور ساعتوں پر افسوس کرے گا، جو اس کی زندگی میں بغیر ذکر و عبادت کے گذر گئے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا لَيْسَ يَتَحَسَّرُ اَهْلُ الجَنَّةِ الاعَلىٰ سَاعَاتٍ مرّت بِهِمْ لَمْ يذكروا فيها (اخرجه ابن السّنى فى عَمَل اليَومِ واللّيْلَةِ والطبرانى فى الكبير وَ البيهقى فى الشعب)

اہل جنت نہیں افسوس کریں گے، مگر ان گھڑیوں پر جو ان کی زندگی میں بغیر ذکر الٰہی کے گذر گئے۔

خوف الٰہی اور وقت کی قدر

آخرت کی فکر اور خدا کا خوف جن کی زندگی کا روگ بن جائے، ان کے نزدیک ''وقت'' ہر چیز سے گراں مایہ ہوجاتا ہے، وہی لوگ اپنے رب کی خوبیوں اور اس کی پاک ذات کو یاد کرنے میں ہمہ وقت لگے رہتے ہیں، ان کے عمل کا حال یہ ہوتا

ہے تَتَجَافٰی جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَطَمَعاً وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُوْن. (پ۲۱،سجدہ،آیت۱۶)

ترجمہ: جدا رہتی ہیں ان کی کروٹیں، اپنے سونے کی جگہ سے، پکارتے ہیں اپنے رَبّ کو ڈر سے اور لالچ سے اور ہمارے دئے ہوئے میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں، اور ان ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے، کانوا قَلِيْلاً مِنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْن. وَ بالاَسْحارِ هُمْ يَسْتغفِرون، (پ۲۶،ذاریات،آیت ۱۷،۱۸)

ترجمہ: وہ رات کو تھوڑا سوتے تھے، اور صبح کے وقتوں میں استغفار کرتے تھے۔

یہ صفات ہیں، مومن پرہیز گاروں کی، جن کا دل خوفِ خدا سے لرزاں وترساں رہتا ہے، وہ رات کو جاگ کر عبادت کی مشقت اٹھاتے ہیں اور بہت کم سوتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید اسلمؒ فرماتے ہیں کہ بنی تمیم کے ایک شخص نے میرے والد سے کہا کہ اے ابو اُسامہ! ہم اپنے اندر وہ صفات نہیں پاتے، جو اللہ تعالیٰ نے متقین کے لئے ذکر فرمائی ہیں، کانوا قَلِيْلاً مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْن، کیونکہ ہمارا حال تو یہ ہے، قَلِيْلا مِنَ اللَّيْلِ مَا نقوم، یعنی رات میں بہت کم جاگتے اور عبادت کرتے ہیں۔

میرے والد نے اس کے جواب میں فرمایا، طُوْبیٰ لِمَنْ رَقَدَ اِذا نَعِسَ واتَّقیٰ اللّٰهَ اِذا استَيْقَظَ (ابن کثیر)۔

بشارت ہے اس شخص کیلئے جس کو نیند آئے، تو سو جائے، مگر جب بیدار ہو تو تقویٰ اختیار کرے، یعنی خلاف شرع کوئی کام نہ کرے، گویا وہ شخص بھی قابلِ مبارک

باد ہے، جو نیند سے مجبور ہوکر زیادہ نہ جاگ سکے، مگر بیداری میں گناہ اور معصیت سے دور رہے۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے، اور میں حاضر خدمت ہوا، میں نے آپ کے چہرے کو غور سے دیکھا تو میں نے جان لیا کہ یہ ہرگز کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے، اس وقت آپ کے وہ مبارک کلمات جو سب سے پہلے میرے کانوں میں پڑے وہ یہ تھے۔

یَا یُّھَا النَّاسُ اَفشُوْ السّلَامَ وَاطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الاَرحَامَ وَصَلُّوا بِاللَّیْلِ وَ النَّاسُ نَیام، تَدْخُلُوْا الجَنَّةَ بِسَلام . (مشکوۃ:ص۱۰۸)۔

اے لوگو! ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کیا کرو، (اللہ کی رضا جوئی کیلئے) لوگوں کو کھانا کھلایا کرو، رشتہ داروں سے صلہ رحمی کیا کرو، اور رات میں اس وقت نماز پڑھا کرو، جب لوگ سور ہے ہوں، یادرکھو، ان امور پر عمل کر کے تم حفاظت وسلامتی کیساتھ بغیر کسی رکاوٹ کے جنت میں پہونچ جاؤ گے۔

حدیث میں مذکورہ امور کی احادیث کے ذریعہ قدرے وضاحت۔

سلام اور اس کی فضیلت

دنیا کی تمام متمدن قوموں میں ملاقات کے وقت پیار ومحبت بھرے الفاظ کہنے کا رواج رہا ہے، اور آج بھی ہے، عربوں میں حیَّاکَ اللّٰہ، اللہ آپ کو زندہ رکھے، اَنْعِمْ صَبَاحاً، تمہاری صبح خوشگوار ہو، اَنْعَمَ اللّٰہُ بِکَ عَیْناً، خدا آپ کی آنکھوں کو

ٹھنڈک نصیب کرے، لیکن جب جہالت کی تاریکی کافور ہوئی اور اسلام کی روشنی پھیلی تو صحابیٔ رسول اللہ ﷺ عمران حُصینؓ کے بقول ہمیں اس کی ممانعت کردی گئی، اور ملاقات کے وقت السَّلامُ علَیکم کہنے کی تعلیم دی گئی۔

السّلامُ عَلَیکم نہایت جامع دعائیہ کلمہ ہے، اللہ آپ کو ہر طرح کی سلامتی نصیب فرمائے، چھوٹوں کیلئے شفقت بھرا کلمہ ہے اور بڑوں کیلئے اس میں تعظیم واکرام ہے، اس کلمہ میں محبت کی مٹھاس بھی ہے اور سلامتی کی دعاء بھی، پیار کا رس بھی ہے، اور خیراندیشی کا جذبہ بھی۔ تعلق واعتماد کا اظہار بھی ہے، اور خیر سگالی کا اعلانیہ بھی، اسماء الٰہیہ میں سے بھی ہے، اور اسلام کا شعار بھی، کس قدر خوبیوں کا مجموعہ ہے السلام علیکم کے دو بول۔

ابن عربی نے احکام القرآن میں امام بن عُیینہ کا یہ قول نقل کیا ہے، اَتَدْرِی مَا السّلام؟ یقولُ اَنْتَ اٰمِنٌ مِنّی، یعنی تم جانتے ہو کہ سلام کیا چیر ہے؟ سلام کرنے والا کہتا ہے کہ تم مجھ سے مامون ہو۔

اس لئے ملاقات کے وقت السلام علیکم کہنے کی صرف تعلیم ہی نہیں، بلکہ تاکید کے ساتھ اس کا حکم بھی ہے، چنانچہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے، قال رَسُول اللّٰہِ صَلی اللّٰہ عَلیہ وَسَلَّم اُعْبُد واالرّحمٰن وَ اطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاَفشُوا السَّلام، تَد خُلُوا لجنَّۃ بِسلام. (ترمذی شریف)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا. اللہ کی عبادت کرو، اور بندگانِ خدا کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو خوب پھیلاؤ، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں پہونچ جاؤ گے۔

جنت میں جانے کیلئے ایمان کا ہونا ضروری ہے، اور جس ایمان پر جنت کی بشارت ہے وہ صرف عقیدہ کا نام نہیں، بلکہ ایک وسیع حقیقت پر مشتمل ہے، جس میں اہل ایمان کے درمیان باہمی اُخوت ومحبت کا ہونا بھی ایک لازمی شرط ہے، اور وہ عمل جس سے آپس میں محبت ومودت پیدا ہوجائے وہ سلام کی کثرت ہے، یادرکھیں کہ اس کثرت میں خلوص بھی شامل ہو کیونکہ ہر عمل کی روح اخلاص ہے اور اخلاص کے بغیر کوئی بھی عمل مقبول اور موٴثر نہیں ہوتا ہے۔

حضور پاک ﷺ نے محبت کے اس فلسفہ کو شفقت بھرے انداز میں اس طرح بیان فرمایا۔

عن ابی هریرة قال قال رَسُول اللّٰه صلی الله علیه وسلم لاَ تَدْخُلوالجَنَّةَ حَتّیٰ تُؤ مِنُوا وَلا تُؤ مِنُوا حَتّٰی تَحابُّوا اَوَلا اَدُلُّکم عَلیٰ شئيٍ اِذا فَعَلْتُموهُ تَحابَبْتُمْ، اَفشوا السَّلامَ بَیْنَکُمْ (مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہوجائے، تو کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتادوں کہ جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت پیدا ہوجائے (وہ یہ ہے کہ) آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے اَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُول اللّٰه صَلّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم اَیُّ الاسْلامِ خَیْرٌ ؟ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتُقْرِئُ السَّلامَ عَلیٰ مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تعرِفْ (بخاری ومسلم)

ایک شخص نے حضور پاک ﷺ سے پوچھا، اسلام میں کون سا عمل اچھا ہے آپ ﷺ نے فرمایا، تم اللہ کے بندوں کو کھانا کھلاؤ اور ہر اس شخص کو سلام کرو، جس کو تم پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔

﴿سلام کی اہمیت﴾

سلام کی اہمیت کیا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر کے اس عمل میں دیکھئے امام مالک نے ابی ابن کعب کے صاحبزادے حضرت طفیل کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں عبداللہ بن عمر کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ہمیں ساتھ لے کر بازار جاتے، جس دوکاندار یا فقیر و مسکین کے پاس سے گذرتے، اس کو بس سلام کرتے، ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو معمول کے مطابق مجھے ساتھ لے کر بازار جانے لگے، میں نے کہا، آپ بازار جا کر کیا کریں گے، نہ تو آپ کسی دکان پر کھڑے ہوتے ہیں نہ کسی چیز کا سودا کرتے ہیں، نہ ہی بھاؤ معلوم کرتے ہیں، اور نہ ہی بازار کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں۔

یہیں بیٹھیے، باتیں ہوں اور ہم استفادہ کریں، حضرت ابن عمر نے فرمایا، ہم تو اس نیت سے بازار جاتے ہیں کہ جو ملے، اسکو سلام کریں اور ہر سلام پر کم ازکم دس نیکیاں کمائیں، اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور بندگانِ خدا کے جوابی سلاموں کی برکتیں حاصل کریں۔

○○○

﴿سلام کا اجراوراس کا فائدہ﴾

حضرت عمران بن حُصَین سے روایت ہے اَنَّ رَجُلاً جَاءَ اِلیٰ النَّبِیّ صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فَقَالَ السَّلامُ عَلَیْکُم فرَدَّ عَلَیہِ ثمّ جَلَسَ فقَال النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ عَشرٌ ثمَّ جَاءَ اٰخرُ فَقَالَ السَّلامُ عَلَیْکُم وَرَحْمَۃ اللّٰہِ فَرَدَّ عَلَیْہِ فَجلَسَ فقَالَ عِشْرُوْنَ ، ثمَّ جَاءَ اٰخرُ فقَال السَّلامُ عَلَیْکُم وَرَحْمَۃ اللّٰہِ وبر کاتُہ فَرَدَّ عَلَیْہِ فَجَلَسَ فَقَالَ ثَلاثوْنَ۔ (ترمذی وابوداؤد)

ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا، " السّـــــلام علیکم " آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ بیٹھ گیا، تو آپ نے فرمایا، عَشَــرٌ دس یعنی اس کے لئے دس نیکیاں لکھی گئیں، پھر دوسرا آدمی آیا اور کہا السَّــلامُ علیکم ورحمۃ اللّٰہ آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا، وہ بھی بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ عِشــروْن بیس (یعنی اس کے لئے بیس نیکیاں لکھی گئیں) پھر تیسرا شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبر کاتہ، آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا، وہ بھی بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا ثلاثون تیس، یعنی اس کے لئے تیس نیکیاں لکھی گئیں۔

اسی حساب سے سلام کا جواب دینے والا بھی اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے، ارشاد باری ہے وَاِذا حُیِّیْتُـمْ بِتَحِیّۃٍ فَحَیّو ابِاَحْسَنَ مِنْھَا اَوْرُدّوْھَا (پ۵،نساء، آیت ۸٦).

جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس کا جواب اس سے بہتر الفاظ میں دو یا کم سے کم وہی الفاظ کہدو۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ کے پاس ایک صاحب آئے اور کہا السَّلامُ عَلَیْکَ یَارسُوْل اللّٰہِ آپ نے جواب میں ایک کلمہ بڑھا کر فرمایا وعلَیْکُم السّلام ورحمة اللّٰہ، پھر ایک صاحب آئے، اورانہوں نے ان الفاظ کے ساتھ سلام کیا السلام علیک یارسول اللّٰہ ورحمة اللّٰہ، آپ نے جواب میں فرمایا وعلیکم السّلام ورحمة اللّٰہ وبرکاته، پھر ایک صاحب آئے، انہوں نے سلام کیا السلام علیک یا رَسُول اللّٰہ وَرَحمَةُ اللّٰہ وَبَرُکاته، آپ ﷺ نے جواب میں صرف وَعَلیْکَ فرمایا۔

ان کے دل میں شکایت پیدا ہوئی، اور عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، پہلے جو لوگ آئے، آپ نے ان کے جواب میں کئی کلمات دعاء کے ارشاد فرمائے، اور میں نے ان سب الفاظ سے سلام کیا تو آپ نے وعلیک پر اکتفاء فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تم نے ہمارے لئے کوئی کلمہ چھوڑا ہی نہیں کہ ہم جواب میں اضافہ کرتے۔ (ابن جریر وابن ابی حاکم)

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ مذکورہ تینوں کلموں سے زیادہ کرنے والے کو یہ کہہ کر روک دیا، اِنَّ السَّلام قَدْ انتھیٰ اِلی البرکۃِ۔ (مظہری عن البغوی)

یعنی سلام لفظ برکت پر ختم ہوجاتا ہے، اس سے زیادہ مسنون نہیں ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اِنَّ اَوْلٰی النّاس باللّٰہِ مَنْ بَدَأَ بالسّلامِ۔ (مسند احمد)

لوگوں میں اللہ سے زیادہ قریب وہ بندہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے، سلام میں پہل کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اس بندے کے دل میں تکبر نہیں ہے،

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بن مَسْعُود عَنِ النَّبِیّ صَلّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم قَالَ البَادِئُ بالسّلامِ بَرِئٌ مِنَ الکِبَرِ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بڑا بخیل ہے وہ آدمی جو سلام میں بخل کرے۔ (طبرانی و معجم کبیر، بحوالہ معارف القرآن ج۲:ص۵۰۲)

﴿ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق﴾

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر سب سے پہلا حق یہ ہے کہ جب ملاقات ہو تو سلام کرے حضرت ابو ہریرہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، قَالَ اِذا لَقِیَ اَحَدُ کُمْ اَخاہُ فَلْیُسَلّمْ عَلَیْہِ فَاِنْ حالَت بَینھُمَا شَجرۃٌ اَوْجِدَارٌ اَوْ حَجرٌ ثمَّ لَقِیَہُ فَلْیُسَلّمْ عَلَیْہِ. (ابوداؤد شریف)

فرمایا آپ ﷺ نے جب تم میں سے کسی کی اپنے بھائی سے ملاقات ہو تو چاہئے کہ اس کو سلام کرے، پھر اس کے بعد اگر دونوں کے درمیان کوئی درخت یا

کوئی دیوار یا کوئی پتھر حائل ہو جائے، پھر اس کے بعد ملاقات ہو تو پھر سلام کرے۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سلام کی کتنی اہمیت ہے، اسی اہمیت کے پیشِ نظر تو یہ حکم دیا جارہا ہے کہ جب کسی مجلس میں آنا جانا ہو تو سلام کیا کرو۔

عَنْ اَنسٍ اَنّ رَسُولَ اللّٰہ صَلّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ قَالَ یَا بُنَیَّ اِذا دخَلْتَ عَلیٰ اَھْلِکَ فَسَلِّمْ یَکُوْنُ بَرکَۃً عَلَیْکَ وَعَلیٰ اَھْلِ بَیْتِکَ

(ترمذی شریف)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے بیٹے! جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو سلام کرو، یہ تمہارے لئے بھی باعثِ برکت ہے اور تمہارے گھر والوں کے لئے بھی۔

اسی مضمون پر مشتمل حضرت قتادہ (تابعی) سے (مرسلاً) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب تم کسی کے گھر میں جاؤ تو گھر والوں کو سلام کرو اور پھر جب گھر سے نکلو تو وداعی سلام کرو۔ (بیہقی، شعب الایمان)

حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں پہونچے تو چاہئے کہ سلام کرے، پھر اگر بیٹھنا مناسب سمجھے تو بیٹھ جائے، پھر جب جانے لگے تو پھر سلام کرے کہ پہلا سلام بعد والے سلام سے مرتبہ میں بڑھا ہوا نہیں ہے (ترمذی شریف)

○○○

﴿سلام کے کچھ احکام وآداب﴾

ملاقات کے وقت سلام کرنا مسنون ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہے، مگر اس کے کچھ احکام و آداب بھی ہیں، اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے تو سلام نہیں کرنا چاہئے اور کسی نے سلام کرلیا تو جواب دینا واجب نہیں بلکہ مفسدِ صلوٰۃ ہے، اسی طرح خطبہ دینے والے کو، تلاوت کرنے والے کو، اذان واقامت کہنے والے کو، دینی کتابوں کا درس دینے والے کو، یا قضاء حاجت میں مشغول رہنے والے کو، سلام کرنا بھی جائز نہیں، نہ ہی اس کا جواب دینا واجب ہے۔ (ملخصاً، معارف القرآن ج۲:ص۵۰۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، **اَنَّ رَجُلاً سَلَّمَ عَلٰی النَّبِيِّ صَلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم وَھُوَ یَبُوْلُ فَلَم یَرُدَّ عَلَیہِ النَّبِیُّ السَّلامُ** (ترمذی شریف)

ایک شخص نے نبی ﷺ کو اس حالت میں سلام کیا جب آپ ﷺ پیشاب کیلئے بیٹھے تھے، تو آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

اسی طرح اگر سونے والوں کے درمیان سے گذرو، تو آہستہ سے سلام کرو، تاکہ سونے والے کی نیند میں خلل واقع نہ ہو اور جو جاگ رہا ہے وہ سن لے۔

عَنْ مِقْداد بن الاَسْوَد فِیْ حَدیْثٍ طویلٍ فَیَجیٔ رَسُوْلُ اللّٰہ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّیْل فَیُسَلِّم تَسْلِیْماً لا یُوقِظُ النّائِمَ وِیُسْمِعُ الْیقْظَان.

حضرت مقداد بن اسودؓ ایک طویل حدیث کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ رات کو اصحاب صفہ کے پاس تشریف لاتے تو اس طرح آہستہ اور احتیاط سے سلام کرتے کہ سونے والے نہ جاگتے اور جاگنے والے سن لیتے، اسی طرح سلام کے متعلق آپ نے یہ بھی فرمایا، کہ چھوٹا، بڑے کو سلام کیا کرے، چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے، اور تھوڑے لوگوں کی جماعت، بڑی جماعت کو سلام کرے۔ (بخاری شریف)

اسی طرح سوار آدمی پیدل چلنے والے کو سلام کرے، اسی طرح حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ سے مرفوعاً روایت ہے۔ قَالَ يُجزِئُ عَنِ الجماعَةِ اِذا مَرُّوا اَن يُسَلِّمَ اَحَدُهُمْ وَيُجْزِئُ عَنِ الجُلوسِ اَنْ يَّرُدَّ اَحَدُهُمْ. (بیہقی،شعب الایمان)

فرمایا گذرنے والی جماعت میں سے اگر کوئی ایک سلام کرلے، تو پوری جماعت کی طرف سے کافی ہے، اور بیٹھے ہوئے لوگوں میں ایک جواب دیدے تو سب کی طرف سے کافی ہے۔

﴿سلام کے بعد مصافحہ﴾

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ قَالَ مِنْ تَمَامِ التَحيَّةِ الاَخْذُ بِاليَدِ. (ترمذی وابوداؤد)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! سلام کا تکملہ مصافحہ ہے، اور اس مصافحہ پر اجر وثواب کیا ملتا ہے سنئے! حضرت براء بن عازب سے: عَنِ البَراء بن عَازِبٍ قال: قال النبيّ صلى الله عليه وسلم اِذا اُلتَقَىٰ المُسلِمَانِ فتصافَحا وَحَمِد الله وَاستَغفِرَاهُ غُفِرَ لَهُمَ (ابوداؤد)

فرمایا نبی ﷺ نے جب دو مسلمان آپس میں ملیں اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ کی حمد اور اپنے لئے مغفرت طلب کریں، تو ان کی مغفرت ہو ہی جائے گی۔

﴿صدقہ کی اہمیت﴾

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان کیلئے (خواہ امیر ہو یا غریب) صدقہ لازم ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ اگر کسی آدمی کے پاس صدقہ کرنے کیلئے کچھ نہ ہو تو وہ کیا کرے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کمائے، پھر اس سے وہ خود بھی فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی کرے، لوگوں نے عرض کیا، اگر وہ یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا کسی پریشان حال، ضرورت مند کی مدد ہی کر دے، لوگوں نے کہا اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے، تو آپ نے فرمایا وہ بھلائی اور نیکی کیلئے لوگوں سے کہے، لوگوں نے عرض کیا، اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے، تو آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو شر سے روکے، کہ یہ بھی اس کے لئے صدقہ ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرمایا: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قال اللّٰہُ تعالیٰ اَنْفِقْ یا بْنَ اٰدَمَ اُنْفِقْ عَلَیْکَ. (بخاری ومسلم)

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، اے آدم کے فرزند تو خرچ کیا کر، میں اپنے خزانے سے تجھ کو دیتا رہوں گا۔

حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا اَنْفِقِیْ وَلَا

تُحصِیُ ، فیُحصِی اللّٰهُ عَلَیکِ وَلَا تُوعِیُ فیُوعِیُ اللّٰهُ عَلَیکِ، اِرُضَخِیُ مَا استَطَعُتِ. (بخاری ومسلم)

تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتی رہو اور گنو مت، تو وہ بھی تمہیں بے شمار دے گا، اور تم جوڑ جوڑ کر بند کر کے نہ رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ یہی معاملہ کریگا، لہٰذا تھوڑا بہت جو کچھ ہو سکے، فراخ دلی سے خرچ کرتی رہو۔

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے یـابُـنَ اٰدَمَ اَنُ تَبـذُلَ الـخَیـرَ خَیـرٌ لَکَ وَاَنُ تـمسِـکَهُ شَرٌّ لَکَ وَلَا تُلَامُ عَلیٰ کَفَافٍ وَابُدَءُ بِمَنُ تعُوُلُ. (مسلم شریف)

اے آدم کے بیٹے! اللہ کی دی ہوئی دولت کو راہ خدا میں خرچ کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور اس کا روکنا تمہارے حق میں بُرا ہے، اور گذارے کے بقدر رکھنے پر کوئی ملامت نہیں ہے، اور سب سے پہلے ان پر خرچ کرو جن کی تم پر ذمہ داری ہے۔

﴿جو خرچ ہو گیا وہی باقی ہے﴾

عَـنُ عَائِشَةَ انَّهُمُ ذَبَحُوا شَاةً فَقَالَ النَّبِی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّم مَا بَقِیَ مِـنُهَـا ؟ قَـالَتُ مَا بَقِیَ مِنُها الا کَتفُهَا ، بَقِیَ مِنهَا غَیُرُ کَتفِهَا : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے ایک بکری ذبح کی، آپ ﷺ تشریف لائے اور دریافت فرمایا، کہ بکری میں سے کیا باقی رہا؟ کہا، صرف اس کا ایک دست باقی رہا، آپ ﷺ نے فرمایا اس دست کے علاوہ جو تقسیم کر دیا گیا، دراصل وہی باقی اور کام آنیوالا ہے۔

﴿صدقہ کے خواص﴾

عَنْ اَنَسٍ قَالَ ، قَال رَسُوْل اللّٰهِ صَلّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّدَقَة لَتُطْفِیءُ غَضَبَ الرَّب وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ (ترمذی شریف)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ اللہ کے غضب کوٹھنڈا کرتا ہے، اور بُری موت سے بچاتا ہے، (یعنی اسکا خاتمہ اچھا ہوتا ہے، یا پھر ایسی موت سے بچاتا ہے، جس کو دنیا میں بُری موت سمجھا جاتا ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، بَادرُ وابالصَّدَقَةِ فَاِنَّ البَلاءَ لا يتَخَطَّا هَا. (مشکوۃ ج۱: ص۱۶۷)

صدقہ کرنے میں جلدی کرو، اس لئے کہ مصیبت صدقہ سے آگے نہیں بڑھتی ہے، مرثد بن عبداللہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے بعض اصحاب رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا، اَنَّهُ سَمِعَ رسوَ اللّٰه صَلَّی اللّٰه عَلَيْه وَسَلَّمَ يقُولُ اِنَّ ظِلَّ المؤمِنِ يَوْمَ القَيٰمةِ صَدَقَتُه. (مسند احمد)

انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے کہ قیامت کے دن مومن پر اس کے صدقہ کا سایہ ہوگا۔

﴿صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا﴾

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مَا نَقَصَتْ

صَدَقَةٌ مِنْ مَال وَزادَ اللهُ بَعَفْوٍ اِلا عِزّاً وَمَا تَوَاضَعَ اَحُدٌ الاّ رَفَعَهُ اللّٰه.
(مسلم شریف)

صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی، اور قصور معاف کردینے سے آدمی نیچا نہیں ہوتا بلکہ اس کی عزت میں اضافہ ہوجاتا ہے اور اللہ کیلئے تواضع اختیار کرے تو اللہ اس کو سر بلندی عطا کرے گا۔

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے قَالَ اَبُوْذَرٍّ یَا نَبِیَّ اللّٰہ، اَرأَیْتَ الصَّدَقَةَ مَاھِیَ؟ قَالَ اضْعَافٌ مُضَاعَفَةٌ وَعِنْد اللّٰہِ المَزِیْدَ . (مسند احمد)

حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی! بتایئے، صدقہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چند در چند (یعنی جو مال صدقہ کیا ہے، اس کا کئی گنا ملے گا) اور اللہ کے یہاں بہت ہے، حدیث میں دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک کا ذکر ہے، مزید وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَن یَّشَاءُ. اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا، اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا، اس لئے مالدار کو چاہئے کہ فراخ دلی کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرے، اور دولت جو ایک بڑی نعمت ہے، اس کے ذریعہ دنیا اور آخرت کی عزت کا سامان کرلے، جو لوگ دولت مند ہوکر اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے وہ بڑے خسارے میں ہیں، اور مال ان کے لئے کڑی آزمائش ہے۔

حضرت ابوذر سے روایت ہے، انتھَیْتُ اِلیٰ النبیّ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ جَالِسٌ فِی ظلّ الکَعْبَةِ ، فَلَمَّا رَاٰنی قال ھُمُ الاَخْسَرُوْنَ وربّ الکَعْبَةِ فَقُلْتُ فِداک اَبِیْ وَاُمِّیْ مَنْ ھُمْ ؟ قَال ھُمُ الاَکْثَرُوْنَ

اَمْوالاً اِلاّ مَنْ قالَ هٰكذا وَ هٰكذا وَهٰكَذا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَلِيْلٌ مَاهُمْ . (بخاری و مسلم)

میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اس وقت کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا، رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں؟ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان: کون لوگ ہیں جو بڑے خسارے میں ہیں، آپ نے فرمایا وہ لوگ جو بڑے دولت مند ہیں، ان میں وہی لوگ خسارے سے محفوظ ہیں، جو اپنے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، اپنی دولت فراخی سے خرچ کرتے ہیں، مگر دولت مندوں میں ایسے لوگ کم ہیں۔

﴿اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے﴾

اپنے اہل وعیال اور اعزہ واقارب پر ثواب کی نیت سے اگر خرچ کیا جائے تو وہ بھی صدقہ ہے، بلکہ دوسرے لوگوں پر صدقہ کرنے سے زیادہ اس کا ثواب ہے، بس اس نیت سے ان کو کھلائیں، پلائیں اور پہنائیں کہ اس کا ہمیں حکم ہے، تاکہ یہ خرچ کارِ ثواب بن جائے۔

حضرت ابو مسعودؓ سے روایت ہے، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلٰى اَهْلِهٖ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةٌ (بخاری و مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب کوئی مسلمان اپنے اہل وعیال پر ثواب کی نیت

سے خرچ کرے وہ اس کے حق میں صدقہ ہوگا، اور وہ عنداللہ ثواب کا مستحق ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رَسُوْلَ اللّٰہِ ایُّ الصّدَقَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ جُهْدُ المُقِلّ وَابْدَءْ بِمَنْ تَعُوْلُ (ابوداؤد شریف)

یارسول اللہ: کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا وہ صدقہ افضل ہے، جو غریب آدمی اپنی کمائی سے کرے، اور پہلے ان پر خرچ کرے، جن کے تم ذمہ دار ہو۔

﴿مرحومین کو صدقہ کا ثواب﴾

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جَاءَ رَجُلٌ الیٰ النبیّ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلّمَ فَقَالَ اِنَّ اَبِی ماتَ وَتَرکَ مَالاً وَ لَمْ یُوصِ فَهَلْ یُکفِّرُ عَنهُ، اِنْ تَصدَّقْتُ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ (تہذیب الآثار لابن جریر) فرمایا: ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا، میرے والد کا انتقال ہوگیا ہے، اور ترکہ میں مال چھوڑا اور کوئی وصیت نہیں کی، تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں، تو کیا میرا صدقہ کرنا ان کے لئے کفارہ سیّئات بن جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں: (اللہ تعالیٰ سے اسی کی امید ہے)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ انّ سَعْد بن عُبَادَةَ تُوُفِّيَتْ اُمُّهٗ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّ اُمِّیْ تُوُفِّیَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْهَا أینفعُهَا شَیٌٔ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِهٖ عَنْهَا، قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّی اُشْهِدُکَ اَنَّ حَائِطِیْ "المِخرَافُ" صَدَقَةٌ عَلَیْهَا. (بخاری شریف)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی ماں کا انتقال ایسے وقت میں ہوا کہ وہ خود موجود نہ تھے، اور جب واپسی ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا، یا رسول اللہ! میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہوگیا، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا وہ ان کیلئے نفع بخش ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں: انہوں نے عرض کیا، میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا باغ ''مخراف'' اپنی ماں کیلئے صدقہ کردیا۔

﴿صلہ رحمی کی برکت اور قطع رحمی پر وعید﴾

اہل قرابت کے ساتھ حسنِ سلوک کی اس قدر تاکید ہے کہ جہاں قرآن میں والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے، وہیں ذوی القربیٰ، یعنی قرابت داروں کے ساتھ ان کے حقوق کی ادائیگی کی بھی وصیت ہے، صلہ رحمی کی اہمیت کیا ہے، اور قطع رحمی کتنا سنگین جرم اور کس قدر محرومی اور بدنصیبی کی بات ہے، احادیث کی روشنی میں دیکھئے۔

عَنْ اَنَسٍ قال: قال رَسُول اللّٰهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَبْسُطَ لَهُ فِي رِزْقِهٖ وَيَنْسأَلَهُ فَی اِثرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ (مشکوٰۃ ص۴۱۹، بخاری و مسلم)

جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی اور فراخی پیدا ہو اور اس کے آثار قدم تا دیر رہیں، (اس کی عمر دراز ہو) تو اُسے چاہئے کہ اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔

صلہ رحمی کے دو بڑے فائدے، دیکھئے اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی ایک باندی کو آزاد کر دیا تھا، جب نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، لَوْ اَعْطَیْتِهَا اَخْوَالَکِ کَانَ اَعْظَمُ لِاَجْرِکِ. (مشکوۃ ص:۱۷۱)
اگر تم اپنے ماموں کو دیدیتیں تو زیادہ ثواب ہوتا۔

سلیمان بن عامر سے روایت ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الصَّدَقَةُ عَلَی الْمِسْکِیْنِ صَدَقَةٌ وَهِیَ عَلٰی ذِی الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ . (مشکوۃ شریف ۱۷۱)

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کسی محتاج کی مدد کرنا صرف صدقہ ہے اور اپنے کسی عزیز وقریب کی مدد کرنا دو امروں پر مشتمل ہے، ایک صدقہ، دوسرے صلہ رحمی، اس کے برعکس جو حقوقِ قرابت کی رعایت نہیں کرتا، اس کے لئے کس قدر سخت وعیدیں ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ (مشکوۃ ۴۱۹)
جو شخص قرابت کے حقوق ادا نہیں کرتا بلکہ رشتوں کو توڑ دیتا ہے، وہ جنت میں نہیں جائے گا، دوسری روایت میں ہے، لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عَلٰی قَوْمٍ فِیْهِ قَاطِعُ رَحِمٍ (مشکوۃ ص ۴۲۰)

اس قوم پر اللہ کی رحمت نہیں اترتی، جس میں قطعِ رحمی کرنے والا موجود ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرمایا، نبی ﷺ نے، الرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ قَالَ اللہ تعالیٰ مَنْ وَصَلَکَ وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَکَ قَطَعْتُهٗ
رَحِمْ مشتق ہے رحمٰن سے (یعنی رحمت رحمٰن کی ایک شاخ ہے) اللہ تعالیٰ

نے اس سے فرمایا، جو تجھے جوڑے گا، میں اُسے جوڑوں گا، اور جو تجھے توڑے گا، میں اُسے توڑ دونگا۔

رَحِــمُ کو رحمٰن سے جو خصوصی نسبت ہے اسی وجہ سے عنداللہ اس کی اتنی اہمیت ہے کہ جو قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے گا، اللہ اس کو اپنا بنالے گا، اور جو کوئی اس رشتۂ قرابت کو کاٹ دے گا، اللہ تعالیٰ بھی اس کو اپنے سے دور کر دے گا۔

حضرت عبداللہ بن عوف سے روایت ہے: قَالَ سَمِعْتُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلّى اللّٰه عليه وسلّمَ يقول قالَ اللّٰه تبارك وتَعالىٰ اَنَا اللّٰهُ وَاَنَا الرَّحْمٰن خَلَقْتُ الرّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنْ اسْمِيْ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ (سنن ابوداؤد)

فرمایا: میں نے سنا رسول اللہ ﷺ سے، آپ فرماتے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے، کہ میں اللہ ہوں، میں الرّحمٰن ہوں، میں نے رشتۂ قرابت کو پیدا کیا، اور اپنے نام رحمٰن کے مادہ سے نکال کر، اس کو رحم کا نام دیا ہے پس جو اُسے جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا، اور جو اُسے توڑے گا میں اس کو توڑ دونگا۔

﴿قیام لیل کی فضیلت﴾

اپنے دل کی بستی کو اللہ کی یاد سے، زبان کو ذکر و مناجات سے، نفس کو قیام وقعود اور رکوع وسجود کی محنت وریاضت سے، اور اپنی ہستی کو سحر خیزی کی محبت سے انسان جب خود کو عادی بنالیتا ہے، تو اسکی برکات کا خود اُسے احساس ہونے لگتا ہے، ورنہ رات کی

پُرسکون فضا میں نرم وگرم بستر کو چھوڑ کر رب سے لَو لگا لینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اِنَّ ناشئة اللّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْأَوَّاَقْوَمُ قِیْلاً (پ۲۹، مزمل، آیت ۶)

بیشک رات کو اٹھنا نفس کیلئے بہت دباؤ والا عمل ہے، اوراس وقت بات درست (اوردل سے) نکلتی ہے۔

رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ بھی اپنے پورے لطف وکرم کے ساتھ اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے. قَالَ رَسُول اللّٰهِ صَلّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَنْزِلُ رَبُّنَا تبارک وتعالیٰ کل لَیْلَةٍاِلیٰ السَّمَاءِ الدُّنیا حِیْنَ یَبْقیٰ ثُلثُ اللَّیْلِ الاٰخِرِ یقُول مَنْ یَدْعُوْنی فاسْتَجِیْبُ لَهٗ مَنْ یَّسْأَ لُنِیْ فَاُعْطِیَهٗ ، مَن یَسْتَغْفِرُنی فَاغْفِرُ لَهٗ. (بخاری ومسلم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو جس وقت آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے، سماءِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے، کون ہے جو مجھ سے دعاء کرے اور میں اس کی دعاء کو قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اس کو عطا کروں، کون ہے جو مجھ سے بخشش چاہے اور میں اس کو بخش دوں۔

نزول الیٰ السَّماء کی حقیقت وکیفیت سے تو رب ہی واقف ہے، ایسے موقع پر اپنی جہالت کا اعتراف ہی علم ہے، یہی ائمہ سلف کا مسلک ہے، البتہ اس حدیث کا جو پیغام ہے وہ بالکل واضح ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے قَالَ رَسُوْل اللّٰهِ صَلّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

اَفضَلُ بَعد الصَّلوٰۃ المکتوبَۃِ ، الصَّلوٰۃ فی جَوفِ اللَّیلِ (مسلم شریف)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، فرض نماز کے بعد، افضل نماز ، درمیان شب کی نماز ہے۔

اس وقت اللہ تعالیٰ بندے سے زیادہ قریب ہوتا ہے، عمرو بن عبسہؓ سے روایت ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ اَقْرَبَ مَا یَکُوْنُ الرَّبُّ مِنْ العَبْدِ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ الاٰخِرِ فَاِنِ استَطَعْتَ اَنْ تکونَ یَذکُرُ اللّٰہَ فی تِلْکَ السَّاعَۃِ فکُنْ (ترمذی شریف)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ بندے سے زیادہ قریب رات کے آخری درمیانی حصے میں ہوتا ہے ، پس اگر تم سے ہو سکے کہ تم ان بندوں میں سے ہو جاؤ، جو اس مبارک وقت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں، تو تم ان میں سے ہو جاؤ۔

رات کے آخری حصہ میں قیام، تم سے پہلے صالحین کا طریقہ رہا ہے، اس لئے تم بھی اس کو لازم پکڑ لو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَمَ عَلَیکم بقیَامِ اللَّیْلِ فَاِنَّہٗ دابُ الصَّالِحِیْنَ قبلکُمْ وَھُوَ قُرْبَۃٌ لَکُمْ اِلیٰ رَبِّکُمْ وَمَکْفَرۃٌ للسَّیاٰت وَمَنْھَا ۃٌ عَنِ الاِثمِ. (ترمذی شریف)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ تم تہجد ضرور پڑھا کرو، کیونکہ وہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ اور شعار رہا ہے اور وہ قربِ الٰہی کا خاص وسیلہ ہے، اور گناہوں کے بُرے اثرات کو مٹانے اور گناہوں سے روکنے والی چیز ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے واسطہ سے جو روایت نقل کی گئی تھی ، اس میں کثرت سلام ، اطعامِ طعام ، صلہ رحمی اور صلوٰۃ لیل کا ذکر تھا ، ان کے اہتمام پر سلامتی کے ساتھ جنت میں پہونچ جانے کی بشارت ہے ، اس سے ظاہر ہے کہ ان امور کی شریعت کی نظر میں کس قدر اہمیت ہے اس لئے خیال آیا کہ ہر ایک پر مستقل عنوان کے ساتھ کچھ تفصیل پیش کردی جائے۔

تاکہ شوق ، کار خیر اور جنت کیلئے رہنما بن جائے۔اور خوف ، عمل بد اور جہنم سے بچنے کیلئے ذریعہ بن جائے۔

اور یہی دونوں یعنی شوق اور خوف انسان کی زندگی میں کامرانی کی ضمانت ہیں اور کامیابی کا مطلب ہے۔ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ. (سورہ ال عمران پارہ ۴ آیت ۱۸۵)

اور جس کو جہنم سے دور کردیا گیا ، اور جنت میں داخل کردیا گیا ، وہ کامیاب ہو گیا ، اور دنیا کی زندگی صرف دھوکہ کا سامان ہے۔

اور یہ جنت ہی دراصل مومن کا مطلوب و مقصود ہے ، اس لئے مختلف پیرائے میں ، مختلف اعمال پر جنت کی خوشخبری دی گئی ، حالانکہ جنت اس قدر بیش قیمت ہے کہ اعمال صالحہ تو اس کا بدل نہیں بن سکتے ، جنت تو فضل الٰہی اور رحمتِ خداوندی پر ملے گی ، لیکن یہ بات یاد رہے کہ فضل حق اور رحمتِ رب کا سبب اچھے اعمال ہی ہوں گے ، اسی لئے تو اللہ کے مخلص بندے ہمہ وقت یاد الٰہی میں مصروف رہتے ہیں ، اور شب کی خلوتوں میں اسی کے ذکر سے دل کی انجمن کو آباد رکھتے ہیں۔

واقف ہو، اگر لذت بیداری شب سے
اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاکِ پُر اسرار

اور جو دل بھی لذت بیداری شب سے آشنا ہو جائے، اس کو نہ دنیا کا کوئی خوف ہے اور نہ ہی اس کا کوئی غم، اگر فکر ہے تو آخرت کی، شوق ہے تو جنت کا، جذبہ ہے تو سب کچھ اللہ کی مرضی پر قربان کر دینے کا۔

قربان وہ کر دیتا ہے جنت کی بہاریں
پاتا ہے جو قسمت سے مناجات کا عالم

لوگوں کو کثرت سے سلام کرنا، مسکینوں کو کھانا کھلانا، صلہ رحمی، یعنی رشتہ داروں سے محبت رکھنا، اور شب کی تنہائیوں میں جب لوگ سو رہے ہوں، نماز پڑھنا، ان ہی لوگوں کا شیوہ ہے جن کے دل میں شوقِ جنت کی شمع روشن ہو، اور خوفِ آخرت، خانۂ دل میں مکیں ہو۔ ایسے لوگوں کی نظر ہمہ وقت دنیاوی زندگی کے خوب و ناخوب کے ہر دو پہلو پر رہتی ہے، تاکہ وہ اپنے آپ کو خُسران و نقصان سے بچا سکیں۔

دنیاوی زندگی کے دو پہلو

مادی فلسفہ کی تعبیر اور وجود زندگی کی تعمیر میں لاریب اصل سرمایہ خود انسان کی زندگی ہے، اور زندگی نہ ہو تو جنت ارضی کی تمام جاں نواز ساعتیں، دلفریب آرائشیں، اور تازگی بخش مجلسیں، سب کچھ بیکار ہیں، جسم میں جب تک جان ہے، آنکھوں میں دَم ہے، ہاتھ پاؤں میں جنبش ہے، دل کی دھڑکنیں سلامت ہیں، اور جینے کی امنگ باقی ہے، تو ساغر و مینا کی خواہش کا وجود ہے۔

زندگی اگر چمن کی شادابی اور بہاروں کی دل کشی سے، خوشگوار ہواؤں اور عطر بیز فضاؤں سے، طائران چمن کی رس گھولتی نواؤں اور آسمان پر مہ ونجوم کی شبینہ محفلوں سے شاد کام ہوتی ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دل کی دنیا کو اپنی طرف مائل کرنے والی یہ دلکش کائنات خود اپنی ذات میں حسین ہے، بلکہ حسنِ فطرت کی ان بہاروں میں خوشگوار زندگی کا راز پنہاں ہے، مَــنُ کی تازگی، اور طبع کی جولانی ان ہی کے دم سے قائم ہے، اور زندگی کو پیہم دواں، ہر دم جواں رکھنے کی یہ سب ضرورتیں ہیں، اور اگر غور کریں تو ان ضرورتوں کے پیچھے گمان آبادِ ہستی کا موہوم سراب اور کبھی نہ ختم ہونے والی تمناؤں کا لامتناہی سلسلہ، کائنات ارضی کی غیر محدود وسعتوں میں دامِ صدرنگ کی صورت میں پھیلا ہوا ہے۔

اور جب انسان تمناؤں کی اس پُرکشش دنیا میں قدم رکھتا ہے، تو ہر قدم پر خواہش وضرورت کی ایک نئی دنیا اس کو خوش آمدید کہتی ہے، اور وہ خود کو خوش قسمت اور خوش نصیب سمجھ کر حیاتِ انسانی کے اصل ایمانی فلسفہ کو بھول جاتا ہے۔

دنیا کے چند سنگ ریزوں کو جمع کرنے اور عہدۂ ومنصب کی ہوس میں اپنی تہذیب وروایات کو قربان کردیتا ہے، بلکہ اس کی نظروں سے اسلام کی عظمت کے وہ تابندہ نقوش غائب ہوجاتے ہیں، جو شاہراہ حیات پر سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں، اور رفعت وبلندی کے وہ مینار اوجھل ہوجاتے ہیں، جو بھٹکے ہوئے مسافر کے لئے قندیل ایمانی کا کام کرتے ہیں۔

اور تاریخ کے وہ درخشاں ابواب جو اسلامی تہذیب وتمدن، ایثار و ہمدردی، اقدار وروایات، اخلاق ومحبت اور عروج وارتقاء کے گواہ ہیں ان کو ہم اس لئے نظر انداز کر دیتے ہیں، کہ وہ ہماری آزاد طبیعت سے ہم آہنگ نہیں ہیں، ہم نے تو صرف مغربی تہذیب کے روشن چہرے کو دیکھا، لیکن چنگیز سے تاریک تر اندرون پر نظر نہ کی، ہم نے تو یورپ کی صنعتی، اقتصادی، علمی، سائنسی ترقی، اس کی چمک دمک، اور اس کی آب وتاب کو دیکھا، لیکن اس کی بے راہ روی، چیرہ دستی، تخرّب اور تخریب کاری پر نظر نہ کی، لالچ، موہوم خوف، یا چندروزہ ذاتی منفعت اور خود غرضی کی لعنت میں گرفتار ہو کر بے لگام تہذیب کے پیچھے چل پڑے اور اسلامی اقدار وروایات کو پس پشت ڈال کر، نئی تہذیب کو کامیابی کی ضمانت سمجھ لیا، نہ تو اسکے مضمرات کو جاننے کی کوشش کی، اور نہ ہی چشم دید حالات وواقعات سے کوئی سبق سیکھا۔

بلکہ المیہ تو یہ ہے کہ اسلامی ملکوں کا مرفہ حال، متموّل اور صاحب اقتدار طبقہ خود اس کا ہمنوا بن گیا، اور خود اپنی تہذیب وروایات کی پامالی میں اس کے ساتھ شریک ہو گیا۔

اور اس سے بھی زیادہ قابل افسوس بات یہ کہ مسلمانوں کا جدید مغربی تعلیم یافتہ طبقہ، جس کے سامنے بے حیواں تہذیب کا گوشہ گوشہ ہے، وہ بھی مادیت کی ظاہری چمک دمک اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی ترقیات اور اس کی فسوں کاری سے اس قدر متاثر ہوا کہ خود مغربی تہذیب کا مبلغ بن گیا، اور اس نے اس بدیہی حقیقت پر نظر بھی نہ کی کہ آج ترقی اور امن کے نام پر عالم انسانیت اور عالم اسلام کی تباہی وبربادی میں کون سی قوت وذہنیت کارفرما ہے، اور دہشت گردی کے عنوان پر اسلامی ملک اور ملتِ اسلامیہ

پر یورش ویلغار کیوں ہے؟ اہل اسلام اور مخالفین اسلام کے درمیان فکری، ذہنی، عقلی، اور عملی طور پر کتنا عناد وتضاد ہے؟

کیا اس بدیہی حقیقت کو بتانے کی ضرورت ہے؟ ''عیاں راچہ بیاں'' کہ مومن کیلئے قابل رشک زندگی، آخرت کی کامیابی اور اس کی دائمی زندگی کا عیش ہے۔

اور بے ایمان کی زندگی، اور اس کی تمام تر عملی کوشش کا محور، آخرت کے تصور سے بیزار صرف دنیا کی زندگی اور اس کا عیش وآرام ہے، قرآن کے آئینہ میں اس کی یہی تصویر ہے۔

يَعْلَمُونَ ظَاهِراً مِنَ الحيٰوةِ الدُّنيا وَهُمْ عَنِ الاٰخِرةِ هُمْ غٰفِلون .

(سورہ روم پ۲۱، آیت ۷)

یہ لوگ دنیاوی زندگی کے ظاہر سے تو واقف ہیں لیکن آخرت (کی زندگی) سے بے خبر ہیں۔

دنیاوی زندگی کے دو پہلو ہیں، ایک اس کا ظاہر کہ مال و دولت کس طرح کمائیں، ترقی کی بلندیوں پر کیسے پہونچیں، خلاؤں میں سفر کس طرح کریں، چاند اور ستاروں پر کمندیں کیسے ڈالیں، اور دنیا عیش وعشرت کا گہوارہ کس طرح بنے۔

دنیا کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہی دنیا آخرت کی کھیتی ہے، اور دنیا کی اسی چندروزہ زندگی پر آخرت کی عزت وراحت اور ہر قسم کی نعمت کا حصول موقوف ہے جو لوگ دنیا کے ظاہر احوال سے اس قدر واقف ہیں کہ خلاؤں کی وسعت بھی اب ان کیلئے تفریح گاہ بن گئی ہے، اور ستاروں کی گذرگاہوں پر بھی ان کی حکمرانی ہے، مگر سوچئے! تو ابھی تک

وہ اپنی زندگی اور دنیا کی حقیقت سے بھی نا آشنا ہیں، بقول علامہ اقبال:

ڈھونڈھنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم وپیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع وضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

دنیا کو اُجالوں کی سوغات بانٹنے والا، اپنی تاریک زندگی کیلئے ایک دیا بھی نہ جلا سکا، کیونکہ اس کی زندگی کا مکمل فلسفہ صرف اور صرف دنیاوی حیات اور مادی ترقی پر مشتمل تھا، اور اسی پر اس نے عمر کا ایک ایک لمحہ صرف کیا، کائنات کے سربستہ رازوں کی کھوج میں سرگرداں رہا، عروج وارتقاء کی بلندیوں کو سر کیا، سائنسی اور صنعتی انقلاب کے ذریعہ خلاؤں میں جھنڈے گاڑے، اور مشقت بھری زندگی کو جدید سھولتوں سے آراستہ کرنے میں اس طرح الجھا کہ نہ تو زندگی کے مقصد کو سمجھ سکا، نہ اس کے دل میں خدا کا خوف راہ پا سکا، اور نہ ایمان ویقین کی دولت اس کے ہاتھ آ سکی۔

چونکہ اس کی زندگی کا فلسفہ اور اس کی تحقیق وجستجو کا ہر ایک زاویہ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے منسلک تھا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کو وقت کی قدر وقیمت اور محنت ومشقت کا صلہ بھی عزت وشہرت اور دنیا کی خوشگوار زندگی کی صورت میں ملا، لیکن اس نے اس فلسفہ پر غور وفکر کرنے کی زحمت نہ کی، کہ آخر مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

جب کہ موت ایک ایسی حقیقت ہے، جس سے نہ تو انکار کی کوئی گنجائش ہے۔ اور نہ ہی کسی کو اس سے رُستگاری ہے۔ تو پھر اس دنیا کی اصل حقیقت کیا ہے؟ جس نے اس فلسفہ کو سمجھنے کی کوشش نہ کی، وہ بالآخر دنیا کی کامیاب زندگی کے باوجود ناکام ونامراد مرا۔ اور سب کچھ چھوڑ کر نا قابل تلافی نقصان وخُسران کے ساتھ اس دنیا سے چلا گیا، ایسے محروم القسمت لوگوں کی زندگی کو اگر آپ قابلِ رشک سمجھتے ہیں تو پھر قرآن کا فیصلہ سنیں۔

﴿دنیاوی زندگی کی رونقیں آزمائش کیلئے ہیں﴾

وَلا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡکَ اِلٰی مَا مَتَّعنَا بِهٖ اَزۡوَاجاً مِنۡهُمۡ زَهۡرَةَ الحَيَاةِ الدُّنيَا لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِ وَ رِزۡقُ رَبِّکَ خَيۡرٌ وَ اَبۡقٰی (سورہ طہٰ پ۱۶: آیت ۸۸)

اور ہرگز ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے، جو ہم نے کفار میں مختلف لوگوں کو فائدہ اٹھانے کیلئے دی ہیں، یہ تو صرف دنیوی زندگی کی رونقیں ہیں (اور اس لئے دی ہیں) تا کہ ہم ان کو اس میں آزمالیں اور (آخرت میں ملنے والا) آپ کے رب کا عطیہ زیادہ بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے۔

پھر قرآن نے اسی بات کو دوسرے انداز میں اس طرح بیان کیا: لَا يَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِيۡنَ کَفَرُوا فِی البِلادِ، مَتَاعٌ قَلِيۡلٌ ثُمَّ مَاوٰهُمۡ جَهَنَّمُ وَبِئۡسَ المِهَادُ، لٰکِنِ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الاَنۡهٰرُ

خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا نُزُلاً مِنۡ عِنۡدِاللّٰهِ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَیۡرٌ لِّلاَبۡرَارِ، (سورہ ال عمران پ ۴: آیت ۱۹۶)

تمہیں ان کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا، دھوکہ میں نہ ڈال دے کہ یہ تو چند دن کی بہار ہے، پھر (مرنیکے بعد) ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور بہت بُرا ٹھکانا ہے، لیکن جو لوگ مومن متقی ہیں، ان کے لئے جنتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں، بہتی ہیں، یہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہوگی، اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیکو کاروں کے لئے بہتر ہے اور پرہیز گار و نیکو کار وہی لوگ ہیں، جن کی زندگی حسن اعمال سے مزین ہو، دل محبت الٰہی سے سرشار ہو، اور خوفِ خدا ہمیشہ پیش نظر ہو، انہیں کے لئے جنت کی باغ و بہار، اور جنت کے بلند درجات ہیں، اور وہی لوگ اللہ کے یہاں مہمانی کے حق دار ہوں گے، اس اعلان کے باوجود قرآن کے فیصلہ پر عمل پیرا وہی ہوں گے، جن کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا۔

علم والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں

قرآن کہتا ہے اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰهَ مِنۡ عَبَادِهِ الۡعُلَمَاءُ اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی اس سے صحیح طور پر ڈرتے ہیں۔

عنایت اللہ مشرقی نے اپنا یہ واقعہ لکھا ہے کہ وہ لندن کی کسی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتے تھے، یہ ۱۹۰۷ء کا واقعہ ہے، سر جیمس جو برطانوی سائنسدانوں کے استاذ الاساتذہ تھے، ایک اتوار کی صبح کو انجیل بغل میں دبائے کلیسا جا رہے تھے، یہ وہ زمانہ تھا، جب مذہب کو قصۂ پارینہ سمجھ کر ایک گوشہ میں دفن کیا جا چکا تھا، مجھے حیرت ہوئی کہ اتنا بڑا سائنسداں، اس زمانہ میں مذہبی رسوم کا پابند ہے، میں نے آگے بڑھ کر

پوچھا، سر جیمس، کیا آپ جیسا عظیم المرتبت سائنسدان بھی گرجا گھر جا رہا ہے؟

انہوں نے رک کر کہا "آج شام کو چار بجے مجھے گھر پر ملنا" میں شام کو ان کے گھر گیا، چائے کی میز پر بیٹھ کر سر جیمس نے اجرام فلکی کے مہیب نظام، ان کے پیچیدہ راستوں، سرعت پرواز، حیرت انگیز لمبائی و چوڑائی اور بے پناہ وسعتوں پر ایسی تفصیلی بحث کی اور خدا کی حکمت و دانش پر اس رنگ میں روشنی ڈالی، کہ میں وجد و حیرت کی دو گونہ کیفیات میں کھو گیا، اور خود وہ بھی بے حد متاثر تھے، اس کے بعد انہوں نے کہا: کہ خشیت و ہیبت کی یہی وہ فراوانی ہے، جسے کم کرنے کیلئے میں خدا کے حضور میں حاضر ہوتا ہوں، میں جب فرش خاک پر سر رکھ کر خدا کو عظیم کہتا ہوں، تو یہ یقین کیجئے! کہ یہ آواز میرے دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہے، اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا صحیح تصور قائم کرنے کے لئے سالہا سال تک اس کے شاہکاروں اور نظام کائنات پر غور و فکر کی ضرورت ہے، ایک جاہل: خدا سے ڈرنے کی پوری صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔

میں نے کہا! سر جیمس: آپ کی یہ تقریر سن کر مجھے ایک آیت کریمہ یاد آ گئی، اجازت ہو تو پیش کروں: انہوں نے کہا ضرور پیش کیجئے، میں نے یہی آیت پیش کی،

اِنَّمَا یَخشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ العُلَمَاءُ

سر جیمس نے فرطِ حیرت سے کہا، کیا قرآن میں واقعی یہ آیت موجود ہے؟ محمد ﷺ کو یہ راز کس نے بتایا؟ یقیناً اللہ ہی نے بتایا ہوگا، ورنہ محمد ﷺ تو اَنْ پڑھ تھے، میرا نام بھی ان لوگوں میں شامل کرلو، جو قرآن کو خدا کی کتاب، اور محمد ﷺ کو اس کا فرستادہ سمجھتے ہیں، اگر، قرآن میں اور کچھ نہ ہو تو صرف یہی ایک صداقت، اس کے الہامی کتاب ثابت کرنے کیلئے کافی ہے۔

(صدق لکھنؤ ۱۲؍فروری ۱۹۵۳ء، بحوالہ پیغمبر اعظم، ترتیب جدید ص ۴۱۴)

اسلام کی اصل روح، ذاتِ حق سے عشق ومحبت، اور خوف وخشیت ہے، مومن صادق کا ہر عمل، محبت وخوف کی ملی جلی کیفیت سے ہمہ وقت سرشار رہتا ہے، ذات وصفات باری کی حقیقی معرفت، اس کا اصلی مقصود ہوتا ہے، کلام الٰہی میں فکر وتدبّر، اس کی زندگی کا وظیفہ ہوتا ہے، معلوم چیزوں سے نامعلوم حقائق کو جاننے کیلئے کوشاں رہنا اس کا شوق ہوتا ہے، وقت کی صحیح قدر اور اس سے فائدہ اٹھالینا اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔

﴿وقت، دین ودنیا کی بڑی دولت ہے﴾

امام شافعیؒ نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کررکھا تھا، رات کے پہلے حصے میں لکھتے تھے، دوسرے حصے میں نماز پڑھتے تھے، تیسرے حصے میں سوتے تھے۔

امام محمد حسن الشیبانی نے رات کو اس طرح تقسیم فرمایا، ایک حصہ آرام کیلئے، ایک حصہ نماز کیلئے اور ایک حصہ درس دینے کیلئے۔

امام ابو یوسفؒ نے وقت کی قدر اس طرح کی کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ کی مجلس میں ۱۷؍یا ۲۹؍سال اس طرح گذارے کہ ان کے ساتھ صبح کی نماز پڑھتے، ہمیشہ ساتھ رہتے، عیدالاضحیٰ کے موقع پر بھی ان سے جدا نہ ہوتے، سوائے بیماری کی حالت میں، محمد بن قُدامہ نے بیان کیا کہ میں نے شجاع بن مخلد سے سُنا، کہا میں نے ابو یوسفؒ سے سنا، کہ میرا بیٹا فوت ہوگیا، تو میں اس کی تجہیز وتکفین میں شریک نہ ہوا، بلکہ میں نے

اس کو اپنے پڑوسیوں اور رشتہ داروں پر چھوڑ دیا، اس خوف سے کہ کوئی ایسی بات امام ابو حنیفہؒ کی مجھ سے چھوٹ جائے، اور اس کی حسرت نہ جائے۔

علامہ ابن جوزیؒ نے ابن عقیل کے بارے میں لکھا کہ اللہ کے اس بندے نے ۸۰ فنون پر کتابیں لکھیں، ان کی ایک کتاب ۸۰۰ جلدوں پر مشتمل ہے۔

بقول حافظ ذہبی۔ دنیا میں اس سے بڑی کتاب نہیں لکھی گئی۔

امام غزالیؒ نے علم و تحقیق اور دعوت و اصلاح پر کم و بیش ۸۰ کتابیں تحریر کیں، جن میں صرف ایک کتاب ''یاقوت التاویل'' چالیس جلدوں میں ہے۔

مشہور فلسفی و طبیب بو علی سینا نے بیس جلدوں میں ''الحاصل والمحصول'' بیس جلدوں میں ''الانصاف'' اٹھارہ جلدوں میں ''الشّفاء، اور دس جلدوں میں ''لسان العرب'' کے علاوہ دیگر کتابیں بھی تصنیف کیں۔

فن طب میں اس کی سب سے مشہور کتاب ''القانون فی الطب'' ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے، جس کو فن طب میں انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت حاصل ہے، جو یورپ کے مختلف میڈیکل کالجوں میں پانچ سو سال تک نصاب درس میں شامل رہی، اور آج بھی مشرق میں طبی نصاب کی سب سے اہم کتاب ہونے کا اسکو شرف حاصل ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے اسلامی علوم و فنون میں سے اکثر علم و فن پر شاہکار کتابیں لکھیں۔

یہ تھی زندگی جیسے عطیہ کی قدر کہ زندگی کے ایک ایک لمحہ کا رس نچوڑ کر کس طرح انہوں نے اپنے دل کو شاد کام کیا اور بعد والوں کیلئے علمی آسودگی کے سامان مہیا کیے۔

﴿وقت کس طرح قیمتی بنتا ہے﴾

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک مرتبہ اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ کے علاقہ میں سیر کو نکلے (ایک مقام پر) انہوں نے اپنا دستر خوان بچھایا (اسی وقت) ان کے قریب سے ایک بکری چرانے والا (چرواہا) گذرا، اس نے سلام کیا، ابن عمرؓ نے اس کو کھانے کی دعوت دی، اس نے کہا میرا روزہ ہے، ابن عمرؓ نے کہا، اس قدر شدید گرمی اور لُو کے دن میں روزہ رکھ کر تو بکریاں چرا رہا ہے۔ اس نے کہا کہ زندگی کے ایام تیزی سے گذر رہے ہیں، ان کو اسی طرح قیمتی بنایا جاسکتا ہے، ابن عمر نے اس کے ورع کو جانچنے کی غرض سے اس سے کہا، کیا تم اپنی ان بکریوں میں سے ایک بکری ہم کو فروخت کر سکتے ہو، ہم اس کی قیمت بھی تم کو دیں گے، اور افطار کیلئے گوشت بھی، تو اس نے کہا یہ بکری میری نہیں ہے۔ بلکہ میرے مالک کی ہے، تو ابن عمر نے اس سے کہا جب کوئی بکری غائب ہو جائے تو تمہارا آقا کیا کرلے گا (اس بات کو سن کر) چرواہے نے اپنا رخ پھیرلیا، اور اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر بولا **فَاَیْنَ اللّٰہ:** (اللہ کہاں چلا جائے گا) چرواہے کا یہ جملہ سن کر، حضرت ابن عمر چرواہے کے قول کو بار بار دھراتے اور کہتے **فَاَیْنَ اللّٰہ:** (اللہ کہاں چلا جائے گا) پھر جب ابن عمر واپس آئے تو بکری کے مالک سے بکری اور چرواہے کو خرید ا، پھر چرواہے کو آزاد کر کے بکری اس کو ہبہ کر دی۔ (اُسُدُ الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ ج۳: ۲۳۶)

نوکِ ہر خار سے پوچھو وہ گواہی دیں گے
ہم نے کانٹوں میں بھی گلزار کھلا رکھا ہے

مگر جب کبھی مال کی بلا خیز محبت اپنا اثر دکھاتی ہے، تو دم زدن میں اس کی

چاہت وہ گل کھلاتی ہے کہ عقل مفلوج ہوکر رہ جاتی ہے، اچھے بُرے کا خیال بھی رخصت ہوجاتا ہے، اور ہوس، فکر کے خاکوں میں ایسا رنگ بھرتی ہے کہ ہرکوئی خواہ عالم ہو یا جاہل، عام ہو یا خاص ہر ایک کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔

غلط فہمی

امین گیلانی نے اپنی کتاب ''غلط فہمی'' میں لکھا ہے۔

ایک روز میرا ایک سیانا دوست آیا، اور ہنس کر کہنے لگا، آج میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ ہوا، میں فجر کی نماز کیلئے جب مسجد میں داخل ہوا، تو جماعت کھڑی ہوگئی، میں نے جلدی جلدی وضو کیا، کہ ابھی دو سنتیں بھی پڑھنی ہے، کہیں جماعت سے رہ نہ جاؤں، وضو کر کے اٹھا، ٹوپی اٹھانے لگا، تو ساتھ ہی ایک چمکتی ہوئی گھڑی نظر آئی، میں نے وہ بھی اٹھا کر جیب میں ڈال لی کہ یقیناً کوئی نمازی یہاں بھول گیا ہے۔

شیطان نے ورغلایا، بجائے نماز ادا کرنے کے، جوتا پہنا اور مسجد سے باہر آ گیا، دور جا کر، جیب میں ہاتھ ڈال کر گھڑی نکالی، کہ دیکھوں قیمتی ہے یا معمولی، جب گھڑی دیکھی، تو مارے حیرت کے وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا، کہ وہ گھڑی میری اپنی تھی، جو غلط فہمی میں کسی دوسرے کی سمجھ کر لے بھاگا، اور نماز بھی ادا نہ کی، اپنے آپ کو لعنت و ملامت کی، دل ندامت میں ڈوب گیا، توبہ کی، اور واپس آ کر تنہا نماز ادا کی۔ (غلط فہمی از سید امین گیلانی: ص ۲۸)۔

دیکھا آپ نے: سنتوں کی فکر، اور جماعت میں شمولیت کے شدید احساس کے باوجود مال کی محبت کیا گل کھلاتی ہے کہ ایک نمازی، سنت اور جماعت کو چھوڑ چھاڑ مسجد

ہی سے نکل بھاگتا ہے۔ قرآن کہتا ہے۔ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْد : بیشک انسان مال کی محبت میں سخت واقع ہوا ہے۔ لیکن جس دل میں فکرِ آخرت کا چراغ روشن ہو، اس چراغ کو مال کی محبت اور خوف کی آندھی بھی نہیں بجھا پاتی ہے۔

ان کا حال تو یہ ہوتا ہے۔ يَخافونَ يَوْماً تتقلّبُ فِيْهِ القلوب وَ الابْصَار

(سورہ نور پ ۱۸، آیت ۳۷)

وہ ڈرتے رہتے ہیں، اس دن سے جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی، اور پھر ان کی خشیت کا حال یہ ہوتا ہے۔ يُؤتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَقُلُوْبهم وَجِلَة اَنَّهُمْ اِلىٰ ربّهِمْ راجِعُوْن (پ ۱۸، سورہ مومنون آیت ۶۰)

عبادت واطاعت کے بعد بھی وہ لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں (اور اس کے باوجود) ان کے دل قیامت کی باز پُرس سے ڈرتے رہتے ہیں۔

اور یہ غمِ آخرت کا چراغ ایسا نہیں، جو کبھی جل گیا، کبھی بجھ گیا، بلکہ یہ دل مومن میں ہمہ وقت فروزاں رہتا ہے، کیا جلوت، کیا خلوت کیا سردی، کیا گرمی، کیا صحرا، کیا سمندر، جب بھی اور جہاں کہیں بھی، جب معاملہ دنیا اور مال واسباب کا آئے گا، تو آخرت کے خوف سے لرزتی ہوئی یہی آواز اس کی زبان پر آئے گی۔ فَاَيْنَ اللّٰه، اللہ کہاں چلا جائے گا وہ تو دیکھ رہا ہے۔

پُل صراط کا خوف

واقعہ غزوہ موتہ کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تین ہزار کا لشکر ماہِ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں موتہ کی طرف روانہ فرمایا (موتہ ملک شام کے علاقہ بلقاء میں واقع ہے) وہاں

کے حاکم شرحبیل بن عمرو غسّانی نے آپ کے قاصد حارث بن عمیر کو قتل کرا دیا تھا، جس کی وجہ سے آپ نے یہ لشکر روانہ کیا، اس لشکر میں مشہور صحابی عبداللہ بن رواحہ بھی تھے، جب رسول اللہ ﷺ لشکر کو رخصت کرنے لگے، تو عبداللہ بن رواحہ رو پڑے، لوگوں نے کہا، اے عبداللہ بن رواحہ کس چیز نے تم کو رُلایا، تو عبداللہ بن رواحہ نے جواب دیا۔

اَمَا واللّٰہ مَا فی حُبَّ الدُّنیَا وَ لا صُبَابة بِکم ، وَلٰکِنِی سَمِعُتُ رَسُوُلَ اللّٰہِ صَلّی اللّٰہ عَلَیُہِ وَسَلَّم یَقُرأ اٰیۃَمِنُ کِتاب اللّٰہ وَاِنُ مِنُکُمُ اِلَّا وَارِدُھَا کانَ عَلیٰ رَبّک حَتُماً مَقضیاً (سورہ مریم پ۱۶: آیت ۷۱)

فَلَسُتُ اَدُرِیُ کَیُفَ لِی بالصَّدُرِ بَعُد الورود.

آ گاہ ہو جاؤ: خدا کی قسم: نہ مجھے دنیا سے محبت ہے، اور نہ تم سے شیفتگی، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو کتاب اللہ کی یہ آیت پڑھتے سنا ہے، کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے، جس کا جہنم پر گذر نہ ہو، یہ اللہ رب العزت کا حتمی اور اٹل فیصلہ ہے، تو مجھے معلوم نہیں کہ جہنم کے ورود کے بعد واپسی کیسے ہوگی، یعنی میرا کیا بنے گا؟ اس لئے رو رہا ہوں۔

لشکر جب روانہ ہونے لگا تو لوگوں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے پکار کر کہا: اللہ! آپ کو ہماری طرف صحیح وسالم اور کامیاب واپس لائے۔ اس پر عبداللہ بن رواحہ نے یہ اشعار پڑھے۔ جس میں انہوں نے اپنے لئے شہادت و مغفرت کی دعاء مانگی، ان کی دعاء پوری ہوئی اور وہ اسی غزوہ میں شہید ہوئے۔ اشعار یہ ہیں

لٰکننی أسُئل الرحمٰن مغفرةً وَضَرُبة ذات فرغ تَقُذِف الزبدا

اَوُطعنۃًبیدی حرّان مجھَّزة بِحَرُبةٍ تنفُذ الاحشاء والکبدا

حتّی یُقالَ اِذا مروا عَلیٰ جدثی یا ارشدَ اللّٰہ مِنُ غازو قد رشدا

میں واپسی نہیں چاہتا، بلکہ اللہ کی مغفرت اور اسکی راہ میں ایسے گہرے زخم کا خواہش مند ہوں، جو جھاگ پھینکتا ہو۔

یا ایسا کاری زخم جو تیز ہو اور ایسے نیزے سے لگے جو میری انتڑیوں اور جگر کے پار ہو جائے۔

یہاں تک کہ جب لوگ میری قبر پر گذریں تو یہ کہا جائے کہ واہ: واہ: کیا غازی تھا اور کیسا کامیاب ہوا۔ (سیرت مصطفیٰ ج۲ص۴۷۰)

﴿علم کا شوق وقت کا تحفظ اور حضرت گنگوہیؒ﴾

کہتے ہیں کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسیرا کرنے والا شاہین، نشیمن بھی بلند شاخوں پر بناتا ہے، اپنے بازؤوں کی قوت اور حوصلوں کی بلندی سے ہر اس مہم کو سر کر لیتا ہے، جس پر اس کی نظر ہوتی ہے، اسی طرح جن لوگوں کے ارادوں میں پختگی، کردار میں بلندی، اور ناقابل تسخیر عمل کو مسخر کر لینے کی قوت ہوتی ہے، وہ بھی اپنی فطرت کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر زندگی کی شاہراہ اور نصب العین کا تعین کرتے ہیں۔

حضرت گنگوہی انہیں پاکیزہ فطرت اور بلند کردار لوگوں میں تھے، جن کی پیشانی سے ذکاوت وذہانت، تقویٰ اور طہارت کے آثار بچپن ہی سے ہویدا تھے۔ جنھیں دیکھ کر ماموں مولوی محمد تقی نے تعلیم وتربیت کیلئے قدوۃ العلماء، زبدۃ الاتقیاء حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز مہاجر مدنی، حضرت مولانا مملوک العلی اور مفتی صدرالدین جیسے جلیل القدر اساتذہ کی خدمت میں رہنے کا مشورہ دیا، ابھی ۱۷ سال کی عمر تھی، اس خام عمر میں بزرگوں کی چارسالہ صحبت نے آپ کے دل میں وہ آتش علم فروزاں کر دی،

جس نے لیلائے علم کے سوا ہر چیز کی محبت کو خاکستر کر دیا۔ اب تو علم کا شوق اور کتاب کی محبت ہر چیز پر غالب تھی، شب و روز میں سونے اور کھانے کے ساتھ آٹھ گھنٹے کے علاوہ پورا وقت کتاب کی رفاقت میں گذرتا، مطالعہ میں اس طرح محو رہتے کہ پاس رکھا ہوا کھانا، کوئی اٹھا کر لے جاتا، تو آپ کو خبر تک نہ ہوتی، بسا اوقات کتاب دیکھتے دیکھتے سو جاتے، رات کا کھانا، کھانا بھی یاد نہیں رہتا۔

زمانہ طالب علمی میں آپ کو کئی کیمیا گر ملے، جنہوں نے از راہِ محبت آپ کو نسخۂ کیمیا بتانا چاہا۔ مگر آپ کی زہد و قناعت پسند طبیعت نے حرص و طمع کرنی تو درکنار اس کا سیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔

''آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں کئی شخص کیمیا بنانے والے ملے، دہلی میں ایک شخص نے بنا کر دکھلا بھی دی، ایک شخص نے ہمیں اس کا نسخہ دیا وہ میری ترمذی میں پڑا ہے۔ مگر میں نے کبھی دھیان بھی نہیں کیا، طالب علمی میں کیا، بعد میں بھی کبھی وسوسہ نہ آیا کہ لاؤ، دیکھوں تو سہی بنتی ہے یا نہیں، گنگوہ میں جب آیا، اتفاق سے وہ نسخہ نکل آیا، ایک شخص کا نام لے کر فرمایا وہ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے نسخہ کی نقل مانگی، ہمیں بخل کی ضرورت کیا تھی، ان کو نقل کرا دیا، اور اصل کو اسی وقت پھاڑ ڈالا۔ اس کے بعد حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے بن گیا تھا۔ (تذکرۃ الرشید ج ا ص: ۶۲)

دہلی میں مجذوب سے ملاقات کا ایک واقعہ آپ سے اس طرح بھی منقول ہے دہلی میں ایک دفعہ مجھ سے ایک مجذوب کہنے لگے، شاید تجھے معاشی تنگی اور خرچ کی تکلیف ہے، میں تجھے سونا بنانے کا نسخہ بتاتا ہوں، کسی وقت میرے پاس آجاؤ، فرماتے تھے کہ اس وقت حاضری کا اقرار تو کر آیا، مگر پڑھنے لکھنے میں انہماک کی وجہ سے یاد ہی

نہیں رہا، دوسرے دن مجذوب نے پھر یاددہانی کرائی، میں نے کہا پڑھنے سے فرصت نہیں، جمعہ کے دن کوئی وقت نکال کرآؤنگا، جمعہ آیا تو مطالعہ کی مشغولیت کی وجہ سے یاد نہیں رہا، مجذوب پھر ملے، کہا تم حسب وعدہ نہیں آئے، میں نے بھولنے کا عذر کیا، اور آئندہ جمعہ کا وعدہ کیا، لیکن مطالعہ کی مصروفیت کی وجہ سے جمعہ کے دن یاد نہیں رہتا تھا، اس طرح کئی جمعہ گزر گیا۔

آخرایک دن وہ مجذوب خود میرے پاس آئے، اور درگاہ شاہ نظام الدین کی طرف لے جا کرایک قسم کی گھاس مجھے دکھائی، ساتھ، ساتھ ان مقامات کی بھی نشاندہی کی، جہاں یہ گھاس اُگتی ہے، پھر وہ گھاس توڑ کر لائے، اور مجھے طریقہ بتانے کی غرض سے میرے سامنے اس سے سونا بنایا، پھر سونا مجھے دے کر کہنے لگے یہ بیچ کر اپنے کام میں لائیں، تاہم مجھے کتاب کے مطالعہ سے اتنی فرصت بھی نہ تھی کہ وہ سونا بازار جا کر بیچوں، مجذوب نے ایک دن خود جا کر وہ سونا بیچا اور رقم لا کر مجھے دی۔ (آپ بیتی ج ۶ ص:۸۱،۸۲)

حضرتگنگوہیؒ کی عظمت کے اعتراف میں بس یہی واقعہ کافی ہے

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

وقت سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہے (الوقت اَثْمَنُ من الذھب) یہ صرف ایک مقولہ نہیں، بلکہ کھلی حقیقت ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے اس کی شہادت اپنے عمل سے اس طرح دی کہ مجذوب کے اصرار کے باوجود نہ تو اس کے بارے میں سوچا، اور نہ ہی وقت کا ادنی حصہ صرف کرنا اس کے لئے گوارا کیا۔

علم کا شوق، کتاب سے الفت، اور مطالعہ کی مصروفیت، دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب اور ہر چیز کی محبت پر غالب تھی، اسی محبت اور وقت کی قدردانی کے نتیجے میں اللہ نے انہیں وہ مقام ومرتبہ عطا فرمایا، جو بعد کے لوگوں کو نصیب نہ ہوسکا۔

﴿علامہ انور شاہ کشمیری علمی انہماک، خداداد قوت حافظہ﴾

''کتاب بھی تو ایک روگ ہے'' یہ جملہ ہے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا جن کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا۔''اسلام کی آخری پانچ سو سالہ تاریخ، مولانا انور شاہ کشمیری کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، ایسا بلند پایہ عالم اور فاضلِ جلیل اب پیدا نہ ہوگا، وہ صرف جامع العلوم قسم کی ایک شخصیت ہی کے مالک نہ تھے بلکہ عصر حاضر کے دینی تقاضوں پر بھی، ان کی پوری نظر تھی''

قدرت نے انہیں حافظہ بھی ایسا عطا فرمایا تھا، کہ وہ خود اپنے حیران کن حافظہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ'' جس کتاب کا بھی سرسری طور پر مطالعہ کرلیتا ہوں پندرہ سال تک بقید صفحات اس کے مضامین محفوظ رہ جاتے ہیں''

پوری زندگی دبستانِ علم کی روشوں کو سنوارنے میں گذاری، علوم وفنون سے محبت، اور علمی انہماک نے انہیں لیلائے علم کا ایسا شیدائی بنا رکھا تھا کہ اب اس فرہادِ علم وکمال کو، کتابوں کے سوا کسی اور کی محبت کا سودا منظور نہ تھا اس لئے ازدواجی زندگی کے جھمیلوں میں پڑنے کے بجائے تجرد کا ارادہ کرلیا تھا، کہ کہیں.......ع

یہ آشیانہ کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

''عزیز و اقارب نے ازدواجی زندگی پر زور دیا، لیکن تجرد کا ارادہ فرما چکے تھے، اس لئے انکار کر دیا، مدینہ طیبہ میں مستقل قیام کی تجویز آپ کے مکنون خاطر تھی، اور آپ کو اس ارادہ پر اس درجہ اصرار تھا کہ کوئی تحریک اور مزاحمت ارادۂ ہجرت کے روکنے کیلئے کار آمد نہ ہو سکی''

''لیکن بعض قابل احترام اساتذہ نے آپ کو نکاح کیلئے مجبور کر دیا، جس طرح احترام استاذ میں قیام دیوبند میں آمادہ ہو گئے تھے، پاس ادب نے اس نئی تجویز کے قبول کرنے پر بھی آمادہ کر دیا، اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی ہی کی تجویز کے مطابق، گنگوہ کے ایک سادات خاندان میں ۱۳۲۶ھ میں آپ کا نکاح مسنون ہو گیا۔ (نقش دوام ص:۳۹)

﴿شادی کی داستان﴾

داستان شادی کی، جو حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ کے شگفتہ قلم سے نقش دوام کی زینت ہے، ناظرین کرام کی خدمت میں اس غرض سے پیش ہے کہ اس مرد درویش اور فرہاد علم کے علمی انہماک کی کچھ جھلک آپ کے سامنے آجائے اور اس خیال سے بھی کہ اس کے ذریعہ کسی بھی علم وفن کے طالب میں محنت اور وقت کی قدر دانی کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

''بھوپال بارات گئی، بارات میں خاندان قاسمی کے اکثر افراد، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی وغیرہ شریک تھے، والد ماجد کا اس وقت سن وسال ۴۵ سے متجاوز تھا، اور ریش مبارک کا ایک تہائی حصہ سفید ہو چکا تھا، بارات پہونچی تو والدہ کے محلّہ میں کہرام

بپا ہوگیا کہ ۱۳ سال کی ایک معصوم بچی ایک کبیر السن سے بیاہ دی گئی، جاہل عورتوں نے یہ داستان بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ والدہ تک بھی پہونچائی، جو اس وقت دلہن بنی بنائی نکاح کیلئے بیٹھی ہوئی تھیں۔

بتاتی تھیں کہ اس بے جوڑ شادی کی تفصیلات سن کر میں کانپ اٹھی، نکاح کے بعد رخصتی ہوئی، تو جھانسی کے اسٹیشن پر نماز پڑھنے کیلئے یہ سب حضرات اترے، مولانا محمد ادریس سکھروڈوی، اس وقت جوان رعنا تھے، ریل کے زنانہ ڈبہ سے والدہ کی نظر ان پر پڑی، لطف لے کر بتاتیں کہ اپنے اس خیالی شوہر کو دیکھ کر میں فرحاں وشاداں ہوئی اور بھوپال کی رنگ آمیز داستان از اول تا آخر میرے تصورات میں غلط نکلی، دہلی اسٹیشن پر مسافر خانہ میں بیٹھا دیا گیا، دیوبند جانے والی گاڑی میں ابھی قدرے تاخیر تھی، والدہ اور ان کی بڑی بہن جو دلہن کی رفیقہ تھیں، اپنے ایک بکس پر بیٹھی ہوئی تھیں، کہ حکیم سید محفوظ علی (حضرت شاہ صاحب کے برادر نسبتی) دوڑتے ہوئے پہونچے اور بتایا کہ حضرت شاہ صاحب کچھ بات کرنے کیلئے تشریف لا رہے ہیں، اس غیر متوقع آمد پر دونوں بہنوں کو اچنبھا ہوا، اتنے میں حضرت شاہ صاحب پہونچ گئے اور اپنی مخصوص نشست کے ساتھ ایک ہاتھ میں چھڑی اور دوسرا ہاتھ پیشانی پر، دونوں بہنوں سے مخاطب ہوکر فرمایا۔

’’میں ایک مفلوک الحال، غریب الوطن ہوں، شادی کا کوئی ارادہ نہیں تھا مولانا حبیب الرحمٰن اور دوسرے اکابر کے اصرار پر مقہوراً یہ صورت اختیار کرنا پڑی، میرے پاس دینے، لینے کے لئے کچھ نہیں، نہ میرا گھر ہے، نہ گرہستی سے کوئی سروکار

دارالعلوم کے ایک حجرے میں فروکش ہوں‘‘

اللہ اکبر! یہ حقیقت آمیز بیان تھا یا دو معصوم لڑکیوں کیلئے صاعقہ آسمانی! بہن کی تباہی پر اول بڑی بہن بُکا بنیں، اور پھر نئی نویلی دلہن وقفِ گریہ ہوگئیں۔

حضرت شاہ صاحب یہ گفتگو کرنے کے بعد اُٹھ آئے، بارات دیوبند پہونچی، تو دلہن کو مولانا قاری محمد طیب صاحب کے مکان پر اُتارا گیا، اگلے روز شاہ صاحب نے مولوی ادریس صاحب کی معرفت جو اثاثۃ البیت اپنی دلہن کیلئے بھیجا، اس میں ایک چٹائی، مٹی کا ایک بدھنا، ایک لوٹا اور مٹی کے دو پیالے تھے۔ کبھی کبھی مدرسہ کے رہائشی کمرے سے والدہ کیلئے تیار چائے مٹی کے پیالے میں، اور اس کے ساتھ دارالعلوم کا ایک آدھا نان بھیجتے۔

گھر پہ آمد ورفت کا یہ عالم تھا، کبھی ہفتہ میں، کبھی عشرہ میں، کبھی پورا مہینہ ہی گذر جاتا، خالہ اس حال پر چیں بہ جبیں تھیں، اورانہوں نے تفریق کا پورا منصوبہ بنالیا تھا، لیکن الحمد للہ! والدہ مستقیم رہیں اوراس بھیانک صورت حال نے انہیں مغموم کرنے کے بجائے صبر وثبات کی دولت سے سرفراز فرمایا۔

البتہ ابتداء میں ایک بار محلّہ کی ایک فرتوت ضعیفہ نے ہمدرد وغمگسار بن کر کہا کہ حضرت شاہ صاحب کی بے التفاتی کو ختم کرنے کیلئے کسی مؤثر تعویذ کی ضرورت ہے، جس کا معاوضہ اس زمانے میں دس روپئے طلب کئے گئے، یہ اپنی غربت کی وجہ سے اس حقیر رقم کا بھی انتظام نہ کرسکیں، لیکن عورتوں کی عام نفسیات یعنی شوہر کو مائل ومتوجہ کرنے کے جذبہ میں اورتو کچھ نہ بن پڑا، اپنا چاندی کا ایک زیور دیدیا، تعویذ آ گیا،

بازو پر باندھ لیا گیا، چند گھنٹوں کے بعد خلاف توقع و معمول، حضرت شاہ صاحب تشریف لے آئے، فرماتی تھیں کہ اس آمد کو تعویذ کا اثر محسوس کرتے ہوئے میں خوشی سے جھوم رہی تھی کہ تدبیر کارگر ہوئی۔ شاہ صاحب تشریف فرما ہوئے اور کسی تمہید کے بغیر فرمایا ''ارے ہم پڑھنے اور پڑھانے میں مشغول رہتے ہیں، مطالعہ کی کثرت کی بناء پر مفقود الفرصت ہیں، تعویذ وغیرہ سے کوئی فائدہ نہیں'' کہتیں: شاہ صاحب یہ فرمارہے تھے اور مجھ پہ خجالت سے گھڑوں پانی گرا...... پاؤں تلے زمین نکل گئی، وہ اُدھر اُٹھ کر گئے، اِدھر میں نے تعویذ کھول دیا۔ پھر الحمد للہ! بے التفاتی کی کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی اور نہ اس طرح کے مخمصوں میں خود کو مبتلا کیا''

مطالعہ کی حرص اور علم سے بے انتہا محبت

شاہ صاحب کو مطالعہ کی حرص اور علم سے جو محبت تھی، اس کے سوا دنیا کی کوئی چیز پسند خاطر نہ تھی۔

حضرت مولانا یوسف صاحب بنوریؒ فرماتے ہیں ''مطالعہ کے بارے میں اُن کا اصول یہ تھا، کہ جب کوئی کتاب ان کے ہاتھ لگ جاتی، چاہے وہ کتاب مخطوطہ کی شکل میں ہو یا مطبوعہ، کسی بھی علمی موضوع سے متعلق ہو، آپ وہ اٹھاتے اور اول تا آخر پوری کی پوری پڑھتے۔

علم سے بے انتہا محبت، مطالعہ کی بے غایت حرص، اور پھر بے مثال قوت حافظہ نے انہیں جملہ علوم وفنون جیسے طبعیات، الٰہیات، سلوک وتصوف، نجوم ورمل، جفر وقیافہ،

علم ہندسہ وریاضی، اورریاضی کی باقی شاخیں، علم مناظرہ، علم بلاغت، علوم عربیہ، دینیات، اور عبرانی زبان کی کتابیں، جس کا اظہار کھوٹہ ضلع جموں میں ایک عیسائی پادری سے گفتگو کے دوران حوالہ دے کر فرمایا، جس پر وہ پادری حیران رہ گیا۔

فلسفہ میں بوعلی سیناء کی ''شفا'' ''نجات'' ''تعلیقات'' اشارات، اوراشارات کی شرح جوامام رازی اور حکیم طوسی نے لکھی، باقر داماد کی قبسات، افق المبین، صدرشیرازی کی اسفار اربعہ، بستانی، فرید وجدی کی دائرۃ المعارف، حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیم کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تالیفات اور شیخ محی الدین عربی کی ''فتوحات مکیہ'' کا بار بار مطالعہ۔

غرض یہ کہ مطالعہ صرف آپ کا ذوق ہی نہ تھا، بلکہ آپ کی زندگی کا روگ بن گیا تھا، جیسا کہ آپ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے جواب میں فرمایا تھا، جب انہوں نے مرض کی شدت میں مطالعہ کی محنت کو دیکھ کر فرمایا۔

''حضرت یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، کہ اول تو وہ کون سی بحث رہ گئی ہے جو حضرت کے مطالعہ میں نہ آچکی ہو، اگر بالفرض کوئی بحث ایسی ہو تو اس کی فوری ضرورت کیا پیش ہے، کہ اُسے چند روز مؤخر نہیں کیا جاسکتا.....اس پر شاہ صاحب نے فرمایا۔

''بھائی ٹھیک کہتے ہو، لیکن یہ کتاب بھی تو ایک روگ ہے، اس روگ کا کیا کروں'' (نقش دوام سے ماخوذ)۔

کتاب کی محبت کا روگ جس کو لگ جائے، اس کو دنیا کی کسی چیز میں کشش نظر نہیں آتی، البتہ ایسا شخص دنیا کی نگاہوں میں ضرور پر کشش اور محبوب ہو جاتا ہے، اور

یہ شانِ محبوبیت، وقت کی قدر دانی اور علم سے محبت کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوا کرتی ہے اسی علم سے محبت کے نتیجہ میں جو آپ کے رگ و ریشہ میں جذب ہو چکی تھی، جس کا اظہار دم واپسیں تک ہوتا رہا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ قبولیت اور شرف و فضیلت سے نوازا۔

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کی جلالتِ شان

علم کی لازوال دولت اور روحانی نظام کی وسیع مملکت کے جو اکابر و اسلاف مالک رہے، ان میں ایک ذات حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کی بھی تھی، جو دار العلوم دیوبند کے اولین صدر المدرسین، اپنے وقت کے اولیاء کاملین و عارفین اور کشف و کرامات کے حاملین بزرگوں میں سے تھے، ان ستودہ صفات کے باوصف، نظام روحانی کا تعلق بھی اللہ رب العزت کی طرف سے ان سے وابستہ تھا۔

وقت کی بھٹی میں انہوں نے اپنے آپ کو کتنا تپایا ہوگا، اور خاموش ریاضت ومجاہدہ سے اپنے قلوب کو کتنا گرمایا ہوگا، کسی کو کیا پتہ: کہ اس پیکر خاکی میں عزم صدیقی اور جلالِ فاروقی کی کیا کیا خوبیاں پنہاں ہیں، قسّامِ ازل کی طرف سے قرب و تعلق کا کون سا مقام ان کو حاصل ہے، جس کو علماء راسخین اور وقت کے محدثین بھی نہ سمجھ سکے، اور جب اس مقام تک رسائی نہ ہو تو۔

کوئی اندازہ کرتا کیسے ان کے زورِ بازو کا

مگر اہل دل پر نازنینان بارگاہ اَلَسْت کے احوال بھی پوشیدہ نہیں رہتے پردہ تو کسی کے راز سربستہ سے اٹھتا ہے مگر اس میں تصویر اپنی بھی نظر آتی ہے۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نے اپنی مجلس میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کا ایک واقعہ سنایا، جو ''سیرت وشخصیت خطیب الاسلامؒ'' کے جلد دوم صفحہ ۱۰۹ تا ۱۱۴ میں منقول ہے۔ اسکو کچھ حذف وایجاز اور کچھ معمولی لفظوں کی تبدیلی کے ساتھ یہاں اس لئے نقل کیا جارہا ہے، تاکہ معلوم ہوجائے کہ وقت کی خاموش قدردانی کا عیاں اور نہاں صلہ ان کو رب العزت کی طرف سے کیا ملا۔

﴿صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ایک شیعہ کی دشنام طرازی﴾

نانوتہ میں شیعوں کی مجلس ہورہی تھی ایک شیعہ صدیق اکبرؓ کا نام لے کر سب وشتم کررہا تھا، صدیقی خانوادے کا ایک نوجوان اُدھر سے گذرا، جب اس کے کان میں گالیاں پڑیں تو اس سے برداشت نہ ہوسکا، اس کی نسبی غیرت وحمیت اور ایمانی جُرأت نے اس کی ہفوات ونازیبا کلمات پر اس قدر برافروختہ کردیا کہ مجلس میں گھس کر اس شیعہ کو قتل کردیا، لوگ ڈر کی وجہ سے اِدھر، اُدھر منتشر ہوگئے، پولیس آگئی، مقدمہ درج ہوگیا، سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں یہ قتل ہوا تھا اسلئے شیعوں کو یقین تھا کہ نوجوان کو پھانسی ہونا تو حتمی ہے، چونکہ کیس بالکل کھلا ہوا تھا، فکرمند تو سنی تھے کہ نوجوان کی جان کیسے بچائی جائے، تدبیریں اور کوششیں ہونے لگیں۔

اسی فکر کو لے کر خاندان کے لوگ جن کا نسبی تعلق حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ سے تھا، ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا تدبیریں تو ہم لوگ کررہے ہیں، آپ روحانی طور پر کچھ توجہ فرمادیں، تاکہ اس کی جان بچ جائے۔

حجۃ الاسلامؒ نے کہا، ترکیب تو میں بتا دیتا ہوں، مگر کرنا تمہارا کام ہے، فرمایا، تم لوگ دیو بند جاؤ، اور وہاں مولانا یعقوب صدر مدرس دارالعلوم دیو بند سے ملو، ان سب کاموں کا تعلق اللہ کی طرف سے ان سے ہے، البتہ بہت سے لوگ مل کر جانا اور جا کر یہ بات ان سے کہنا، دیکھو ان کے مزاج میں غصہ بہت ہے، جب تم یہ کہو گے کہ اس کی جان بچادو، تو وہ ایک دم غصہ ہو جائیں گے، مگر تم لوگ غصہ کو برداشت کر لینا، اور کہنا کہ حضرت کتنا ہی مار لیں، مگر اس کی جان بچادیں۔

حضرت کے کہنے کے مطابق پچاس، ساٹھ لوگ، بیل گاڑی پر سوار ہو کر دیو بند پہونچ گئے، اس وقت حضرت چھتہ کی مسجد میں تشریف فرما تھے، جانے والوں میں حضرت کے اعزہ واقرباء اور نانوتہ کے با اثر لوگ بھی تھے، جب حضرت سے ملے تو حضرت بہت خوش ہوئے، اور چند بڑے لوگوں نے حاضری کی وجہ بتائی اور اس نوجوان کو بچانے کی درخواست کی تو حضرت ایک دم ناراض ہو گئے، اور کہا، واہ! یہ لوگوں کی جانیں لیا کریں اور ہم بچاتے پھریں۔ جاؤ! یہاں سے دفع ہو جاؤ، خفگی، ناراضگی، ڈانٹ، ڈپٹ، لاٹھی کی مار سب کچھ برداشت کر لیا، کیونکہ وہ تو حضرت نانوتویؒ سے تربیت حاصل کر کے آئے تھے۔ اس لئے لوگوں نے کہا کہ حضرت، چاہے ہمارے سر پھوڑ دیں، لیکن یہ کام تو حضرت کرنا ہی پڑے گا، خیر تھوڑی دیر غصہ کے بعد ٹھنڈے ہو گئے۔

اور فرمایا: اچھا جاؤ، اگلے روز تم لوگ سہارنپور آجانا، وہاں ایک مسجد ابو نبی کی مسجد کہلاتی ہے، اس کے برابر ایک مکان ہے" وہ ٹوٹا ہوا پڑا ہے، ایک پرانی سی کوٹھری

ہے، دیواریں ٹوٹی پھوٹی پڑی ہیں، کوئی رہتا بھی نہیں ہے، بیکار پڑا ہے، مکان مالک سے مل کر ایک دن کیلئے کرایہ پر لے لو، جمعہ کے روز ہم بھی آئیں گے۔

سہارنپور پہونچ کر لوگوں نے مکان مالک سے ایک آدھا دھلہ دے کر مکان کرایہ پر لے لیا، مکان صاف کر کے لوگ وہاں ٹھہر گئے، حسب وعدہ مولانا بھی تشریف لائے، اور فرمایا کہ دیکھو رامپور کی سڑک پر جاؤ اور دو میل چلنے کے بعد ایک درخت کے نیچے ایک فقیر بیٹھا ہوا ہے، اس کے پاس ایک ٹٹّو بھی ہوگا (گھوڑا) وہ اس پر بیٹھ کر بھیک مانگتا ہے، سب کے ساتھ الٹی، سیدھی باتیں کرتا ہے، اور گالیاں بھی دیتا ہے، اس سے میرا نام لے کر کہنا کہ اس نے بلایا ہے، چنانچہ دو آدمی یہاں سے روانہ ہوئے، پہونچے تو دیکھا کہ وہ بیٹھا ہے، پاس ہی ٹٹّو بندھا ہوا ہے، انہوں نے سلام کیا، تو اس نے جواب میں گالیاں دیں، انہوں نے کہا کہ آپ کو مولانا محمد یعقوب صاحب نے بلایا ہے، تو اس نے کہا جی ہاں! مولانا یعقوب صاحب کوئی لاڈ صاحب ہیں، انہوں نے حکم بھیج دیا، اور ہم چلے جائیں، کیا ہم بیکار پڑے ہوئے ہیں، ہم فالتو ہیں، اپنا ٹٹّو کھولا، اس پر بیٹھ کر ان لوگوں کو بُرا بھلا کہتے ہوئے چل پڑا۔

بک رہا ہوں جنون میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

راستہ طے کر کے اس مکان پر پہونچا، مولانا مکان کے اندر تھے، مکان کے باہر ٹٹّو کو باندھا مولانا کے پاس پہونچتے ہی اس کی کیفیت بدل گئی، سلام کیا، مصافحہ کیا، ادب بجالایا، حضرت کی مزاج پُرسی کی، اس کے بعد حضرت اس کو کوٹھری میں لے گئے،

جس میں پہلے سے بیٹھنے کا نظم تھا، دروازہ کو بند کر دیا، پُرانے کواڑ تھے، اس میں نیچے بڑی بڑی دراڑیں تھیں، یہ لوگ جو باہر بیٹھے تھے، زمین پر لیٹ گئے کہ دیکھیں یہ لوگ اندر جا کر کیا کرتے ہیں مولانا نے اس سے کہا کہ نانوتہ کے اندر ایک شیعہ حضرت صدیق اکبر کی شان میں گستاخی کر رہا تھا، اس صدیقی سنی لڑکے نے اس کو قتل کر دیا، آپ اس کو چھوڑ دیں۔

''یہ درحقیقت فقیر نہیں بلکہ صاحب خدمت شخص تھا'' اس نے کہا: حضرت آپ یہ کیا فرما رہے ہیں! اس نے کھلے عام قتل کر دیا، اگر ایسے قاتلوں کو ہم نے چھوڑ دیا تو اس طرح قاتلوں کی ہمتیں بڑھ جائیں گی، آئے دن قتل ہوا کریں گے، پھر تو سارا نظام خراب ہو جائے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں نظام وظام کچھ خراب نہیں ہوگا، جیسے ہم کہہ رہے ہیں، ویسے تم کرو، تو اس پر فقیر نے کہا کہ حضرت یہ شرعاً جائز بھی ہے؟

بس اتنا سننا تھا کہ مولانا کو غصہ آ گیا، تو جانتا ہے شریعت کو یا ہم جانتے ہیں، یہ کہہ کر جلال میں آ گئے، برابر میں اینٹ پڑی ہوئی تھی، اینٹ پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ الٹ دوں۔

سہل ہے میر کا سمجھنا کیا
ہر سخن اس کا اک مقام سے ہے

اور اس مقام سے ہم اور آپ واقف نہیں، اُسے تو صاحب خدمت فقیر نے سمجھا، بس وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا، اور کہا کہ حضرت نہیں نہیں، میں نے چھوڑ دیا۔ پھر حضرت سے باادب خادم کی طرح سلام ومصافحہ کر کے باہر آیا اور لوگوں کو گالیاں دیتا بُرا بھلا کہتا روانہ ہو گیا۔

اس کے بعد حضرت باہر تشریف لائے ، اور کہا لو بھائی مبارک ہو ، کام ہوگیا ابھی پندرہ دن فیصلہ کی تاریخ کے باقی تھے۔ فیصلہ کا دن آیا، مجسٹریٹ انگریز تھا، عدالت میں دونوں طرف کے لوگوں کا جم غفیر تھا، صدیقی خاندان بہت بڑا تھا، اثر ورسوخ والے بھی بہت تھے ، انگریز مجسٹریٹ نے مثل دیکھ کر فیصلہ سنایا شروع کیا، قانونی اعتبار سے جو دلیلیں تھیں وہ ہر ایک دلیل کو پڑھ کر سناتا کہ اس دلیل کے اعتبار سے جو قاتل ہے، اس کی گردن اُڑائی جائے ، دوسری دلیل یہ ہے، اسکی وجہ سے بھی قاتل پھانسی کا مستحق ہے، تیسری دلیل یہ ہے، اسکی وجہ سے بھی قاتل موت کی سزا کا سزا وار ہے، اس طرح پانچ ، سات دلیلیں قاتل کی سزائے موت پر سنایا۔ شیعہ تو خوش تھے، اور سنیوں کے دل کی دھڑکنیں کہہ رہی تھی کہ فیصلہ تو جیت کا ہو چکا ہے۔ اگر چہ ظاہری طور پر دلیلیں ان کے خلاف ہیں، لیکن اصل نظام اور فیصلہ کا تعلق تو درحقیقت اس باطنی نظام سے ہے، جو رب کائنات کی طرف سے چل رہا ہے، جس کی دو انگلیوں کے درمیان انسانی قلوب ہیں وہ ان کو پھیر دیتا ہے جیسے چاہتا ہے، رب نے مجسٹریٹ کے دل کو مصلحتوں کی طرف پھیر دیا، چنانچہ اس نے فیصلہ میں لکھا کہ یہ لڑکا سزائے موت کا

کرامات اولیاء حق ہیں: ولی کہتے ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت حاصل ہو، طاعات کی مکمل پابندی، معاصی سے کلی اجتناب، لذت وشہوات کی چیزوں سے بہمہ طور دور ہو، ایمان اور صلاح وتقویٰ کی صفت سے متصف ہو۔ اگر اس سے کسی بھی خارق عادت امر کا ظہور بغیر دعوائے نبوت کے ہو تو وہ کرامت ہے، اگر دعوائے نبوت کے ساتھ مقرون ہو تو معجزہ ہے اگر کسی کھلے کافر وفاسق سے ایسی کسی چیز کا ظہور ہو تو دینی اصطلاح میں استدراج ہے۔ کرامت کے حق ہونے کا ثبوت قرآن اور بہت سے صحابہ اور ان کے بعد کے لوگوں سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔

قرآن میں: ایک عالم کتاب بقول مفسرین آصف بن برخیا کا پلک جھلکنے سے قبل ملکۂ سبا بلقیس کے تخت کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کردینے کا ذکر، اور حضرت مریم کو بے موسم رزق (پھل) کے ملنے کا واقعہ کرامت کے حق ہونے کا کھلا ثبوت ہے۔

مستحق ہے۔ لیکن.....لیکن.......لیکن تین دفعہ کہنے کے بعد کہا کہ انگریز حکومت چونکہ اس ملک میں نئی ہے، ابھی اس کے قدم پوری طرح ملک میں مستحکم نہیں ہیں اور یہ مجرم لڑکا جس خاندان کا ہے، وہ خاندان، علاقہ میں ہی نہیں بلکہ پورے ملک کے اندر باا ثر ہے، اگر اس کو پھانسی دیدی گئی تو اندیشہ ہے کہ ملک میں فتنہ وفساد پھیل جائے گا، اور قتل وغارت گری کا بازار گرم ہو جائے گا۔ جس کو کنٹرول کرنا حکومت کے بس سے باہر ہو جائے گا، اور اسکے نتیجہ میں سینکڑوں، ہزاروں بلکہ لاکھوں بے گناہ لوگ مار دیئے جائیں گے۔

اس وضاحت کے بعد مجسٹریٹ نے کہا کہ حکومت چونکہ فی الحال کمزور ہے اس لئے ایک کی جان بچا کر ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں کی جانوں کو بچانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس نوجوان کو ہندوستان کی عدالت عالیہ اپنے فرض منصبی کو پورا کرتے ہوئے باعزت بری ہونے کا اعلان کرتی ہے۔ (سیرت وشخصیت، خطیب الاسلامؒ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مدینہ کے منبر سے نہاوند میں اپنے لشکر کو جو مدینہ سے پانچ سو فرسخ کے فاصلہ پر تھا دیکھنا اور امیر لشکر کو یاسَارِیَة الجبَل کہہ کر ہدایت دینا اور حضرت ساریہ اور ان کے رفقاء کو حضرت عمرؓ کی آواز کو سننا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دریائے نیل کو خط لکھنا، جس کا واقعہ تاریخ میں تفصیل سے موجود ہے، اور اس تحریر سے ہم آغوش ہو کر خشک دریائے نیل کا جاری ہو جانا، کرامت ہی کی تو باتیں ہیں۔

کسی مومن صادق سے خوارق عادت امور کا ظہور تعلق مع اللہ اور عنداللہ مقبول ہونے کی علامت ہے، حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَا بَرَّ (بخاری شریف) بیشک اللہ کے بندوں میں سے ایسے بندے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم کو پوری فرمادیں امام نوویؒ نے اس کی شرح میں لکھا، اگر وہ کسی شئی کے واقع ہونے پر قسم کھالیں تو اللہ ان کے اکرام کی وجہ سے اس کو واقع کردیں۔ ان کے سوال کو قبولیت سے نواز دیں، ان کو قسم میں حانث ہونے سے بچالیں، اور یہ عنداللہ ان کے مرتبہ کی عظمت کی وجہ سے ہے۔

پھر، اگر اس حقیقت پر غور کرلیا جائے، کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے تو وہ اگر اپنے محبوب بندے سے کسی بھی خارق عادت امر کا ظہور فرمادے تو اس میں شک وشبہ کی کیا گنجائش ہے۔ وہ تو رب کے ایک کُن کا اثر ہے جو اپنے محبوب بندے کی عظمت کی خاطر ظاہر کیا گیا ہے۔

مزید برآں، جب دوسری امتوں کے افراد سے کرامت کا ظہور قرآن سے ثابت ہے تو امت محمدیہ کے خاص بندے تو اس کرامت کے زیادہ اہل ہیں، کیونکہ یہ امت تو خیر امت اور وسطِ امت ہے، اس کا مرتبہ تو ہر امت سے فزوں تر ہے۔

اس کے سوا۔ اگر اس بات کو نظر میں رکھ لیا جائے کہ آپ ﷺ کی ذات تمام سابقہ انبیاء کے علوم و معارف کی جامع اور جملہ اولین و آخرین کے حسن و کمالات کا مجموعہ تھی.....ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور یہ بھی مسلم ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الاَنْبِيَاء (حدیث)، اس بنیاد پر امت کے علماء اپنے نبی کے تمام علوم و کمالات کے وارث ہوں گے۔ ان کو وہ تمام محاسن اور علوم و معارف جو سابقہ نبیوں اور امتوں کو حاصل تھے۔ اپنے نبی کے واسطے سے بحیثیت وارث نبی ہونے کے ان کو بھی حاصل ہو جائیں گے۔ کیونکہ نبی آخر الزماں کی ذات جملہ اولیں و آخرین کے محاسن و کمالات کا مجموعہ تھی۔

اس اصول کی روشنی میں اس امت کے نیک بندوں اور اللہ کے ولیوں سے کرامت کا ظہور وارث نبی ہونے کی عظمت کی وجہ سے قیامت تک ہوتا رہے گا۔ کیونکہ قیامت تک جماعت اہل حق موجود رہے گی ہر ولی کے کمالات چونکہ ان کے رسول و پیغمبر کے کمالات کا عکس اور انہیں سے مستفاد ہوتے ہیں، اسلئے امت کے اولیاء اللہ کے ہاتھوں جتنی کرامتوں کا ظہور ہوگا، وہ سب رسول کے معجزات میں شمار ہوں گے۔

یہ الگ بات ہے کہ نفس کے بندے، اس کے متبعین اور عقیدت مندوں کی جماعت دنیا اور مال و جاہ کی حرص و ہوس میں اپنے پیر کو عظیم تر ثابت کرنے کیلئے، جھوٹی کرامتوں کے سہارے اپنی مرادیں پوری کرتی رہیں گی۔

تاہم مال و جاہ کی خاطر یا عقیدت کی کارگاہ میں ڈھالے ہوئے نام نہاد ولیوں کی جھوٹی کرامتوں سے، اللہ کے نیک بندوں کی سچی کرامتوں پر نہ تو کوئی فرق پڑے گا، اور نہ ہی ان کی کرامتوں کے حق ہونے سے انکار کیا جا سکتا ہے۔

○○○

باب دوم

دنیاوآخرت

دنیا اور آخرت

یہ دنیا جو ہماری زندگی کا خوبصورت، دل چسپ مسکن ہے، بود و باش کی ہر ضرورت سے آراستہ اور ہر قسم کی عملی جدو جہد کا میدان و آنگن ہے، جس کو ہم صرف محسوس نہیں کرتے، بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

جس طرح یہ ایک واقعی حقیقت ہے، بالکل اسی طرح آخرت بھی، جس کی خبر اللہ کے سبھی پیغمبروں نے دی ہے ایک قطعی اور یقینی حقیقت ہے۔ زندگی کے اس دور میں آخرت کا مشاہدہ و محسوس نہ ہونا، بالکل ایسے ہی ہے۔ جیسے بطن مادر میں ہونے کے وقت ہم اس دنیا کو دیکھتے اور محسوس نہیں کرتے تھے۔ مگر جب ماں کے پیٹ میں رہنے کی مدت پوری کر کے اس دنیا میں آئے، تو دنیا کو دیکھا، دنیا کی بیکراں وسعتیں، نیلگوں آسمان کی رفعتیں اور روئے زمین پر پھیلی ہوئی لاکھوں چیزیں ہمارے مشاہدے میں آ گئیں، جن کا ہم چند منٹ پہلے ماں کے پیٹ میں رہتے ہوئے تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

جس طرح ہم بطنِ مادر کی محدود دنیا سے منتقل ہو کر بزم گاہِ ہستی میں آئے اور اس کی نیرنگیوں کو دیکھا، بالکل اسی طرح ایک دن دم زدن میں عالم ہستی سے منتقل ہو کر عالمِ آخرت میں پہونچ جائیں گے، اور پھر وہ تمام حقیقتیں ہمارے سامنے آ جائیں گی، جن کی خبر کتاب مبین اور رسول امین دی ہے، جو بالکل قطعی اور یقینی ہے، اور اس حقیقت پر ہمارا یقین بھی ہے کہ دنیا کی زندگی اور دنیا کی ہر چیز فانی ہے، اور آخرت کی زندگی غیر فانی اور جاودانی ہے، وہاں پہونچ کر انسان بھی غیر فانی ہو جائے گا، اور نہ ختم

ہونے والی زندگی اس کو عطا کردی جائے گی۔

اللہ کے نیک بندوں اور خوش نصیب لوگوں کو جو نعمتیں عطا کی جائیں گی وہ کبھی ختم نہ ہوں گی، اسی کو قرآن میں کہا گیا **عَطَاءً غیر مَجْذوذ.**

اس کے برخلاف، کفر وشرک کی وجہ سے جن پر اللہ کا غضب ہوگا، ان کے عذاب کا سلسلہ بھی کبھی ختم نہ ہوگا، بلکہ وہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہیں گے اور کبھی بھی اس سے رہائی ممکن نہ ہو سکے گی، قرآن خود کہہ رہا ہے **وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّار**، اوران کے عذاب کی بابت کہا گیا **فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ العَذَابُ** کہ ان سے عذاب کو ہلکا نہیں کیا جائے گا۔

اس ایمان ویقین کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہماری تمام ترسعی وعمل کا قبلہ آخرت ہو اور دنیا سے تعلق بقدر ضرورت ہو۔

مگر اس حقیقت کے باوجود چونکہ دنیا سامنے ہے، اور آخرت نظروں سے اوجھل ہے، دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار ہے، اس لئے دنیا کی فکر وطلب ہی غالب رہتی ہے، گویا یہ انسان کی ایک فطری کمزوری ہے۔

جس طرح بچہ بچپن میں کھلونوں کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے اور مستقبل کی فکر اور ہر اس عمل سے بے پرواہ ہوتا ہے، جو اسکو آگے چل کر کامیابی سے ہمکنار کر سکے۔ کھیل سے محبت اسکی فطرت ہے اور مستقبل کی تعمیر کا فلسفہ اس کی ناقص سمجھ سے ماورا ہے، اسلئے اس کو سمجھانے کی ہر کوشش بے سود ہو جاتی ہے۔ اس کی فطری کمزوری اور عقل کی کوتاہی، بعد میں اسکے لئے تأسف اور ناقابل تلافی نقصان کا سبب بن جاتی ہے۔

اسی طرح جن لوگوں کے دل میں دنیا کی محبت گھر کر لیتی ہے، اوران کی عملی

کوشش کا ہر خاکہ مال ومتاع اور دنیا کی ترقی پر مشتمل ہوتا ہے، وہ لوگ دنیا ہی کو حاصل زندگی اور مہتم بالشان سمجھ لیتے ہیں ، اور آخرت کو دنیا کے مقابلہ میں لائق توجہ نہیں گردانتے۔

خالقِ دوجہاں نے انسانوں کی اس کمزوری اور غلطی کی اصلاح کیلئے کتابیں نازل کیں اور رسولوں کو بھیجا، جنہوں نے ہمہ وقت اصلاح کی کوشش کی مگر انسان ہمیشہ ناسمجھ بچوں کی طرح غلطی کرتا رہا۔

قرآن نے دنیا اور آخرت کی حقیقت کو بار بار مختلف انداز میں اسی لئے پیش فرمایا، تاکہ انسان فانی دنیا کی حقیقت سے آشنا ہوکر آخرت کی دائمی زندگی اور اس کی لافانی نعمتوں کے حصول کی فکر میں لگ جائے۔

چنانچہ فرمایا گیا بَل تؤثِرُوْنَ الحیٰوۃَ الدُّنیا وَالاٰخِرَۃُ خَیرٌ وَّ اَبقَیٰ ، اِنَّ هٰذَا لَفِیْ الصُّحُفِ الاولیٰ، صُحُفِ اِبْرَاهِیْمَ وَمُوْسیٰ (پ۳۰،سورہ اعلیٰ آیت ۱۹)

آخرت دنیا کے مقابلہ میں بہتر اور لافانی ہے ، پھر بھی دنیا وی زندگی کو (آخرت پر) ترجیح دیتے ہو، جب کہ یہ (واضح پیغام) پہلے صحیفوں اور ابراہیم وموسیٰ کے صحیفوں میں (بھی) موجود ہے۔

ایک جگہ سرمایۂ زندگی کی بے وقعتی اور آخرت کی بہتر زندگی کو یوں بیان کیا گیا قُلْ مَتَاعُ الدُّنیا قَلِیلٌ وَالاٰخِرَۃُ خَیرٌ لِمَنِ اتَّقیٰ (النساء پ۴، آیت ۷)

اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ دنیا کا سرمایہ تو بہت قلیل ہے، اور آخرت بہتر ہے پرہیز گاروں کیلئے۔

﴿دنیا کی زندگی چند دنوں کا کھیل تماشہ ہے﴾

قرآن نے دنیا کی حقیقت کو اس طرح بیان کیا، وَمَا الحَیٰوۃُ الدُّنیَا الا لَعِبٌ وَلَھُوٌ ، وَلَلدَّارُ الاٰخِرَۃُ خَیرٌ لِّلَّذِینَ یَتَّقُونَ ، اَفَلا تَعقِلُونَ. (پ۶، انعام، آیت۳۲)

اور دنیاوی زندگی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ بس کھیل، تماشا ہے۔ اور آخرت کا گھر ہی بہتر ہے ان لوگوں کیلئے جو پرہیزگاری کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں، کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے۔

اور تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے۔ انَّمَا الحَیٰوۃ الدُّنیا مَتَاعٌ وَاِنَّ الاٰخِرَۃَ ھِیَ دَارُ القرار (پ۴، المومن، آیت۳۹)

یہ دنیاوی زندگی (اور یہاں کا سب سازوسامان) تو بس چند دنوں کے استعمال کیلئے ہے، اور آخرت ہی اصل رہنے کی جگہ ہے۔

مگر کیا کہا جائے دنیوی زندگی کی بے ثباتی سے واقف ہونے کے باوجود انسان دنیا کی زندگی پر اس طرح مطمئن اور مگن ہے، جیسے یہی اس کا اصل ٹھکانا ہے۔ حالانکہ دولت کی فراوانی، رزق کی کشادگی، دنیاوی زندگی کا عیش وآرام، خوشی اور مسرت کے ایام سب ناپائیدار ہیں، اور آخرت کے مقابلہ میں ان کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔

﴿آخرت کے مقابلہ میں دنیا کیا ہے؟﴾

پڑھئے قرآن کی اس آیت کو تا کہ معلوم ہو جائے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حیثیت کیا ہے؟ اَللّٰہُ یَبسُطُ الرِّزقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقدِرُ، وَفَرِحُوا بِا لحَیٰوۃِ

الدُّنیا وَمَا الحَیٰوۃُ الدُّنیَا فِی الاٰخِرَۃِ الَّا مَتَا عٌ. (پ۱۳،الرَّعد،آیت۲۶)۔
اللہ کشادہ کرتا ہے روزی جس کو چاہے اور تنگ کرتا ہے، اور وہ فریفتہ ہیں دنیا کی زندگی پر، اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے آگے، مگر متاعِ حقیر۔

حدیث پاک میں ہے. عَنْ مُستورد بن شدّادقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْل اللّٰہ صَلّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمْ یَقُوْل وَاللّٰہِ مَا الدُّنیَا فِی الاٰخِرَۃِ الامثلَ مَا یَجْعَلُ اَحَدُکُمْ اِصْبَعہٗ فِی الْیَمّ فَلْیَنْظُرُ بِمَ یَرجِعُ. (مسلم شریف)۔
مستورد بن شداد سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنی ایک انگلی دریا میں ڈال کر نکالے، اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ کر آتی ہے۔

دنیا آخرت کے مقابلہ میں اتنی ہی بے حیثیت ہے، جتنا دریا کے مقابلہ میں انگلی میں لگا ہوا پانی، یہ تو آپ ﷺ نے سمجھانے کیلئے ایک مثال بیان کی ہے، ورنہ درحقیقت دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں یہ نسبت بھی حاصل نہیں ہے، دنیا اور دنیا کی ہر چیز محدود و متناہی ہے، اور آخرت اس کی ہر چیز لامحدود و لامتناہی ہے، اور ریاضی کا یہ مسلم قاعدہ ہے کہ محدود و متناہی اور لامحدود و لامتناہی کے درمیان کوئی نسبت نہیں ہوتی۔

آخرت لافانی اور لازوال حقیقت ہے دنیا فانی اور دھوکہ کا سرمایہ ہے وَمَا الحَیٰوۃُ الدُّنیَا الاّ مَتَاعُ الغَرُروُ (پ۲۰)۔ دنیاوی زندگی تو بس دھوکہ کا سرمایہ ہے
شیخ المرسلین حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں لوگ نقل کرتے ہیں، کہ جب ان کے پاس ملک الموت ان کی روح کو قبض کرنے کیلئے آئے، تو اس وقت وہ طوفان سے پہلے اور طوفان کے بعد ایک ہزار سال زندگی گذار چکے تھے۔ ملک الموت

نے ان سے پوچھا! نبیوں میں سب سے طویل عمر پانے والے اے نبی! آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ تو فرمایا جیسے ایک گھر، کہ اس کے دو دروازے ہیں، ان میں سے ایک سے داخل ہوا، اور دوسرے سے نکل آیا۔

خواہ یہ قصہ صحیح ہو یا نہ ہو، تاہم اس کو ایک ثابت شدہ حقیقت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، وہ موت کے وقت عمروں کے مختصر ہونے کو سمجھے گا، اسی طرح قیامت کے قائم ہونے کے وقت بھی اس کو فوت شدہ زندگی اور متاع زندگی بہت مختصر نظر آئے گی۔ (الوقت فی حیاۃ المسلم ص:۹) ارشاد باری ہے كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا (سورہ النازعات، پ۳۰، آیت ۴۶)

جو اس سے ڈرتا ہو، اس کو دیکھیں گے، تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا صرف ایک دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں رہے ہیں دوسری جگہ فرمایا گیا، وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْآ اِلَّا سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ (سورہ یونس، پ ۱۱، آیت ۴۵) اور ان کو وہ دن یاد دلایئے، جس میں اللہ تعالیٰ ان کو اس کیفیت سے جمع کرے گا، کہ وہ گویا سارے دن کی ایک آدھ گھڑی رہے ہوں گے۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔

﴿ دنیا کی حقیقت فرمانِ نبی ﷺ کی روشنی میں ﴾

حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمْ مَرَّ بِجَدْيٍ اَسَكَّ مَيِّتٍ فَقَالَ اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنَّ هٰذا لَهٗ بِدِرْهَمٍ؟ فَقَالَوا مَا نُحِبُّ اَنَّهٗ لَنَا بِشَيْءٍ قَالَ فَوَ اللّٰهِ لَلدُّ نيا اَهْوَنُ عَلىٰ اللّٰهِ مِنْ هٰذا عَلَيْكُمْ (مسلم شریف)۔

رسول اللہ ﷺ کا گذر بکری کے ایک بوچے (بن کان کے) مردہ بچے پر ہوا جو راستے میں مراپڑا تھا، اس وقت آپ کے ساتھ جو لوگ تھے، ان سے آپ نے فرمایا، تم میں سے کوئی اس مرے ہوئے بچے کو صرف ایک درہم میں خریدنا پسند کرے گا؟ انہوں نے عرض کیا، ہم تو اس کو کسی قیمت پر خریدنا پسند نہیں کریں گے آپ ﷺ نے فرمایا، قسم ہے خدا کی، کہ دنیا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل اور بے قیمت ہے، جتنا ذلیل اور بے قیمت تمہارے نزدیک یہ مردار بچہ ہے۔

اس مثال سے ہر ذی شعور دنیا کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے لیکن جس نے دنیا کی خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہے، ایسے شخص کیلئے اس مثال میں بھی کوئی سبق نہیں، کیونکہ اس کی نظر میں دنیا سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں، اور یہ دنیا پرستی خود دنیا کی حقیقت کو سمجھنے کیلئے مانع بن جاتی ہے۔

قرآن کہتا ہے: اَفَرأیت مَنِ اتَّخذَ اِلٰھَهٗ ھواهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلیٰ عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلیٰ سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلیٰ بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ یَّھْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْن. (پ۲۵، جاثیہ، آیت ۲۳)

آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی، جس نے اپنا خدا، اپنی خواہشِ نفسانی کو بنا رکھا ہے، اور خدا تعالیٰ نے اسکو سمجھ بوجھ کے باوجود گمراہ کردیا (کہ حق کو سنا اور سمجھا بھی، مگر نفسانی خواہش کی پیروی میں گمراہ ہوگیا) اور (خدا تعالیٰ نے) اس کے کان اور دل پر مہر لگادی اور اسکی آنکھ پر پردہ ڈال دیا (یعنی نفس پرستی کی وجہ سے قبول حق کی صلاحیت کمزور تر ہوگئی) تو ایسے شخص کو اللہ کے سوا کون راہ پر لائے، تو کیا تم

(ان بیانات کوسن کر) پھر بھی نہیں سمجھتے۔

﴿دنیا کے بجائے آخرت کے طلبگار بنو﴾

حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاهُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِهٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَهُ اَضَرَّ بِدُنْیَاهُ فَاٰثِرُوْا مَا یَبْقٰی عَلٰی مَا یَفْنٰی (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

جو شخص دنیا کو اپنا محبوب ومطلوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کو نقصان پہونچائے گا، اور جو کوئی آخرت کو محبوب بنائے گا وہ اپنی دنیا کا نقصان کریگا لہٰذا عقل ودانش کا تقاضا یہی ہے کہ فنا ہونے والی دنیا پر باقی رہنے والی آخرت کو اختیار کرے۔

اور یہ فطری بات ہے کہ انسان کو جو چیز محبوب ہوتی ہے، اسی کو حاصل کرنے کی دُھن اس پر سوار رہتی ہے۔ اگر دنیا محبوب ہے، تو اسی کی جستجو، اسی کی فکر ہمہ وقت پیش نظر ہوگی، آخرت سے اس کا رشتہ یا تو ہوگا ہی نہیں یا ہوگا تو بہت کمزور ہوگا۔ اور اگر آخرت سے محبت ہے تو اس کی تمام تر توجہ آخرت کے کاموں پر ہوگی۔ اور دنیا سے تعلق بقدر ضرورت ہوگا۔

﴿دنیا اور دنیا کی ہر چیز ملعون ہے﴾

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلَا اِنَّ الدُّنْیَا مَلْعُوْنَةٌ وَمَلْعُوْنٌ مَّا فِیْهَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ اَوْ عَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ. (ترمذی وابن ماجہ شریف)۔

ترجمہ: خبردار! دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، اس پر خدا کی پھٹکار اور اسکے لئے رحمت سے محرومی ہے، سوائے خدا کی یاد کے، اور ان چیزوں کے جن کا خدا سے کوئی تعلق اور واسطہ ہے، اور سوائے عالم اور متعلم کے۔

دنیا اپنے انجام کے لحاظ سے اس قدر ذلیل ہے کہ اللہ کی وسیع رحمت میں بھی اس کا کوئی حصہ نہیں، البتہ اس دنیا سے جو اللہ کی یاد سے معمور ہو، یا جن چیزون کا رشتہ اللہ کی یاد سے جڑا ہوا ہو، یا پھر جو علم دین کے عالم یا متعلم ہوں، بس وہی رحمتِ حق کے مستحق ہیں۔

بظاہر حدیث میں چار چیزوں کے علاوہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز کو ملعون کہا گیا ہے، لیکن انہیں میں ایک نسخہ کیمیا بھی ہے، جس کے ذریعہ دنیا کی ہر چیز اور ہر قسم کے اسباب و وسائل دین بن جائیں۔ اور وہ ہے مَا وَ الاہ ، یعنی ہر وہ اسباب جو اللہ کی یاد اور اس کے ذکر سے وابستہ ہو، گویا دنیائے ملعون کو مَاوَالاہ میں داخل کر دیں تو پھر وہ بھی سبب قرب ہو جائے گی، اس سے بڑھ کر نسخۂ کیمیا اور کیا ہوگا کہ مَا وَالاہ کے واسطے سے لعنت کو رحمت اور بعد کو قرب میں بدل دیا گیا۔

مولانا روم اسی مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

عین آں تخئیل راحکمت کند عین آں زہر آب راشربت کند

آں گماں انگیز را ساز دیقیں مہر ہا رویا کند از اسباب کیں

عین اس خیال کو حکمت کر دیتے ہیں، عین اس آبِ زہر کو شربت کر دیتے ہیں اس گماں انگیز کو یقین میں تبدیل کر دیتے ہیں، اور اسباب کینہ سے محبتیں پیدا کر دیتے ہیں، اور کیمیا اسی کا تو نام ہے، کہ خیال حکمت بن جائے، آبِ زہر شربت بن جائے

گمان یقین میں تبدیل ہو جائے۔ کینہ کے اسباب سے محبت پیدا ہو جائے اور جب ملعون دنیا مَـا وَالاہ میں داخل ہو جائے، تو اسباب دنیا بھی دین و آخرت بن جائیں۔ وَهُوَ الحكيم الخبير.

گویا، دنیا کے وہ تمام واسباب ووسائل جن کا تعلق اللہ کی رضا اور دین ہدیٰ سے کسی بھی درجہ میں ہو وہ سب رحمت کے مستحق ہیں۔

سر اٹھا کر بھی دُعا مانگنا جائز ہے مگر
سجدہ کر لیجئے ، تاثیر بدل جائے گی

﴿دنیا اگر مقصود بن جائے، تو گناہوں سے بچنا ممکن نہیں﴾

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: هَـلْ مِـنْ اَحَـدٍ يَـمْشِـى عَـلـىٰ الـمَـاءِ الاّ ابتَـلَّـتْ قَـدَمَـاه؟ قَـالوا لا! يَارَسُوْلَ الله، قَالَ كذالِک صَاحِبُ الدُّنيا لَا يَسْلَمُ مِنَ الذُّنوبِ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)
کیا کوئی ایسا ہے کہ پانی پر چلے اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں؟ عرض کیا گیا! حضور ایسا نہیں ہوسکتا۔ آپ نے فرمایا: اسی طرح دنیا دار گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو دنیا سے اس کو اس طرح بچاتا ہے، جس طرح تم میں سے کوئی اپنے مریض کو پانی سے بچاتا ہے۔ (جب پانی اس کو نقصان پہونچائے) عَنْ قَتَادة بن نـعمان انَّ رسـول الـلّٰـه صلى الله عليه وسلّم قَال اِذا اَحبَّ الله عَبْداً حَماه الدُّنيا كَما يَظِلُّ اَحَدُكُم يَحمِىْ سَقِيْمَهُ المَاءَ. (رواہ احمد والترمذی)

دنیا سے اگر محبت ہو جائے تو آخرت سے غفلت اس کا لازمی نتیجہ ہوگی، کسی مسافر کو اگر سرائے پسند خاطر ہو جائے، تو پھر منزل کا تصور ہی اس کیلئے خواب و خیال بن کر رہ جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے فرمایا:

قَالَ اَخَذَ رَسُوْلَ اللهِ صَلّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم بِمَنکَبَیَّ فَقَالَ کُن فِی الدُّنیا کَانّکَ غَرِیبٌ اَوْ عَابِرُ سبیلٍ (بخاری شریف)۔

رسول اللہ ﷺ نے میرے دونوں مونڈھوں کو پکڑ کر فرمایا دنیا میں اس طرح رہو جیسے تو پردیسی ہے یا راہ چلتا مُسافر!

﴿دنیا اور آخرت پر حضورؐ کا ایک مؤثر خطاب﴾

عَنْ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِیَّ صَلّی اللّٰه عَلَیْه وَسَلَّمَ خَطَبَ یَوْماً فَقَالَ فِی خُطْبَتِهٖ اَلاَ اِنَّ الدُّنْیَا عَرَضٌ حَاضِرٌ یا کل مِنه البَرُّ وَ الفَاجِرُ اَلاَ وَاِنَّ الاٰخِرَةَ اَجَلٌ صَادِقٌ وَیَقْضِیْ فِیْهَا مَلِکٌ قَادِرٌ اَلا وَاِنَّ الخَیْرَ کُلَّهٗ بِحَذا فِیرِهٖ فی الجَنَّةِ اَلاَ وَاِنَّ الشَّرَّ کُلَّهٗ بحَذا فَیْرِهٖ فِی النَّارِ اَلاَ فَاعْمَلوا وَاَنْتُم مِنَ اللّٰهِ عَلیٰ حَذرٍ وَاعْلَمُوا اَنَّکُم مُعْرَضُوْنَ عَلیٰ اَعْمَالِکُمْ فَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْراً یَّرَه وَمَنْ یَّعْمَلْ مَثْقَالَ ذَرَّةٍ شرَّایَّرَه. (مسند امام شافعی)۔

حضرت عمرو بن عاص سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور اپنے اس خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ سنو! دنیا ایک وقتی اور نقد سامان ہے جس سے ہر ایک نیک و بد کو کھانے کا سامان ملتا ہے۔ سنو! (اور یقین کرو) کہ آخرت وقت مقرر پر آنے

والی سچی حقیقت ہے، اور سب کچھ قدرت رکھنے والا شہنشاہ اسی میں (جزاء وسزاء کا) فیصلہ کرے گا۔

سنو! ساری خوشگواری اور خیر اور اس کی تمام قسمیں جنت میں ہیں، اور سارا شر اور دکھ اور اسکی تمام قسمیں دوزخ میں ہیں، تو خبر دار رہو کہ جو کچھ تم کرو، اللہ سے ڈرتے ہوئے کرو (یعنی آخرت کے انجام کو پیش نظر رکھو) اور یقین کرو! کہ تم اپنے اپنے اعمال کے ساتھ اللہ کے حضور میں پیش کئے جاؤ گے، پس جس شخص نے کوئی ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر بھی کوئی برائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

حضور ﷺ کے خطاب کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ انسان آخرت کے انجام سے بے فکر ہو کر زندگی نہ گذارے اور اپنی نفسانی خواہشات اور دنیا کی فانی لذّتوں کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بنائے، آپ ؐ نے ہر اس چیز سے اپنی اُمّت کو آگاہ فرمایا، جو آخرت سے غفلت کا سبب بن جاتی ہیں، جیسے دنیا کی مشغولیت، جاہ و منصب کی چاہت، مال و دولت سے محبت، خواہشاتِ نفسانی کی متابعت اور لمبی لمبی آرزوئیں اور تمنائیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو دنیا میں اُخروی زندگی کیلئے مہلک اور غفلت میں ڈالنے والی ہیں

اک طلسمات کی دنیا ہے یہ زندانِ حیات
جو پھنسا دام میں پھر اس کو نکلتے نہ بنی (اقبال سہیل)

محسن انسانیت ﷺ کے اقوال کی روشنی میں مزید اس حقیقت کو سمجھئے۔

○○○

﴿دنیا سے زیادہ محبت نہ کرو﴾

رسول اللہ ﷺ نے جن دو بیماریوں کو بہت زیادہ خطرناک بتلایا، ان میں سے ایک خواہشات نفسانی کی پیروی اور دوسرے طویل آرزوؤں کی فراوانی ہے۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا أَتَخَوَّفُ عَلٰى اُمَّتِيْ الھوىٰ وَطُولُ الاَمَلِ ، اَمَّا الھَوىٰ فَيَصُدُّ عَنِ الحقِّ وَاَمَّا طُوْلُ الاَمَلِ فَيُنْسِيُ الاٰخِرَۃَ وَھٰذَا الدُّنْيَا مُرْتَحِلَۃٌ ذَاھِبَۃٌ وَھٰذِہِ الاٰخِرَۃُ مُرْتَحِلَۃٌ قَادِمَۃٌ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنھُمَا بَنُوْنَ فِاِنْ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لا تكونوا مِنْ بني الدُّنيا فَافْعَلوا فَاِنَّكُمُ اليومَ في دَارِ العَمَلِ وَلاَ حِسَابَ وَاَنتم غداً فِي دَارِ الاٰخِرَۃِ وَلا عَمَلَ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی امت پر جن بلاؤں کے آنے سے ڈرتا ہوں، ان میں سے سب سے زیادہ ڈر کی چیز ہویٰ اور طولِ امل ہے (یعنی خواہشات کی پیروی اور لمبی لمبی امیدیں)۔

ہویٰ اور ہوس تو قبولِ حق سے روک دیتی ہے اور طول اَمل آخرت کو بھلا دیتا ہے اور یہ دنیا تو لمحہ لمحہ گذرتے ہوئے چلی جارہی ہے اور آخرت بڑھتے ہوئے چلی آرہی ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں، پس اے لوگو! اگر تم سے ہوسکے تو دنیا سے لپٹنے والے اس کے بچے نہ بنو۔ پس ایسا کرسکو تو کرلو، اس لئے کہ آج تم دار العمل میں ہو (یعنی محنت اور کمائی کی جگہ پر ہو) یہاں کوئی حساب نہیں (یعنی جزاء وسزا نہیں) اور کل تم دارِ اخرت میں ہوگے وہاں (حساب ہوگا) عمل نہیں۔

سننے والے گوشِ عبرت ہی نہیں ورنہ یہاں
نبضِ ہستی کی ہراک جنبش میں ہے شورِ رحیل (اقبال سہیل)

آج ہے وقت عمل، فردا حساب روز وشب
کام کی ہوگی نہیں، اس وقت کوئی بھی سبیل (ساجدالاعظمی)

﴿دنیا کیا ہے؟﴾

دنیا صرف اس جہان کا نام ہے جو آسمانوں کے اندر محصور ہے، آسمانوں سے اوپر آخرت کا مقام ہے (شیخ محی الدین ابن عربی) آسمانوں سے ڈھکی ہوئی وسیع وعریض کائنات، محیر العقول، عجیب الخلقت مخلوقات، خوفناک وہوش ربا مناظر، نشانِ عبرت محلات ومقامات، بیشمار قدرت کے حسین شاہکار، باغ وبہار، جمادات ونباتات، بحر وبر، چشمے اور آبشار، فلک الافلاک اور اس کی سرعتِ رفتار، اور اللہ ربُّ العزت کی لامحدود نعمتیں، جو زمین کے اوپر اور نیچے بکھری ہوئی ہیں، اسی کا نام دنیا ہے، کسی نے کہا

دنیا جسے کہتے ہیں بچوں کا کھلونا ہے
مل جائے تو مٹی ہے کھو جائے تو سونا ہے

جس دنیا کو حاصل کرنے کیلئے انسان بچوں کی طرح حیران وپریشان ہوتا ہے، اور جب دنیا کی وہ عزیز تر شئی اس کو مل جاتی ہے تو وہ خوش ہوکر اپنی قسمت پر ناز کرنے لگتا ہے، مگر تھوڑی دیر کیلئے، پھر اس کی نظروں میں اس سے بہتر کی جستجو، حاصل شدہ محبوب شئی کو اس قدر بے قیمت بنا دیتی ہے، جیسے کبھی اسکے دل میں اس کی خواہش ہی نہ تھی۔

دنیا اور دنیا کی محبت ہر لمحہ زوال آشنا ہے، اس کے باوجود دنیا سے محبت انسان کی فطرت ہے۔ اور اس محبت میں فاطر السمٰوٰت والارض کی بیشمار حکمتیں پنہاں ہیں۔

﴿دنیا سے محبت انسانی فطرت ہے﴾

کاشتکار کو کاشتکاری سے، باغبان کو باغبانی سے، ملازم کو ملازمت سے، تاجر کو تجارت سے، دوکاندار کو دوکانداری سے، کارخانیدار کو کارخانہ سے اور ہزاروں، لاکھوں قسم کے پیشوں سے جڑے ہوئے لوگوں کو اگر اپنے اپنے کاموں سے محبت نہ ہوتی، تو پھر سوچئے! دنیا کیسی ہوتی، اس کا نظام کیسے چلتا؟

کیا کھانے کو غذائیں اور اقسام وانواع کے پھل ملتے، کیا فیکٹریاں اور کارخانے چلتے؟ کیا درآمد و برآمد کیلئے جہاز اور ٹرینیں ہوتیں، مال کو اِدھر سے اُدھر منتقل کرنے کیلئے کیا مزدور اور سواریاں ملتیں، بارش، گرمی سردی سے حفاظت کیلئے کیا مکان ومحلات اور فلک بوس عمارتیں تعمیر ہوتیں۔

غرض: چھوٹے سے چھوٹا، اور بڑے سے بڑے کام کا ہونا، اسی محبت کا نتیجہ ہے، جو حکیم وخبیر نے انسان کی فطرت میں ودیعت کر رکھا ہے، اور اسی محبت کے نتیجہ میں، کوئی سرد موسم کی یخ بستہ ہواؤں میں پوری رات آنکھوں میں کاٹ دیتا ہے، تو کوئی موسم گرما کی ناقابل برداشت دھوپ میں بھاگ دوڑ اور مزدوری کر رہا ہے، تو کوئی اپنی مرغوب ومحبوب چیز کو حاصل کرنے کے شوق میں ہر رنج وتکلیف بخوشی گوارا کر رہا ہے، اور یہ سب کچھ اس لئے پسند خاطر ہو جاتا ہے، کہ اس سے اس کو رغبت

ومحبت ہے۔اور.....ع.....از محبت تلخہا شیریں شوند۔ محبت کی وجہ سے تلخ چیزیں بھی میٹھی ہو جاتی ہیں۔

پھر جب کسی انسان کے دل میں کسی بڑے مقصد کے حصول کی تڑپ اور لگن پیدا ہو جاتی ہے، تو بڑی سے بڑی ہر مشکل اور ہر مصیبت بھی اس کے لئے راحت بن جاتی ہے۔

رنج ، راحت شد، چوں مطلب شد بزرگ

جب مقصود عظیم ہوتا ہے تو رنج ومحن میں بھی یک گونہ لذت کا احساس ہونے لگتا ہے اور فرہاد کی طرح ''ہر ضرب تیشہ ساغرِ کیف وصال دوست''، کی لذت لئے ہوتا ہے۔ دنیا اور دنیا کی چیزوں کی طرف انسان کا طبعی میلان اور محبت بھی '' الدُّنیَا خُلِقَتْ لَکُمْ '' (دنیا تمہارے لئے بنائی گئی ہے) کے فلسفہ پر مبنی قدرت کی فیاضیوں کا ایک حصہ ہے، اسی فلسفہ میں دنیا کی ہمہ جہت ترقی اور تمدنِ عالم کی بقاء کا راز مضمر ہے، اور اس بات کا اظہار بھی ہے کہ دنیا کی تمام تر نعمتیں صرف اہل ایمان کیلئے ہیں، اس لئے ان نعمتوں کو حاصل کرنا اور ان سے حتی المقدور فائدہ اٹھانا بھی مؤمن کی زندگی کا ایک اہم حصہ ہے۔

مگر یہ بات ذہن نشین رہے کہ دنیا اگر چہ آپ کیلئے بنائی گئی ہے لیکن آپ کو دنیا یا متاعِ دنیا کیلئے نہیں بنایا گیا، بلکہ اِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلآخِرۃِ آپ کو آخرت کیلئے بنایا گیا ہے۔

دنیا کو لامحدود نعمتوں کی جلوہ گاہ بنا دینے اور زمین کو انواع واقسام کے لالۂ وگل

سے سجا دینے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ان نعمتوں کو حاصل زندگی سمجھ لیا جائے۔ ہاں! ان نعمتوں کو اپنی ضرورتوں کے مطابق حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش ضرور کی جائے۔ اور دنیا میں باوقار زندگی گذارنے کے ہر جائز طریقہ کو بروئے کار لایا جائے۔ تاکہ کامیابی کی راہیں استوار ہوسکیں، اور زندگی کی خوشگواریاں ہمارا مقدر بن سکیں۔

حدیث پاک میں ہے۔ كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْراً ، محتاجی کفر تک پہونچا دیتی ہے۔

اس لئے شریعت نے کسب مال کو انسان کیلئے فریضہ بھی بتایا اور مال کمانے کا حکم بھی دیا۔ قرآن کہتا ہے، فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوْا اللّٰهَ كَثِراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْن (پ۲۸، جمعہ، آیت۱۰)

جب نماز پوری کرلو تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا رزق تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو تاکہ تم مراد کو پہونچو۔

لہٰذا: انسان کو چاہئے کہ مالک الملک کے حکم کے مطابق روزی حاصل کرنے کی فکر میں لگ جائے، مگر چونکہ دنیا اپنے جھمیلوں اور رنگینیوں کے ساتھ آتی ہے اور سامان غفلت بھی ساتھ لاتی ہے اور پھر دنیا سے محبت بھی انسانی فطرت ہے، اس لئے یہ بھی ہدایت کی گئی وَاذکروا اللّٰہ کثیراً کہ دنیا کی فکر کے ساتھ خالق ارض وسماء کو ہمیشہ یاد رکھو، اسی میں زندگی کی کامرانی ہے۔

اپنے خالق و مالک کو بھول کر اگر دنیا کی تمام نعمتیں بھی حاصل ہو جائیں، تب بھی اس پر کامیابی کا لیبل چسپاں نہیں کیا جاسکتا، آپ ﷺ نے فرمایا الدُّنیا دَارُ مَنْ

لا دارَلَهٗ وَلَهَا یَجمَعُ مَنْ لَا عَقلَ لَهٗ (مشکوۃ۵۲۱۱۔درمنثور۶،۳۴۱)

دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر (کوئی) نہیں اور اس کو وہی جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں، سوچیئے! آدمی اپنی خواہش کے مطابق خوبصورت مکان بناتا ہے، اور بڑے فخر سے کہتا ہے "یہ میرا گھر ہے" شبانہ روز انتھک محنت کر کے مال اور سرمایہ جمع کرتا ہے، اور پھر کہتا ہے یہ میرا مال اور میری جائیداد ہے۔

غور کر کے بتائیے! اپنا گھر کس کو کہتے ہیں؟ جس سے کوئی باہر نہ نکال سکے، اور اپنا مال کس کو کہتے ہیں؟ جس میں کسی دوسرے کو تصرف کا اختیار نہ ہو۔

مگر ہوتا کیا ہے؟ جس کو وہ اپنا گھر کہہ رہا تھا، ایک دن ایسا آتا ہے جب لوگ اس کو اس کے گھر سے نکال، باہر کر کے گورِ غریباں میں پہونچا دیتے ہیں اور جس کو وہ اپنا مال اور اپنی جائیداد کہہ رہا تھا۔ اس کا وہ مال وسرمایہ بھی دوسروں کے قبضہ وتصرف میں چلا جاتا ہے۔ پھر کبھی جیتے جی بھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی زندہ تو ہے مگر معذور ومجبور، کچھ نہیں کرسکتا، ایسی صورت میں یا تو مال وجائیداد دوسروں کے حوالہ کر دیتا ہے یا دوسرے لوگ، مال وجائیداد پر قبضہ کر لیتے ہیں، اور بعض دفعہ تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کھانے، پینے کی چیزوں سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

تو آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر نہیں اور مال کو وہی جمع کرتا ہے جس کے پاس عقل نہیں۔ کس قدر مبنی بر حقیقت ہے، کہ دنیا کو گھر کہنے والا یا تو خود زندگی میں یا پھر موت کے بعد بے گھر ہو جاتا ہے، اور مال بھی یا تو زندگی میں یا موت کے بعد دوسروں کا ہو جاتا ہے۔ اور حیات مستعار کا کوئی بھروسہ نہیں، زندگی کی

ہر سانس کا معاملہ تو یہ ہے کہ شاید.....ع

ہمیں نفس ، نفسِ واپسیں بود
یہی سانس آخری سانس ہو

استاذ نے ، شاگرد سے پوچھا ، دنیا میں اموات کی شرح کیا ہے ، شاگرد نے جواب دیا سو فیصد ، استاذ نے کہا وہ کیسے؟ شاگرد نے جواب دیا۔ کہ دنیا میں جو بھی پیدا ہوتا ہے وہ ایک دن مر جاتا ہے۔ غرض یہ کہ موت ہر ایک کا مقدر ہے۔ تو پھر موت کے بعد اس کے حصہ میں کیا باقی رہا۔

اب آپ یہ بات سمجھ لیں کہ آپ کا اپنا مال کیا ہے؟ حدیث پاک میں ہے یَقُوْلُ ابنُ اٰدم مَالِیْ مَالِیْ ، وَھَل لَکَ مِنْ مَالِکَ اِلَّا مَا اَکَلْتَ فَاَفْنَیْتَ اَوْلَبِسْتَ فَاَبْلَیْتَ اَوْ تَصَدَّقْتَ فَاَمْضَیْتَ وَمَا سِویٰ ذَالِکَ فَذاھِبٌ اَوْ تَارِکُهُ لِلنَّاس (ابن کثیر و قرطبی بروایۃ مسلم و ترمذی)

آدم کے بیٹے کہتے ہیں ، میرا مال : میرا مال : اور کیا ہے تمہارا مال؟ مگر وہی جو تم نے کھا کے ختم کر دیا ، یا پہن کے پرانا کر دیا ، یا اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا ، اور اس کے سوا جو مال ہے ، وہ تمہارے ہاتھ سے چلا جائے گا ، یا تم اس کو لوگوں کیلئے چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔

فی الحقیقت مالکِ ہر شئی خداست
ایں امانت چند روزہ نزد ماست

درحقیت کائنات کی ہر چیز کا مالک تو خدا ہے ، اور جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ چند روز کیلئے بطور امانت کے ہے۔

﴿دنیا کی چند محبوب چیزوں کا تذکرہ﴾

رب کائنات نے انسان کی فطرت کوخوبصورت بنایا ہے، چونکہ وہ خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، ساری کائنات اسی کے دستِ قدرت کا حسین شاہکار ہے، اس کے دل فریب مناظر و محاسن میں اس کی بے مثل صنعت گری کی نمود فطرت انسانی کیلئے کشش کا باعث ہے، ہر اچھی چیز سے محبت انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔قرآن نے چند محبوب چیزوں کا تذکرہ اپنے بلیغ انداز میں اس طرح فرمایا: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبُ (پ۳،آل عمران،آیت۱۴)

فریفتہ کیا ہے لوگوں کومرغوب چیزوں کی محبت نے ، جیسے عورتیں ،اور بیٹے ،اور خزانے جمع کیئے ہوئے سونے اور چاندی کے،اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے اور مویشی اور کھیتی، یہ فائدہ اٹھانا ہے،دنیا کی زندگی میں،اور اللہ ہی کے پاس ہے اچھا ٹھکانا۔

قرآنی حُسنِ بلاغت نے ان چند چیزوں کی محبت میں بالواسطہ دنیا کی ساری محبتوں کوذکر کردیا۔

حکایات: کہتے ہیں ایک بادشاہ تھا، اس کا ایک بیٹا تھا، اس کوشاہی نظام اور رکھ رکھاؤ سے کوئی دل چسپی نہ تھی، اس کا رہن سہن، بودو باش سب کچھ گنواروں کی طرح تھا لوگوں نے بادشاہ کو عار دلایا، اس کا اسطرح رہنا آپ کیلئے بدنامی کا سبب بن

رہا ہے، آپ اس کو بلا کر سمجھائیے، کہ وہ ذرا سلیقہ سے رہے، بادشاہ نے اسکو بلوایا اور اس سے کہا، کرتا پہن کر رہو، اس نے کہا، کرتے کے ساتھ پائجامہ بھی چاہیئے بادشاہ نے کہا وہ بھی ملے گا، اس نے کہا پھر تو جوتا بھی چاہیے، بادشاہ نے کہا وہ بھی ملے گا، اس نے کہا پھر تو سواری بھی چاہیئے، بادشاہ نے کہا وہ بھی ملے گی۔ اور پھر مکان بھی چاہیئے بادشاہ نے کہا وہ بھی موجود ہے، پھر نوکر بھی چاہیئے، کھانے پینے کا سامان بھی چاہیئے، بادشاہ نے کہا سب کچھ ملے گا۔ بس تم سلیقہ سے رہو۔

جس طرح شہزادے نے ایک کرتہ کیلئے ساری چیزوں کی ضرورت محسوس کی اسی طرح ان چند مخصوص چیزوں کی محبت میں دنیا کی تمام چیزوں سے محبت کا ہو جانا بالکل بدیہی امر ہے۔

پھر ان تمام چیزوں سے مطلق محبت قابلِ مذمت بھی نہیں، ہاں: ان کی محبت کے مقتضاء پر عمل کرنا مذموم ہے۔ دنیا کی حرص و محبت کے ہوتے ہوئے، اس کے تقاضے سے روگردانی کرنا بھی کمال تقویٰ ہے

شہوتِ دنیا مثال گلخن است

کہ از وحمامِ تقویٰ روشن است

دنیا کی طلب اور خواہش مثل انگیٹھی کے ہے، کہ اسی سے تقویٰ کا حمام روشن ہے۔

جب ان تمام چیزوں کو ہمارے لئے مزین کر دیا گیا ہے، تو اس سے محبت تو ہوگی اور محبت کے نتیجہ میں انکو پانے کی خواہش اور کوشش بھی ہوگی اور ان کے ملنے پر یقیناً خوشی بھی ہوگی۔

جب کسریٰ کا پایۂ تخت مدائن فتح ہوا تو بیشمار دولت کے خزانے مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور وہ جب مسجد نبوی میں لاکر ڈھیر کر دئے گئے۔ تو اس کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے دعاء کی اور عرض کیا۔ اے اللہ! ہم یہ تو دعا نہیں کرتے کہ ہم کو مال سے محبت نہ ہو، اور نہ یہ عرض کرتے ہیں کہ اس کے آنے کی ہم کو خوشی نہ ہو جب آپ نے خود اس کو ہمارے لئے مزین فرما دیا ہے، تو ہم کو اس سے محبت بھی ہوگی اور اس کے ملنے پر خوشی بھی ہوگی۔ بس ہم یہ دعاء کرتے ہیں کہ اس کی محبت کو اپنی رضا کا وسیلہ بنا دیں۔

مال کی محبت مطلقاً مذموم نہیں، بلکہ ایک درجہ اس کا مطلوب بھی ہے۔ مثلاً اتنی محبت، جس سے مال کی حفاظت کا اہتمام ہو سکے، اسلئے کہ مال کا ضائع کرنا حرام ہے اگر مال سے کسی درجہ میں بھی محبت نہ ہوگی، تو وہ مال کی ناقدری کرے گا، اور مال کو برباد کر دے گا، جس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا، اِنَّ اللّٰہ کَرِہَ لَکُمْ قِیْلَ وَقَالٍ وَ کثرۃ السُّوالِ وَاِضَاعَۃَ المَالِ (الترغیب والترھیب ۳:۷۔ مسند احمد بن حنبل ۴:۲۴۹)

قیل وقال، کثرت سوال، اور اضاعتِ مال اللہ کو پسند نہیں۔

اس لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مال سے طبعاً محبت بھی ہے، اور اس کے آنے پر مسرت بھی ہے۔ مگر عملاً وعقلاً دعاء یہ ہے کہ اے خدا اس کو اپنی خوشنودی کا ذریعہ بنا دیں۔

دنیا سے محبت کس حد تک مطلوب ہے

دنیا سے محبت اور اس کی حرص کس حد تک ہو، اس کا معیار اور اس کا پیمانہ کیا ہو، قرآن نے اسکی حقیقت اس طرح بیان کی۔

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَاءُ کُمْ وَاَبْنَاءُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَازوَا جکُمْ وَعَشِیْرتکُمْ وَاَمْوَالُ نِا قْترفتُموْهَا وَتجَارةٌ تخشَوْ نَ کسَادَهَا وَمَسَاکِنَ ترضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِی سَبِیْلِهٖ فَتَربَّصُوْا حَتّٰی یَأْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (پ:۱۰، التوبہ آیت۲۴)

آپ کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمایا ہے اور وہ تجارت جس کی نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہے، اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو، تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں، تو تم انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے۔

جب دنیا کو انسان کیلئے آراستہ کر دیا گیا، اور اسکی محبت بھی انسان کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی، تو پھر نہ تو اس کی محبت سے انحراف ممکن ہے اور نہ ہی اس کی محبت سے منع فرمایا گیا ہے۔ بلکہ کہا گیا کہ دنیا تو تمہارے لئے ہی بنائی گئی ہے، تو اس کو حاصل کرنا بھی نعمائے الٰہیہ کی قدر دانی کے ہم معنیٰ ہوگا۔ شاید اسی لئے کسب حلال پر **فریضۃٌ بعد الفریضۃ** کی مہر لگا دی گئی۔

کسب مال ہو یا حرصِ دنیا اس لئے مطلوب ہے کہ بہت سے اعمالِ صالحہ کا حصول اور بہت کچھ حقوق کی ادائیگی، اور بہت سی نیک آرزوں اور دلی تمناؤں کی تکمیل مال پر ہی موقوف ہے، اسی لئے تو پوری دنیا کو خطاب کر کے کہا گیا وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ کہ تم چل پھر کر اللہ کا رزق تلاش کرو۔

﴿کسب دنیا اور حُبّ دنیا میں فرق﴾

کسب حلال تو ایک فریضہ ہے اور حبِّ دنیا کی ایک حد مقرر ہے۔ جب دنیا سے محبت، آخرت سے غفلت کا سبب بن جائے، جب دنیا کی محبت دین پر غالب آجائے۔ جب دنیا کی محبت کا اہتمام، دینی کام کی محبت سے بڑھ جائے۔ پھر اسی طرح جب دنیا سے محبت دنیا کیلئے کی جائے، یا کسب مال محض دنیا کیلئے کیا جائے تو یہ سب مذموم ہیں۔ پھر جب دنیا کی چیزوں سے محبت کا جنون آخرت سے غافل کردے اور دین کی محبت سے زیادہ ہوجائے تو یہ رب ذوالجلال کے غضب کا باعث ہے۔

غور کریں! ماں، باپ، بھائی، بہن، بیوی، بچے، خاندان اور قبیلے، مال اور جائیداد سے کس کو محبت نہیں، اوران سے محبت بھی دین کا ایک حصہ ہے، لیکن جب دنیاوی تعلقات، دین کے تقاضوں اور اللہ و رسول کی محبت پر غالب آجائیں، تو پھر یہ قانون سب کے لئے ہے۔ فَتَرَبَّصُوا حتّٰی یَأْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ یعنی منتظر رہو اللہ کے فیصلہ کا۔

اس آیت میں ان لوگوں کو مخاطب کیا گیا جو مکہ سے ہجرت فرض ہونے کے وقت دنیاوی تعلقات کی محبت میں ہجرت سے باز رہے، ان سے کہا گیا، پھر اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ آیت کا شانِ نزول اگرچہ خاص ہے، لیکن اس کا حکم سب کو عام ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس جگہ حکم سے مراد، حکم عذاب ہے کہ جن لوگوں نے دنیوی تعلقات پر اُخروی تعلقات کو قربان کر کے ہجرت نہ کی، ان پر اللہ کا حکم عذاب عنقریب آنے والا ہے، یا تو دنیا ہی میں ان پر عذاب آئے گا، ورنہ آخرت کا عذاب تو یقینی ہے۔

صحیحین میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اولاد اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

ترمذی اور ابوداؤد میں حضرت ابوامامہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی سے دوستی کی تو اللہ کیلئے، اور دشمنی کی تو اللہ کیلئے، جس نے کسی کو دیا تو اللہ کیلئے اور خرچ کرنے سے رکا تو اللہ کیلئے تو اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص میں یہ تین خصلتیں پائی جائیں، اس کو ایمان کی حلاوت حاصل ہو جاتی ہے۔

(۱) ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو جائے (۲) دوسرے یہ کہ وہ کسی اللہ کے بندے سے صرف اللہ ہی کیلئے محبت کرے۔ (۳) تیسرے یہ کہ کفر وشرک اس کو آگ میں ڈالے جانے کے برابر محسوس ہو۔

یہ ہے دنیا کی چیزوں سے محبت کا پیمانہ، اور جس نے اس تقاضے پر عمل کیا، دنیا اور آخرت کی کامیابی نے اس کی قدم بوسی کی۔

دنیا کی حقیقت کیا ہے؟

رب العالمین نے دنیا کی حقیقت کو مثال کے ذریعہ اس طرح بیان فرمایا، کہ اگر انسان اس پر سنجیدگی سے غور کرلے تو دنیا کی حقیقت اس پر واضح ہو جائے، ارشاد باری ہے۔

اِعْلَمُوٓا انَّمَا الحيوٰة الدُّنيا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بينكمْ وَتكَاثُرٌ فِي الاموالِ وَ الا ولاد، كَمَثلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الكفَّار نباتُهٗ ثُمَّ يَهِيجُ فَتراهُ مُصْفَرّاً ثُمَّ يَكُون حُطَاماً ، وَفِي الاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَّ مَغْفِرَةٌ مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ، وَمَاالحيٰوة الدُّنْيَآ اِلَّا متاعُ الغُرُوْرِ (پ۲۷،حدید،آیت۱۸)

تم خوب جان لو: کہ دنیاوی حیات وہ محض لہو ولعب اور زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال واولاد میں ایک کا دوسرے سے زیادہ بتلانا ہے (اسکی مثال ایسی ہے) جیسے مینہ (برستا) ہے کہ اس کی پیداوار کاشتکار کو اچھی معلوم ہوتی ہے، پھر وہ خشک ہوجاتی ہے، سو اسکو تو زرد دیکھتا ہے، پھر وہ چورا چورا ہوجاتی ہے، اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور (اہل ایمان کیلئے) خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے، اور دنیا کی زندگانی محض دھوکہ کا سامان ہے۔

قرآن کی اس آیت پر غور کریں تو یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے تک، دنیوی زندگی کا مکمل اور مرتب فلسفہ اور خاکہ کس قدر خوبصورت انداز میں پیش فرمایا گیا ہے۔ دنیا کی زندگی کا خلاصہ بالترتیب کچھ اشیاء اور کچھ حالات ہیں۔ پہلے لَعِبْ ، پھر لہو، پھر زینت، پھر تفاخر، پھر مال واولاد کی کثرت پر فخر وناز، لَعِبْ وہ کھیل ہے جس میں فائدہ مطلق پیش نظر نہ ہو، جیسے چھوٹے بچوں کی حرکتیں، اور لہو وہ کھیل ہے جس کا اصل مقصد تو تفریح ہے، دل بہلانا، وقت گذاری کا مشغلہ ہونا، ضمنی طور پر ورزش اور دوسرا فائدہ بھی اس سے حاصل ہوجاتا ہے، جیسے بڑے بچوں کے کھیل کود، گیند بازی، شناوری، نشانہ بازی وغیرہ، حدیث میں نشانہ بازی اور تیراکی کو اچھا کھیل کہا گیا ہے۔

زینت بدن اورلباس وغیرہ تو معروف ہی ہیں، ہرانسان پر یہ مختلف دور آتے ہیں عمر کا بالکل ابتدائی دورتو لعب میں گذرتا ہے،اس کے بعدلہوشروع ہوتا ہے،اسکے بعداس کواپنے تن بدن اورلباس کے ذریعہ زینت کی فکر ہونے لگتی ہے،اس کے بعد ہم عصروں اورہم عمروں سے آگے بڑھنے اوران پرفخر وناز کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔

غورکریں تو وہ اپنے ہر دور میں ،اپنے اُسی کام کوسب سے زیادہ بہتر سمجھتا ہے پھر جب دوسرے دور میں قدم رکھتا ہےتو پہلے دور کی لغویت سامنے آجاتی ہے۔

بچہ جن چیزوں اور کھیلوں کوسرمایہ زندگی اورسب سے قیمتی چیز سمجھتا تھا، جب اس دور سے آگے بڑھتا ہے۔تو اس پر یہ حقیقت کھلتی ہے کہ اس وقت ہم نے جن چیزوں کوسب سے اہم سمجھا تھا وہ وقت کی بربادی کے سوا کچھ نہ تھے۔

بچپن میں **لَعِبُ** ، پھر **لَھُو** میں مشغول رہا، جوانی میں زینت اورتفاخر کا مشغلہ مقصودرہا۔زندگی نے جب بڑھاپے کی دہلیز پرقدم رکھاتو **تکاثر فی الاموال والاولاد** کا دورشروع ہوااوراس پرخوش ہوتا رہا،لیکن جیسے جوانی میں بچپن کی حرکتیں لغومعلوم ہونےلگیں، بڑھاپے میں پہونچ کر جوانی کی حرکتیں بیکاراورلغونظرآنے لگیں ،جب آخری منزل بڑھاپا آیاتو اس وقت مال کی بہتات، اولاد کی کثرت وقوت، جاہ ومنصب پرفخر سرمایۂ حیات اورمقصودزندگی بن گیا،مگر یہ بھی ختم ہوکراگلا دور برزخ پھر قیامت کا شروع ہوگا،اسکے بعداعمال کی بنیاد پر جنت اور جہنم کا فیصلہ ہوگا،اس وقت مثال مذکورمیں ہر دور کے مشاغل کا لغوہونا ،سمجھ میں آجائے گا۔اس لئے جنت کی طلب اورجہنم سے بچنے کی فکرکوہی مقصودزندگی بنائے تا کہ حسرت وافسوس اور پچھتاوانہ ہو۔

❖❖❖

﴿نباتات اور کھیتی سے انسان کی مثال﴾

اس مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ کھیتی اور دوسری نباتات جب ہری بھری ہوتی ہیں تو دیکھنے والوں کو بھلی لگتی ہیں، پھر وہ خشک ہونا شروع ہوتی ہیں، پہلے زرد ہوتی ہیں، پھر خشک ہوکر چورا چورا ہوجاتی ہیں، اور پھر اپنا وجود کھو بیٹھتی ہیں۔

یہی مثال انسان کی ہے، بچپن سے جوانی تک کا دور تازگی، رعنائی اور حسن وجمال کا ہوتا ہے، پھر رفتہ رفتہ بڑھاپا آتا ہے، جو آہستہ آہستہ بدن کی تازگی، فربہی اور حسن وجمال کا خاتمہ کردیتا ہے اور پھر ایک دن پیوند خاک ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد کافر کیلئے عذاب شدید اور مومن کیلئے اللہ کی طرف سے مغفرت اور رحمت کا فیصلہ ہوجاتا ہے۔ انسان اگر اپنی ابتداء سے لیکر انتہاء تک کے مراحل پر غور کرے تو وہ خود اس نتیجہ پر پہونچ جائے گا کہ دنیا کی زندگی محض سراب ہے، دنیا کا نفع کیا ہے؟ **قُل مَتَاعُ الدُّنيَا قَلِيْل** کہہ دیجئے دنیا کا نفع اٹھانا تھوڑا ہے، دنیا کی زندگی کیا ہے؟ **وَمَا هٰذِهِ الحيوٰة الدُّنيا الاَّ لَهْوٌ وَّلَعِب** (العنکبوت، آیت ۶۴) اور یہ دنیوی زندگی لہو لعب کے سوا اور کچھ نہیں۔

﴿لہو ولعب کیا ہے؟﴾

لہو ولعب: اگرچہ مترادف نظر آتے ہیں، لیکن دونوں میں قدرے فرق ہے **لَعِبٌ** کہتے ہیں لغو اور فعل عبث کو، اور **لَهْو** کہتے ہیں غفلت میں ڈالنے والی بات کو دنیاوی زندگی کا جو مقصد ہے اس سے غافل کرنے والی چیز کو لہو ولعب سے تعبیر کیا گیا

ورنہ اللہ نے کوئی چیز نکمی اور بیکار پیدانہیں کی۔

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی بُرانہیں قدرت کے کارخانے میں

چنانچہ ارشاد باری ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذا باطلاً (ال عمران، آیت ۱۹۱)۔

اے ہمارے رب آپ نے اس کولایعنی پیدانہیں کیا۔

معلوم ہوا کہ مخلوقات خداوندی میں کوئی چیز بیکار اور عبث نہیں، البتہ فائدوں کا تعین سب سے اہم معاملہ ہے، اور اسی میں غلطی ہوسکتی ہے، دنیا کی کوئی چیز بھی فائدے سے خالی نہیں، انسان اس کے فوائد سے اپنی ضروریات پوری کرتا ہے، لیکن ہم نے ان تمام منافع میں بعض منافع کو جو کہ واقعی منافع تھے نظر انداز کردیا، اور دنیا کے منافع کا انحصار صرف ان منافع میں کردیا جو حظِّ نفس اور لذتوں سے لبریز تھے، جب کہ وہ منافع عارضی، ناپائیدار اور چندروزہ تھے۔

اس کی مثال یوں سمجھیں: جیسے کوئی مسافر کسی متعین ٹرین سے سفر کرنے کیلئے اسٹیشن پر آئے اور انتظار کے دورانیہ میں گانا سننے لگے، اور اسکے مزے میں اس قدر کھو جائے کہ توجہ دلانے پر بھی اسکی طرف متوجہ نہ ہو، اور اسکی مطلوبہ ٹرین آئے اور چلی بھی جائے تو لوگ یہی کہیں گے کہ اس نے ایک بیکار کام کی وجہ سے ٹرین چھوڑ دی، حالانکہ اس کو گانا سننے میں بہت مزہ آرہا تھا، اور مزا بھی تو ایک فائدہ ہے، لیکن چند لمحہ کی وقتی لذت پر مقصود اصلی کو قربان کردینے کی وجہ سے لوگوں نے اس کو بیکار اور فضول کام سے تعبیر کردیا۔

بالکل اسی طرح دنیاوی زندگی کے ایسے ہی منافع کو جو مقصود اصلی اور آخرت

سے غفلت کا سبب ہوں، لہو ولعب کہا گیا۔

خالقِ کائنات نے انسان کو مقصود اصلی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا،

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثاً وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (پ، المؤمنون، آیت ۱۱۵)

کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم نے تم کو عبث اور لغو محض پیدا کیا ہے، اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ زندگی کے اصل مقصد کو پیش نظر رکھا جائے اور دنیوی زندگی پر غور وفکر کرتا رہے، کہ آخر دنیا کیا ہے؟ اور دنیا کی حقیقت کیا ہے؟ ایک شاعر نے کسی عقل مند سے دنیا کا حال پوچھا تو اس نے جواب میں کہا۔

حال دنیا را پرسیدن من از فرزانۂ
گفت یا خوابے است یا بادے است یا افسانۂ
باز گفتم حالِ آنکس گو کہ دل در وے بہ بست
گفت یا غولے است، یا دیوے است یا دیوانۂ

ایک عقلمند سے میں نے دنیا کے بارے میں پوچھا، تو اس نے کہا، دنیا ایک خواب ہے یا ایک ہوا ہے یا ایک افسانہ ہے۔

پھر میں نے اس شخص کے بارے میں پوچھا، جس نے اس دنیا میں دل لگایا، تو اس نے کہا، کہ یا تو وہ ایک خیالی جنّاتی مخلوق ہے یا ایک دیو ہے، یا پاگل ہے۔

اے اہل نظر، ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شئی کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

لاریب اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ عقلمند نے دنیا اور طالبِ دنیا کی جو

تصویر کشی کی ہے۔ خوب بہت خوب!

مگر یہی بات، اللہ والے سے سنئے! آدمی دنیا سے دل تو نہ لگائے، مگر دنیا کی طرف کامل توجہ رکھے، تا کہ اس کی حقیقت آشکارا ہو، چونکہ دنیا محاسن وزخارف سے مزین ہے، مگر اس کی تہہ داریوں میں کیا ہے؟ اسی کو سمجھنے کیلئے قرآن نے **تفکر فی الدنیا والآخرۃ**، دنیا اور آخرت میں تفکر کا حکم فرمایا ہے، **کذالک یُبَیِّنُ اللّٰہ لَکُم الاٰیٰتِ لَعَلکُم تَتفکَّرُوْن، فِی الدُّنیا والاٰخِرَۃِ**. (پ۲، البقرہ، ۲۱۹، ۲۲۰)

دنیا اور آخرت کی حقیقت میں غور کرو، تا کہ دنیا کے محاسن میں مستور خرابی کا پتہ لگ جائے اور آخرت کے ظاہری مکارہ ومصائب میں پوشیدہ اندر کا حُسنِ دلفریب، دل ودماغ میں رچ بس جائے۔ اور اس کے نتیجہ میں، دنیا سے استغناء اور طلب آخرت کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

دنیا کی حالت کیا ہے؟

ایک بزرگ کا ارشاد ہے **حَلالُھَا حسابٌ وَحَرامُھَا عَذابٌ**، دنیا کی حالت یہ ہے کہ اس کا حلال کا حصہ تو حساب سے خالی نہیں، اور حرام پر عذاب ہوگا، گویا اس (دنیا) کا کوئی حصہ بھی تکلیف سے خالی نہیں۔ (دنیا وآخرت ۳۰۱)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے۔

دنیا کی تمام لذتیں، ماکولات، مشروبات وملبوسات اور نساء میں منحصر ہیں۔

(دنیا وآخرت ص ۳۰۱)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دنیا کے حقیر ہونے کی مثال دیتے ہوئے

فرمایا۔ اَشْرَفُ لِبَاسِ بَنِی اٰدم لُعَابُ دُوْدَةٍ وَاشرف شَرابِہٖ رَجیع نَحْلَةٍ ۔انسان کا بہترین لباس (ریشم)، اس کائنات کے چھوٹے سے کیڑے کالُعاب ہے، اور اس کا نفیس لذت بخش مشروب (شہد) مکھی کا فضلہ ہے۔ (معارف القرآن ج۵،ص۲۶۶)

امام غزالیؒ نے فرمایا، دنیا آخرت کے مقابلے میں تو قابل نفرت ہے لیکن اس سے قطع نظر وہ خود اپنی حالت ذاتیہ پر نظر کر کے بھی قابلِ نفرت ہے، کیونکہ طالب دنیا کوئی راحت میں نہیں ہے۔ (دنیاوآخرت ص:۳۰۲)

دنیا کی دولت معیار فضیلت نہیں

دنیاداروں کی ظاہری ٹیپ، ٹاپ دیکھ کر انسان حسرت کرنے لگتا ہے کہ کاش میرے پاس بھی اتنی دولت ہوتی۔قرآن نے اس کا اظہار قارون کے سلسلے میں اس طرح فرمایا: فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَا اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوتُوا الْعِلْمَ وَیْلَکُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحاً وَلَا یُلَقّٰهَا اِلا الصّٰبِرُوْنَ (پ۲۰،قصص،۷۹،۸۰)

پھر وہ نکلا اپنی قوم کے سامنے، اپنے ٹھاٹ سے، کہنے لگے جو لوگ طالب تھے دنیا کی زندگی کے، اے کاش! ہم کو ملا ہوتا، جیسا کچھ ملا ہے قارون کو، بیشک اس کی قسمت بڑی ہے، اور بولے جن کو ملی تھی سمجھ، اے خرابی تمہاری، اللہ کا دیا ثواب بہتر ہے ان کے واسطے جو یقین لائے اور کام کیا بھلے، اور یہ بات انہیں کے دل میں پڑتی ہے جو سمجھنے والے ہیں۔

جو لوگ دولت کو فضیلت کا معیار سمجھتے ہیں، دراصل وہ اس کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ اسی وجہ سے کفار مکہ نے حضور پاک ﷺ کی رسالت کے سلسلہ میں کہا تھا، کہ مکہ اور طائف کے کسی بڑے مال دار کو نبی کیوں نہیں بنایا گیا، تو اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ مال و دولت کی زیادتی پر کسی کو نبوت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ مال و دولت ہماری نظر میں اس قدر حقیر ہیں کہ اگر تمام لوگوں کے کافر بن جانے کا اندیشہ نہ ہوتا، تو ہم ان پر سونے اور چاندی کی بارش کر دیتے۔

قرآن کہتا ہے وَلَوْلا ان یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَاحِدَةً لَّجعَلْنَا لِمَنْ یَکفُرُ بالرَّحْمٰنِ لِبُیُوتِهِمْ سُقُفاً مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارج عَلَیهَا یَظْهَرُون، وَلبیوتهِمْ اَبْوَاباً وَّسُرُراً عَلَیْهَا یَتَّکؤن، وَ زُخْرُفاً وَاِن کُلُّ ذَالِکَ لمَّا مَتَاع الحیٰوةِ الدُّنیا، والاٰخِرَةُ عِنْد رَبِّکَ للمتقین. (پ۲۵، زخرف، آیت ۳۵)

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ہو جائیں ایک دین پر، تو ہم دیدیتے ان لوگوں کیلئے جو خدا کے منکر ہیں، ان کے گھروں کے واسطے چھت چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر چڑھیں، اور ان کے گھروں کے واسطے دروازے اور تخت جن پر تکیہ لگا کر بیٹھیں سونے، چاندی کے، اور یہ سب کچھ نہیں، مگر دنیا کی زندگی کا سامان ہے کہتے ہیں کہ ''خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے'' اگر منکرین خدا کے پاس سونے، چاندی کی سیڑھیاں اور چھتیں ہوتیں، دروازے اور تخت ہوتے، مال و دولت کی بہتات ہوتی، تو ہر شخص اسی راستے پر چل پڑتا، آخرت کا تصور بھی اس کے ذہن میں نہ آتا۔

جس طرح قارون کی شان وشوکت، اس کی بود و باش، اسکی بے پناہ دولت، اس کے ٹھاٹ، باٹ کو دیکھ کر لوگوں نے کہا، کاش اس قدر مال ہم کو بھی مل جاتا، یہ تو بڑے نصیب والا ہے۔

اللہ اس قدر مال تو سب کو دیدیتا، اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں، اور نہ ہی دنیا اور متاع دنیا کی اس کے نزدیک کوئی قیمت ہے، کہ اس کے دینے میں تأمّل ہوتا۔ چنانچہ ترمذی شریف کی ایک روایت ہے۔ لَوْ کانتِ الدُّنیا تَعْدِ لُ عِنْد اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقیٰ کافِراً مِنها شُرْبَةَ مَاءٍ. (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پَرُ کے برابر بھی درجہ رکھتی، تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا۔

دوسرے یہ کہ وہ اگر رزق کے دروازے سب پر کھول دیتا تو زمین فساد سے بھر جاتی۔ وَلَو بَسَطَ اللّٰهُ الرزقَ لِعبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الارض اگر اللہ اپنے بندوں پر رزق کشادہ کر دیتا، تو وہ زمین میں بغاوت کر جاتے، پہلی بات تو یہ کہ کوئی کسی کا محتاج نہ ہوتا، ہر شخص دوسرے سے بے نیاز ہوتا۔

دوسرے یہ کہ آپس میں اُنس ومحبت کا علاقہ مفقود ہوتا، دنیا کی حرص وہوس دوسروں کے مال وجائیداد پر قبضہ کیلئے اُکساتی، جس کے نتیجے میں فتنۂ وفساد رونما ہوتے اور دنیا مصیبت کا گھر بن جاتی، اور تمدن عالم فنا ہو کر رہ جاتا۔

❖❖❖

﴿باغی قوموں کا تذکرہ اوران کا انجام﴾

چندقوموں کا تذکرہ جن کواللہ رب العزت نے بَسْطَةً فِي الجِسم والمال کی نعمت سے نوازا۔رزق کی کشادگی کے ساتھ شوکت وسطوت بھی ان کوعطا کی جس کی وجہ سے تمردوتکبر،ظلم وتعدّی اور بغاوت وسرکشی،ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی۔ان میں سے کچھ کاذکرقرآن نے سورہ فجر میں اس طرح فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَاد ، اِرَمَ ذَاتِ العِمَاد، اَلَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِيْ البِلادِ ، وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوْا لصَّخْرَ بِالْوَادِ ، وَفِرْعَوْنَ ذِيْ الاَوْتَادِ ،الَّذِيْنَ طَغَوْا فِيْ البِلادِ ، فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الفَسَاد ، فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَاب. (پ،۳۰سورہ فجر آیت۵تا۱۳)

قوم عاد جوڈیل ،ڈول ،قدوقامت میں ستون وعمود کی طرح بے پناہ قوت وطاقت کے مالک تھی،جن کے مثل دنیا بھر کے شہروں میں کسی کو پیدانہیں کیا گیا،اسی طرح سے قوم ثمود، وادی القریٰ میں (جوحجاز وشام کے درمیان میں واقع ہے) پہاڑوں کوتراش کرکے مکانات بنایا کرتے تھے۔اس سے ان کی قوت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اسی طرح فرعون کی سفّا کی اورظلم وبربریت جواپنی دولت وسلطنت کے نشے میں بدمست ہوکرجس کوسزادیتااس کے چاروں ہاتھ، پاؤں کوچارمیخوں سے باندھ کرسزادیتاتھا۔

یہ سب کچھ پرسنالٹی،خوش حالی اور طاقت کی زیادتی کا ہی تونتیجہ تھا،انہوں

نے شہروں میں سر اٹھایا، اوران میں بہت فساد بر پا کیا۔ تو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا، اور پھر انہیں سامان عبرت بنا دیا۔

﴿قارون کا انجام﴾

قارون، جو بقول حضرت ابن عباس موسی علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا، اور توریت بھی اس کو بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ یاد تھی، مگر دنیا کی دولت ومنصب کا بیجا حریص تھا، بنی اسرائیل کی قیادت وسیادت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام ان کے وزیر اور شریک نبوت تھے، حسد نے اس کو موسیٰؑ کے خلاف سازش پر اُبھارا، مال ودولت نے اس میں کبر ونخوت پیدا کی، بنی اسرائیل کے ساتھ حقارت وذلت آمیز طریقے سے پیش آتا، بقول سعید بن مسیّب، قارون سرمایہ دار آدمی تھا، فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کی نگرانی پر مامور تھا۔ امارت اور عہدے کے نشے میں اس نے بنی اسرائیل کو ستایا۔ (قرطبی)

دولت ومنصب کے غرور میں ظلم وزیادتی، نبی وقت کے حکم سے سرتابی اور مخالفت کی گرم بازاری کی وجہ سے عذاب الٰہی میں گرفتار ہوا۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ق وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ، وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ج لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ط وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ. (پ۲۰، قصص، آیت۸۱،۸۲)

پھر دھنسا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں، پھر نہ ہوئی کوئی جماعت جو اس کی مدد کرتی اللہ کے سوا، اور نہ وہ خود مدد لا سکا۔ اور صبح کے وقت کہنے لگے، جو کل شام آرزو کرتے تھے، اس کے سے درجہ کی۔ ارے خرابی! یہ تو اللہ کھول دیتا ہے روزی، جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور تنگ کر دیتا ہے، اگر احسان نہ کرتا ہم پر اللہ: تو ہم کو بھی دھنسا دیتا۔ اے خرابی! یہ تو چھٹکارا نہیں پاتے کافر۔

آخرت کو بھول کر دنیا کے پیچھے بھاگنے والے، غور تو کریں، کہ دنیا میں ترقی کی چوٹیوں کو سر کرنے والوں، مال و دولت کے خزانوں سے گھر بھرنے والوں اور طاقت وقوت کے جنون میں اترانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ کیا ان کی دولت وسلطنت کام آئی؟ کیا دل وجان سے محبت کرنے والے لوگ ان کو ذلت کی موت سے بچا سکے۔

﴿انسان کیا ہے؟﴾

ایک شخص اتراتا ہوا چل رہا تھا، یہ دیکھ کر ایک بزرگ نے اسکو نصیحت کی، میاں اکڑ کر نہیں چلتے، تواضع اختیار کرنا چاہئے۔ کہنے لگا، نہیں جانتے ہم کون ہیں؟ فرمایا جانتا ہوں، اَوَّلُکَ نُطْفَۃٌ قَذِرَۃٌ وَّاٰخِرُکَ جِیْفَۃٌ مَذِرَۃٌ وَاَنْتَ بَیْنَ ذَالِکَ تَحْمِلُ العَذِرۃ.

اول تو تیرا یہ ہے تو ایک ناپاک نطفہ ہے، اور انجام تیرا یہ ہے کہ ایک دن مُردار ہو جائے گا، اور درمیانی حالت تیری یہ ہے کہ ڈھیروں گندگی اٹھائے پھر رہا ہے۔

غور کریں! ناپاک خون اور گندگی ہی انسانی زندگی کا سرمایہ ہے، انہیں کے وجود

سے انسان کا وجود ہے، خالق ومالک نے ان پر کھال کا خوبصورت غلاف چڑھا دیا ہے جس کی وجہ سے اس میں کشش اور شانِ محبوبیت پیدا ہوگئی، لیکن اگر کبھی کہیں سے کھال زخمی ہوکر پھٹ جاتی ہے، تو پھر آدمی کو اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں ہوتا۔

اللہ کی یہ بے مثل صنعت گری، انسان کو شکر پر ابھارتی ہے کہ اس نے اس قدر گندگی کے باوجود حسین وجمیل اور پاک وصاف بنا دیا انسان ظاہر کو دیکھتا ہے، اگر باطن پر نظر کرتا تو کبھی یہ نہیں کہتا کہ ''تم جانتے نہیں میں کون ہوں''۔ انسان اپنی زندگی کو دیکھتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس کی انتہاء موت ہے پھر بھی غفلت کا شکار ہے۔

کیا موت وحیات زمانے کا کھیل ہے؟

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی زندگی میں مرنا اور جینا تو لگا ہی رہتا ہے۔ وقت گذرتا رہتا ہے۔ شب وروز کی گردش، بچوں کو جوان کرتی ہے، پھر اُسے بوڑھا بناتی ہے، اور پھر خودکار طریقہ پر زمانہ اس کو موت کی آغوش میں پہونچا دیتا ہے، دنیا دار لوگ اسی ظن وتخمین کا شکار ہیں، نہ ان کے سامنے آخرت ہے، نہ ہی ان کو اس کا علم ہے کہ موت وحیات کا مالک اللہ ہے، اور موت کے بعد اس کے سامنے پیش ہونا ہے۔ ان کا گمان تو بس یہ ہے کہ دنیا کی زندگی بس یہی زندگی ہے، اس کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ اِنْ هُوَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْن ، اسی خیالی دنیا کو حقیقی سمجھ کر انہوں نے خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ قرآن کہتا ہے۔

اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَه هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰه عَلٰى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَة ط فَمَنْ يَهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ ط اَفَلَا تَذَكَّرُوْن ،

وَقَالُوْا مَاهِيَ الاَّ حَيٰوتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا الاَّ الدَّهْرُ ج وَمَا لَهُمْ بِذَالِکَ مِنْ عِلْمٍ ج ان هُمْ الاَّ يَظُنُّون. (پ۲۵،الجاثیہ،آیت۲۳،۲۴)

بھلا تو دیکھ! جس نے ٹھہرالیا اپنا حاکم اپنی خواہش کو اور راہ سے بچلا دیا اس کو اللہ نے علم کے باوجود، اور مہر لگادی اس کے کان پر اور دل پر، سو کیا تم غور نہیں کرتے، اور کہتے ہیں کچھ نہیں، بس یہی ہے جینا دنیا کا، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم جو مرتے ہیں، سو زمانے سے، اور ان کو کچھ خبر نہیں اس کی محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔

قرآن نے پہلے انسان کے اسی خیالی مفروضہ کو بیان کیا۔ پھر اس کے وجود کی ابتدائی کیفیت کو آشکارا کرتے ہوئے، غور وفکر کی اس طرح دعوت دی۔

وَيَقُولُ الانْسَانُ ءَ اِذا مَامِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حيّاً، اَولا يذكرُ الانسانُ اَنَّا خَلَقْنَاه مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَکُ شيئاً. (پ۱۶،مریم،آیت۶۶،۶۷)

اور کہتا ہے آدمی، کیا جب میں مرجاؤں گا تو پھر نکلوں گا زندہ ہوکر، کیا یاد نہیں رکھتا آدمی کہ ہم نے اس کو بنایا پہلے سے اور وہ کچھ چیز نہ تھا۔

ہم نہ تھے کل کی بات ہے فانی
کل نہ ہوں گے وہ دن بھی دور نہیں

انسان کو چاہئے کہ وہ غور کرے، اپنی ذات میں، نظام کائنات میں، اس کے وجود وعدم میں، دن ورات کے آنے جانے میں اور اس کے مستحکم اور غیر متبدل نظام میں، تو بلاشبہ اسکو یہ یقین حاصل ہوجائے گا، کہ کائنات کے سارے نظام کی باگ، ڈور خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے دستِ قدرت میں ہے، وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ

اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمَاتِ الاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ (پ ۷، انعام آیت ۵۹)۔ اور نہیں جھڑتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے، اور نہیں گرتا کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی ہری چیز اور نہ کوئی سوکھی چیز، مگر وہ سب کتاب مبین میں ہے۔ ،اَلَا لَهُ الخَلْقُ وَالاَمْرُ ، تبارک اللّٰه اَحْسَن الخَالِقِیْن (اعراف، آیت ۵۴)۔

سنو! اسی کا کام پیدا کرنا اور حکم فرمانا ہے، بڑی برکت والا ہے، اللہ جو رب ہے، سارے جہان کا۔

نظامِ کائنات، وجود اشیاء، تصرفات وتغیرات، موت وحیات، سب کچھ اسی کے قبضہ وتصرف میں ہیں۔ کب کیا حالات رونما ہوں گے، کسی کو نہیں معلوم، اسلئے دنیا کی فراخی اور کشادگی پر فخر و ناز نہ کرے اور نہ ہی دنیا کی نعمتوں اور نیرنگیوں میں اس قدر کھو جائے کہ مالک حقیقی کو بھول جائے اور آخرت کا تصور بھی دل ودماغ سے محو ہو جائے ، حالانکہ فانی دنیا کی تمام تر نعمتیں اور زینتیں جو حاصل ہیں وہ ایک آزمائش ہیں انّا جَعَلْنَا مَا عَلیٰ الارض زِیْنَةً لَهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً (پ۱۵ کہف، آیت ۶)

ہم نے بنایا جو کچھ زمین پر ہے، اس کی رونق، تا کہ جانچیں لوگوں کو، کہ کون ان میں اچھا کام کرتا ہے۔

انسان جب ارضی دنیا کی زینت ورونق، مال ودولت کی کثرت اور ناپائیدار دنیا کی منفعت کو حاصل زندگی خیال کر لیتا ہے، تو دنیا سے محبت اور اس سے اشتغال وانہماک، دن بدن بڑھتا چلا جاتا ہے، اس کے نتیجہ میں ہر بُرا عمل اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

اے پسر از آخرت غافل مباش ☆ با متاعِ ایں جہاں خوش دل مباش

در بلیّات جہاں صبّار باش ☆ گاہ نعمت شاکرو جبّار باش

صاجبزادے فکرآخرت سے غفلت میں نہ رہ، اس جہان کے سامانِ زینت سے دل بستگی نہ کر، دنیا کے سردوگرم پر راضی برضا رہ، اور ہمیشہ خدا کی نعمتوں کا شکرادا کرتا رہ۔

﴿دنیا کی محبت ہر بُرائی کی جڑ ہے﴾

حضور پاک ﷺ کا ارشادگرامی ہے حُبُّ الدُّنیَا رَاسُ کلِّ خَطِیئَۃٍ (کنزالعمال:۶۱۱۴ مشکوٰۃ شریف: ۲۵۱۳)۔ دنیا سے محبت تو بلاشبہ انسانی فطرت میں داخل ہے اور یہ مذموم بھی نہیں، اس کی حکمت بیان ہوچکی، ہاں اس کے تقاضوں پر عمل کرنا البتہ مذموم ہے، یہ اس لئے کہ دنیا سے محبت کا تقاضا بالعموم دینی کاموں کے اہتمام سے دور کردیتا ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا، دنیا کی محبت ہر بُرائی کی جڑ ہے۔

اب رہا سوال یہ کہ حُبّ دنیا کو تمام بُرائی کی اصل کیوں کہا گیا، دیکھئے! ایک شخص نماز نہیں پڑھتا تو اس کو حبّ دنیا سے کیا تعلق؟ ایک شخص کو دنیا سے بھی محبت ہو اور نماز بھی پڑھتا ہو، روزہ بھی رکھتا ہو، تو پھر حبّ دنیا کو تمام خطاؤں کی اصل کہنے کا کیا مطلب؟

لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی، کہ جس کے دل میں دنیا کی محبت ہوگی، اس کے دل میں آخرت کا اہتمام نہ ہوگا، نہ وہ برائیوں سے

بچے گا، جولوگ جرائم میں ملوث ہوتے ہیں، ان کے پیش نظر آخرت نہیں ہوتی، اگر آخرت کا تصور ذہن میں ہوگا تو برائی کا صدور ہی نہ ہوگا۔

مثال کے طور پر جس شخص کو مال سے محبت ہوگی، اس کے نزدیک مال ہی سب سے اہم ہوگا، اس کے علاوہ چیزوں سے بھی اس کو محبت ہے، مگر وہ ساری محبتیں مال پر قربان ہیں، اس بات کو سمجھانے کے لئے مولانا روم نے مثنوی میں ایک حکایت لکھا۔

﴿حکایت﴾

ایک شخص سفر میں چلا جارہا تھا، راستہ میں دیکھا کہ ایک کتا پڑا سسک رہا ہے، اورا یک آدمی اس کے پاس بیٹھا رو رہا ہے، مسافر نے اس شخص سے رونے کا سبب پوچھا اس نے کہا یہ کتا میرا بہت بڑا رفیق تھا، آج یہ مر رہا ہے، میں اس کے غم میں رورہا ہوں، پوچھا: اس کو کیا بیماری ہے کہا صرف فاقہ، یہ سن کر مسافر کو اس کی اور کتے کی حالت پر رحم آیا، قریب ہی ایک بورا بھرا ہوا تھا، مسافر نے کہا، میاں، اس میں کیا چیز ہے؟ اس نے کہا اس میں روٹیاں بھری رکھی ہیں۔ مسافر نے کہا، ظالم! کتے کے مرنے پر بیٹھا رو رہا ہے اور یہ نہیں ہوتا کہ اس بوری میں سے ایک روٹی نکال کر اس کو دیدے، کہنے لگا: جناب: مجھے اس قدر محبت نہیں ہے کہ اس کے لئے روٹیاں بھی خرچ کرنے لگوں، روٹیوں کے دام لگے ہیں، اور آنسو مفت کے ہیں۔

معلوم ہوا کہ دنیا سے محبت کے درجات مختلف ہیں، کتے سے بھی محبت ہے وہ

اس کا رفیق بھی ہے، اس کو مرتے دیکھ کر سسک بھی رہا ہے، مگر روٹی کی محبت اس پر غالب ہے۔

اسی طرح ایمان کے درجات بھی جدا جدا ہیں ۔ (۱) ایک درجہ تو صرف تصدیق ہے جب فکرِ آخرت اور ایمان اس درجہ میں ہو تو ایمان اور معاصی ایک ساتھ جمع ہوسکتے ہیں، یہ نفس تصدیق جہنم کے عذاب دائمی سے بچنے کا سبب ہوسکتی ہے مگر پوری نجات کا سبب نہیں بن سکتی۔

دوسرا درجہ ایمان کا، وہ کامل تصدیق ہے، جس پر کامل اثر مرتب ہو، یہ درجہ ایمان کا معاصی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا، جس شخص کو یہ مرتبہ حاصل ہو، اس سے گناہِ کبیرہ سرزد نہیں ہوسکتا، کیونکہ ایمان کامل ہر ہر قدم پر اس کو نافرمانی سے باز رکھے گا۔

اسی طرح جب حُبّ دنیا کامل درجہ کی ہوگی تو دین سے بےفکری بھی اسی درجہ کی ہوگی۔ اگر دنیا سے محبت کم درجہ کی ہوگی، تو دین سے بےفکری بھی کم درجہ کی ہوگی۔ مگر ہوگی ضرور۔ تو معلوم ہوا کہ دنیا سے محبت ہی ہر بیماری اور ہر گناہ کی جڑ ہے، دنیا سے محبت تو طبعی امر ہے، مطلق دنیا کی زندگی پر راضی ہونا تو معصیت و مذموم نہیں، کیونکہ دنیا کی زندگی سے کون ایسا ہے جو راضی نہیں؟ البتہ دنیا کی زندگی پر مطمئن ہو جانا اور اسی میں جی لگا کر بیٹھ جانا یہ مذموم ہے، کیونکہ جب دنیا دل کی قرارگاہ بن جائے گی تو آخرت سے بےفکری ہو جائے گی اور جب آخرت سے بےفکری ہوگی، تو کسی بھی گناہ کے ارتکاب سے کوئی چیز مانع نہیں ہوگی۔

❖❖❖

﴿دنیا سے محبت آخرت سے وحشت﴾

بادشاہ وقت سلیمان بن عبدالملک نے ابوحازم سے پوچھا: اے ابوحازم! یہ کیا بات ہے کہ ہم موت سے گھبراتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی آخرت کو ویران اور دنیا کو آباد کرلیا ہے، اسلئے آبادی سے ویرانہ میں جانا پسند نہیں۔ سلیمان نے جب دریافت کیا کہ ہمارے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ابوحازم نے فرمایا، مجھے اس سوال سے معاف رکھئے تو بہتر ہے، سلیمان نے کہا نہیں آپ کوئی ضرور نصیحت کا کلمہ کہیں۔

ابوحازم نے فرمایا: اے امیر المومنین! آپ کے آباء واجداد نے بزور شمشیر لوگوں پر تسلط کیا، اور زبردستی ان کی مرضی کے خلاف ان پر حکومت قائم کی، اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا، اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے، کاش! آپ کو معلوم ہوتا کہ اب وہ مرنے کے بعد کیا کہتے ہیں، اوران کو کیا کہا جاتا ہے۔

حاشیہ نشینوں میں سے ایک شخص نے، بادشاہ کے مزاج کے خلاف، ابوحازم کی اس صاف گوئی کو سن کر کہا کہ ابوحازم، تم نے یہ بہت بُری بات کہی۔

ابوحازم نے فرمایا، تم غلط کہتے ہو، بُری بات نہیں کہی، بلکہ وہ بات کہی، جس کا ہم کو حکم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علماء سے اس کا عہد لیا ہے کہ حق بات لوگوں کو بتلائیں گے چھپائیں گے نہیں وَاِذْاَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَهٗ. (پ۴، آل عمران ۱۸۷) یہی وہ بات ہے، جس کے لئے یہ طویل

حکایت امام قرطبی نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں درج کی ہے۔ (تفصیل کیلئے معارف القرآن، ج ا،ص ۸،۲۰۷ دیکھئے)۔

مگر افسوس! آج بالعموم علماء کی جماعت اپنی اس ذمہ داری اور عہد کو بھول گئی، تملّق اپنا شعار بنالیا، مصلحت کی چادر اوڑھ لی، حق بات نہ کہنے کی جیسے قسم کھالی، حُبّ جاہ اور منصب کو قابلِ قدر سمجھ لیا، اسی کی وجہ سے علمی درسگاہوں مذہبی اداروں اور ملی تنظیموں کے درمیان جھگڑے اور ہنگامے شروع ہو گئے۔ وااسفاہ! دولت وشہرت اور نام ونمود کیلئے جھوٹ اور فریب کا سہارا لیا جانے لگا، نام نامی، اسم گرامی کے ساتھ بہ قلم خود بے شمار عہدے اخبار کی زینت بننے لگے، حتی کہ مکروہات وبدعات بھی عارضی شہرت کیلئے کی جانے لگیں اور یہ سب کچھ حبّ جاہ اور حرص مال کے نتیجے میں ہونے لگا۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں، یوں تو دنیا کے بہت سے شعبے ہیں، مگر دو شعبے سب سے بڑے ہیں، مال اور جاہ۔ مال اور جاہ کو حاصل کرنے کیلئے اکثر لوگ معصیت سے نہیں بچتے، آخرت کو برباد کر لیتے ہیں، اور اگر یہ حضرت مولوی ہیں تو وہ معصیت کو طاعت اور دنیا کو دین بنانے کی کوشش کریں گے۔

افتخار اور ناموری کیلئے تو اپنے مال کا خرچ کرنا بھی حرام ہے، اور دوسروں کے مال سے نام کرنا تو اور اشد ہے۔ چنانچہ یہ کاروبار آج خوب عروج پر ہے، شہرت کی بہاریں اسی کے دم سے قائم ہیں۔ کیونکہ یہ بھی ایک دنیا ہے، اور دنیا کی زندگی ہر شخص کو محبوب ہے۔ دنیا سے محبت، انسان کی فطرت ہے، اور اس میں خالق کائنات کی بڑی حکمت ہے، اسلئے کہ دنیا ہی آخرت کی کھیتی ہے،'' **الدُّنیا مزرعة الآخرة**'' یہ حدیث بہت مشہور ہے۔ لیکن ملا علی قاری نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے، اور

علامہ سخاوی سے منقول ہے کہ میں اس پر مطلع نہیں ہوا، البتہ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس کا معنی صحیح ہے جو اللہ تعالیٰ کے فرمان مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ. (پ۲۵،شوریٰ،آیت۲۰) سے ماخوذ ہے۔

جوکوئی چاہتا ہو آخرت کی کھیتی، زیادہ کریں ہم اس کے واسطے اس کی کھیتی، اور جوکوئی چاہتا ہو دنیا کی کھیتی، اسکو دیویں ہم کچھ اس میں سے، اور اس کے لئے نہیں ہے آخرت میں کچھ حصہ۔

﴿ آخرت کی کھیتی ﴾

آخرت کی کھیتی کیا ہے؟''اعمال صالحہ''۔اس کا پھل کیا ہے؟''ثواب''۔اور اس میں ترقی اور زیادتی کیا ہے؟''ثواب مضاعف''۔جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ملے گا، بلکہ یہ بھی کہا گیا وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ.

اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو، اور اس کی جدوجہد، اس کے عمل کا مقصد صرف متاعِ دنیا ہو، آخرت کیلئے کوئی کوشش نہ ہو تو جو کچھ بھی اس کے لئے بدلہ ہے، وہ اس دنیا میں ہی ملے گا، آخرت میں اس کے لئے کچھ حصہ نہیں، کیونکہ اس کے لئے ایمان شرط ہے۔اور جن میں ایمان نہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

بشرطِ ایمان، دنیا ہی آخرت کی کھیتی ہے، اس لئے دنیا سے محبت بقدر ضرورت بھی ضروری ہے۔مگر یہ ذہن میں رہے کہ دنیا کی محبت آخرت کی محبت پر غالب نہ ہو اور اس کے ہر عمل میں آخرت کی محبت کا عنصر شامل اور کامل ہو، ارشاد خداوندی ہے

وَابْتَغِ فِيمَا اٰتٰکَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَکَ مِنَ الدُّنيا وَاحْسِنْ کَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْکَ وَ لَا تبغ الفَسَادَ فِی الاَرْضِ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْن. (پ۲۰،اَلْقَصَص ،ایت ۷۷)۔

اور جو کچھ تجھ کو اللہ نے دے رکھا ہے، اس میں آخرت کی بھی جستجو کیا کر، اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لیجانیکے لئے) فراموش مت کر، اور جس طرح خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر، اور (خدا کی نافرمانی اور حقوق واجبہ ضائع کر کے) دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو، بیشک اللہ تعالیٰ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا۔

یہ دنیا ہی آخرت کی جستجو کا مقام ہے، آخرت کے تمام تر درجات کا حصول اسی دنیا پر موقوف ہے۔ کیونکہ دنیا ہی دارالعمل ہے، اس لئے اوّلاً غفلت میں پڑ کر قیمتی وقت کو ضائع نہ کیا جائے۔

وقت اس قدر بیش قیمت ہے کہ جب عزرائیل علیہ السلام روح قبض کرنے کیلئے آجائیں گے، اگر اس وقت کوئی تھوڑی سی مہلت کیلئے پوری سلطنت بھی دینے کو تیار ہو جائے، تو بھی ایک منٹ کی مہلت نہ ملے گی۔

اِذا جَاءَ اَجَلُهُمْ لا يَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَةً وَلا يَسْتَقْدِمُوْن. (سورہ یونس ۴۹) جب ان کا وہ وقت آپہونچے تو ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔

ثانیاً: اس فانی اور ناپائیدار دنیا کی لذتوں کو زندگی کا حاصل نہ سمجھے، بلکہ دنیا سے آخرت کمانے میں لگ جائے۔ درحقیقت دنیا اور دنیا کی زندگی کا اصل مقصد یہی ہے۔

﴿عالم آخرت﴾

عالم آخرت کیا ہے؟ موت کے بعد کی دنیا عالم آخرت ہے، عالم برزخ، عالمِ نشر، عالمِ حشر، پھر جنت یا جہنم کی آخری دائمی زندگی۔

اُخروی زندگی کی کامیابی وکامرانی، ایمان اور عملِ صالح پر موقوف ہے، اور یہی دنیا کی حیاتِ مستعار کا خلاصہ ہے۔

وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (پ۲۰، القصص، آیت۶۰)۔

اور جو کچھ تم کو دیا دلایا گیا وہ محض (چندروزہ) دنیا کی زندگی کے برتنے کیلئے ہے اور یہیں کی (زیب و) زینت ہے (کہ خاتمہ عمر کے ساتھ اسکا بھی خاتمہ ہوجائیگا) اور جو (اجروثواب) اللہ کے ہاں ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر اور زیادہ (اور ہمیشہ) باقی رہنے والا ہے، کیا تم لوگ (اس فرق کو) نہیں سمجھتے۔

قرآن نے ایمان اور عمل صالح کا تذکرہ اور اس پر مرتب ہونے والی اُخروی دائمی نعمتوں کا ذکر مختلف انداز سے جگہ جگہ فرمایا۔ کہیں پر جنت کی بہاروں اور نعمتوں کا ذکر، تاکہ اچھے عمل کا شوق پیدا ہوجائے کہیں پر جہنم کے دلدوز ،جگر سوز، روح فرسا مناظر کا تذکرہ تاکہ جہنم کا خوف پیدا ہوجائے اور انسان اپنے آپ کو معاصی کے ارتکاب سے بچالے، مگر انسان دنیا کی لذت میں اس قدر منہمک ہے کہ انہیں لذتوں کو سب کچھ سمجھ رہا ہے، یہی نہیں بلکہ اس کا یہ بھی خیال ہے کہ اس کے سوا نہ کوئی اور دنیا

ہے، نہ اور کوئی لذتیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کیڑا پتھر میں رہ کر یہ سمجھتا ہے کہ آسمان وزمین جو کچھ ہے، سب اسی پتھر کے اندر ہے۔

چوں آں کرمے کہ در سنگِ نہاں است
زمین و آسماں در وے ہماں است

''پتھر کے اندر جو کیڑا ہے وہی اس کے لئے زمین و آسمان ہے انسان جس ماحول اور جس دائرے میں زندگی گذارتا ہے، کبھی کبھی اس قدر خوش گمانی میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس سے بہتر زندگی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

ایک بدوی کا قصہ

حضرت تھانویؒ نے مثنوی سے ایک بدوی کا قصہ لکھا ہے'' کہ اس کے یہاں فاقہ اور تنگ دستی تھی، اس کی بیوی نے کہا کہ تو بغداد کے خلیفہ کے پاس کیوں نہیں جاتا، جس کی سخاوت کا دنیا میں شور وغل ہے، کیا عجب ہے کہ اس کی ایک نظر سے ہماری تنگ دستی مٹ جائے، مرد نے کہا تو نے اچھا مشورہ دیا، مگر بادشاہوں کے دربار کے لائق کوئی تحفہ بھی تو ہونا چاہیئے، بیوی نے کہا آج کل کئی برس قحط کے سبب اطراف میں کہیں پانی نہیں مل رہا ہے، مگر ہمارے تالاب میں کچھ پانی ہے وہ عجب چیز ہے، اس سے بڑھ کر بادشاہ کیلئے کیا تحفہ ہوگا، بدوی نے کہا، واقعی سچ ہے، اس سے بہتر کوئی تحفہ نہیں، بادشاہ کو ایسا پانی نصیب نہ ہوا ہوگا۔

چنانچہ ایک گھڑے میں تالاب سے پانی بھر کر چلا اور بغداد کا رخ کیا، اور راستہ

بھر رَبِّ سَلِّمْ کاورد کرتا رہا کہ خدا کرے یہ گھڑا صحیح سالم پہونچ جائے، خدا خدا کر کے گھڑا بغداد تک پہونچا، اور خلیفہ کے محل تک پہونچ کر اس نے نقیبوں سے کہا کہ میں خلیفہ کے لئے ایک نایاب تحفہ لایا ہوں اور اس سے ملنا چاہتا ہوں، نقیبوں نے فوراً خلیفہ کو اطلاع دی، وہاں سے حکم ہوا کہ بدوی کو دربار میں حاضر کیا جائے، یہ دربار میں گھڑا سر پر رکھے ہوئے پہونچا، خلیفہ نے پوچھا یَا وَجْہَ العَرَبِ مَا عِنْدَکَ، اے معزز عربی: تیرے پاس کیا تحفہ ہے؟ آپ نے یہ سنتے ہی اسکو تخت پر جادھرا اور کہا ھٰذا مَاءُ الجنَّۃِ یہ جنت کا پانی ہے۔

خلیفہ نے جو گھڑے کا منہ کھولا، تو تمام دربار سڑ گیا، کیونکہ کئی دن سے گھڑا بند تھا، اس میں گرمی کی وجہ سے تعفن پیدا ہو گیا تھا، مگر اللہ رے حوصلہ اور کرم، کہ خلیفہ کے چہرے سے ذرا بھی ناگواری ظاہر نہ ہوئی، پھر درباریوں کی کیا مجال تھی جو کوئی ناک منہ چڑھاتا، خلیفہ نے بدوی کا بہت شکریہ ادا کیا، اور کہا واقعی تم میرے لئے عجیب تحفہ لائے ہو کہ اس سے بہتر کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا، اس کے بعد اسکو مہمان خانہ میں بھیج دیا، اور چندروز مہمان رکھ کر خِلْعَتْ عطا کیا اور حکم دیا کہ اس کے گھڑے کو اشرفیوں سے بھر کر واپس کر دیا جائے اور واپسی میں اس کو دجلہ کے پاس سے نکالا جائے، تا کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ خلیفہ کو اس تحفہ کی ضرورت نہ تھی، خود اس کے محل کے نیچے سے ایسا صاف، شفاف شیریں چشمہ بہہ رہا ہے۔

روبرو سلطان کاروبار ہیں
حُسنِ تجریٔ تحتھا الانھار ہیں

بادشاہ کے پاس جاؤاور کاروبار دیکھو، عمدہ باغ اوراس کے نیچے نہریں جاری دیکھو، جس وقت وہ بدوی اشرفیوں سے بھرا گھڑا لے کر دجلہ کے پاس سے گذرا ہے تو اسکی حالت یہ تھی کہ زمین میں گڑا جاتا تھا، کہ اللہ اکبر! خلیفہ نے جو کچھ میرے ہدیہ کی قدر کی یہ محض اس کا کرم تھا، اور اسکے صلہ میں جو خلعت وانعام اس نے مجھے دیا ہے یہ فَاُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰه سَیِّئَاتِهِمْ حَسَنَات (الفرقان۔۷) کی ایک مثال ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا۔ (دنیاوآخرت ۳۶،۴۳۵)۔

دیکھا آپ نے بدوی کی خوش فہمی اور اسکے خیالات کو، لیکن جب اس نے دریائے دجلہ دیکھا تو ندامت سے سر جھکالیا، ایسا ہی ہمارا حال ہے، کہ ہم جس دنیا میں رہتے، بستے ہیں اسی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، چونکہ آخرت کی حقیقت سے ناآشنا ہیں، جب وہاں کی نعمتوں کو دیکھیں گے تو ندامت کی وجہ سے دنیا کی نعمتوں کو نعمت کہتے ہوئے بھی شرم آئے گی۔

﴿واقفیت نہ ہوتو قدر نہیں ہوتی﴾

ایک نوجوان تھا، اس کا کاروبار بہت اچھا تھا اس نے ایک کوٹھی بنانے کا ارادہ کیا، اسی دوران اس کے پاس ایک بوڑھا آیا، اور کہنے لگا، میں بہت ہی بے سہارا ہوں، میرے پاس کوئی ذریعہ آمدنی نہیں، نہ گھر ہے نہ در ہے۔ آپ مجھے سر چھپانے کی جگہ دیدیں، میں چوکیدار بن کر آپ کے گھر کی حفاظت کروں گا، نوجوان نے بوڑھے کو چوکیدار کی حیثیت سے رکھ لیا۔

وقت گذرتا رہا، ایک دن بڑے میاں سے کوئی ایسی بھول ہوگئی کہ نوجوان آپے سے باہر ہوگیا، کچھ نوجوان کی طبیعت بھی تیز تھی، غصہ پر قابو نہ پاسکا، بوڑھے کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا، اور بولا دفع ہوجاؤ میں تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔

بوڑھے کے دل پر ایک چوٹ لگی، نوجوان کے برتاؤ اور اپنی بے بسی پر اُسے رونا آگیا، آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے، چلتے ہوئے فریادی لہجہ میں اس نے اتنا کہا، ویسے میں پہلے ایسا نہیں تھا، جس حالت میں اللہ نے مجھے اب پہونچا دیا، جب نوجوان نے یہ بات سنی تو اس نے بوڑھے سے پوچھا کہ تمہاری حالت پہلے کیا تھی؟ اس نے کہا کہ جب ملک تقسیم ہوا تو میں اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کرکے یہاں آیا، شومیٔ قسمت کہ خاندان سے بچھڑ گیا، اور میں اکیلا در بدر کی ٹھوکریں کھاتا رہا یہاںتک کہ بوڑھا ہوگیا۔

نوجوان نے اس کا نام پوچھا، جب بوڑھے نے اپنا نام بتایا تو نوجوان کو اس وقت معلوم ہوا کہ یہ تو میرا ماموں ہے، جس کی یاد میں میری ماں سارا دن روتی رہتی تھی اور کہا کرتی تھی کہ میرا جوان بھائی مجھ سے بچھڑ گیا، اب پتہ نہیں وہ کہاں ہوگا، کیسے ہوگا، یہی سوچ، سوچ کر وہ روتی رہتی یہاں تک کہ وہ اللہ کو پیاری ہوگئی، جب نوجوان پر حقیقت آشکارا ہوگئی تو اس نے کہا ماموں یہ تو آپ کا اپنا گھر ہے، آئیں اور یہیں رہیں، ناواقفیت کی وجہ سے جو غلطی مجھ سے ہوگئی ہے اُسے معاف فرمادیں۔ دیکھئے! نوجوان چند لمحے پہلے اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا، اب معافی مانگ رہا ہے کیونکہ پہلے وہ نہیں جانتا تھا۔ اب جان چکا ہے، تو قدر کررہا ہے۔ معلوم ہوا کہ آدمی جب کسی چیز

سے واقف نہیں ہوتا تو ناقدری کرتا ہے اور جب جان لیتا ہے تو قدر کرتا ہے۔

اسی طرح جب انسان اپنے رب کو نہیں پہچانتا تو وہ اپنے رب کی بھی قدر نہیں کرتا خود اللہ رب العزت نے فرمایا وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسی قدر کرنی چاہئے تھی۔ یہ اس لئے کہ وہ خالقِ کائنات کو معبود حقیقی سمجھنے سے قاصر تھے۔

جب واقف ہو جاتا ہے تو قدر کرتا ہے

ہارون رشید کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ بھیس بدل کر شکار کھیلنے کیلئے نکلا اتفاق سے وہ اپنے قافلے سے بچھڑ گیا، تھکا ہوا تھا اور اُسے پیاس بھی لگی ہوئی تھی اُسے ایک چھونپڑی نظر آئی وہ وہاں گیا، اور کہنے لگا، مجھے پینے کیلئے پانی چاہئے، گھر میں ایک نوجوان لڑکی تھی، اس نے چہرے مہرے سے اندازہ لگالیا کہ یہ وقت کا بادشاہ ہے، لڑکی نے درخت سے انار توڑا، جوس نکالا اور پھر اسکو کپڑے سے چھان کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا، بادشاہ سب کچھ غور سے دیکھتا رہا، اس نے لڑکی سے پوچھا کہ تم نے یہ جوس چھان کر کیوں دیا، وہ کہنے لگی، امیر المومنین! میں نے ایسا اس لئے کیا تاکہ کوئی تنکا وغیرہ آپ کے منہ میں نہ چلا جائے۔ بادشاہ یہ جواب سن کر بہت حیران ہوا کہ اس نے بغیر بتائے یہ سمجھ لیا کہ میں بادشاہ ہوں، وہ اس بات پر اتنا خوش ہوا کہ اسنے گھر آکر اس لڑکی کیلئے نکاح کا پیغام بھیجا اور اس کو اپنی ملکہ بنالیا۔

لڑکی نے بادشاہ کو پہچان لیا تو اس کی قدر کی اور اس قدر دانی کے نتیجہ میں اسکو وہ

عزت ملی جس کا وہ تصور بھی نہ کرسکتی تھی، اسی طرح جب ہمیں اللہ رب العزت کی پہچان نصیب ہوجائے گی، تو دل میں اس کی عظمت آجائے گی پھراس کے حکموں کے مطابق زندگی گذارنا آسان ہوجائے گا، اے کاش یہ سعادت ہم سب کا مقدر بن جائے۔

﴿حضرت ابوبکر کو صدیقیت کا مقام﴾

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو اس وقت پہچانا، جب لوگ نہ آپ کو پہچانتے تھے، اور نہ پہچاننے کی کوشش کررہے تھے، بلکہ ہٹ دھرمی میں آپ کی تکذیب کررہے تھے، اس وقت اللہ نے ابوبکر کے سینے کو معرفت کیلئے کھول دیا۔

سچ ہے کہ جب معرفت آتی ہے تو دل میں قدر اور محبت آتی ہے، اس معرفت کے نتیجے میں ابوبکر صدیق نے سب سے پہلے ایمان لاکر آپ کے رسول اللہ ہونے کی تصدیق کی اس قدر شناسی پر آپ کو مقام صدیقیت ملا۔

معرفت، شئی کی شناخت کا نام ہے، اور جب پہچان ہوتی ہے تو کہیں یہ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الحق (المائدہ، آیت ۸۳)۔

(تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں، اس وجہ سے کہ انہوں نے پہچان لیا حق بات کو) کا منظر ہوتا ہے۔ کہیں فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ کا لفظ دل کی ترجمانی کرتا ہے۔ اور کبھی عظمت حق کی بارگاہ میں محبت یہ کہتی ہے۔

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

اور پھر اسی تسلیم ورضا پر اللہ کی طرف سے فوز وفلاح اور جنت کے فیصلے ہوتے

ہیں، دنیا میں عظمت ورفعت کی بلندیاں قدمبوسی کرتی ہیں، اور آخرت میں وہ مقام ومرتبہ عطا ہوتا ہے، جس کا دنیا کی زندگی میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

﴿دنیا سے آخرت کا سفر﴾

حیات وموت کے بعد، انسان کی آخری منزل کیا ہے؟ اور دنیا کی حیات مستعار کا خلاصہ کیا ہے؟ بس یہی کہ ایک دن سب کچھ چھوڑ کر آخرت کیلئے رخت سفر باندھ لینا ہے۔ جس کی آخری منزل جنت ہے یا جہنم

جنت میں پہونچ جانا بڑی کامیابی ہے، اور جہنم میں ڈال دیا جانا بے انتہاء پریشانی، فاطر السمٰوٰت والارض، اپنے بندوں پر بے حد رحیم وکریم ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میرے بندے میرے احکام پر عمل پیرا ہوکر جنت کی لازوال اور لافانی نعمتوں کے حق دار بن جائیں اور جہنم کے خوفناک اور لرزہ خیز عذاب سے بچ جائیں۔

اس لئے رب العزت نے قرآن پاک میں بار بار جنت کا مختلف انداز سے ذکر فرمایا، اور جنت کے انتہائی حسین، پاکیزہ، خوبصورت اور دل ودماغ کو موہ لینے والے مناظر کی اس طرح عکس بندی فرمائی، کہ انسان کے دل میں جنت کا شوق انگڑائیاں لینے لگے اور وہ جنت کے حصول کی فکر میں شب وروز کو اعمال صالحہ سے آباد کرلے اور مناجات سحر گاہی سے خود کو شادکام کرلے۔

پھر جنت کے ساتھ جہنم کی ہولناکی کو اس طرح بیان کیا، کہ انسان، خوف کی کیفیت سے دوچار ہوکر اپنے آپ کو ہر اس مجرمانہ عمل سے بچالے، جو اسکو جہنم میں

لے جانے والے ہوں۔

بلاشبہ شوق اور خوف دو ایسی مؤثر قوتیں ہیں کہ جب یہ سرگرم اور متحرک ہوتی ہیں، تو کسی بھی کام کو کرنے یا اس سے باز رہنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں، اسی لئے کتاب کے آخر میں، آخرت کے انجام کی طرف متوجہ کرنے کیلئے تشویق اور تخویف کے پیرایہ میں جنت اور جہنم کے مناظر کو بالاختصار رقم کیا گیا ہے، کیا پتہ یہ کج مج نقوش کسی کیلئے جنت کی تشویق اور جہنم سے تخویف کا سبب بن جائیں، جنت کی طلب اور جہنم سے نجات، اس کی آخری خواہش ہو جائے۔

اور ایسا ہوتا بھی آیا ہے، کہ انسان کی زندگی، کبھی وقت کی چیرہ دستی، حالات کی بے رحمی، آفات ومصائب کی ہولناکی، یا کسی دل خراش واقعہ یا حادثہ کے سبب، یا بزرگوں کے ناصحانہ کلمات، یا اللہ والوں کی توجہات سے اس طرح اثر پذیر ہو جاتی ہے کہ اس کی عملی زندگی کا سانچہ، اس کی آزاد فکر کا خاکہ اور اسکے جینے کا زاویہ بدل جاتا ہے، اس واقعہ کو دیکھئے: کہ جنت پر مشتمل چند آیتوں کے سوز نے کس طرح ایک عیاش اور دین سے بیزار شخص کو جنت کا طلبگار بنا دیا۔

﴿جنت کی فکر نے سب سے بے نیاز کر دیا﴾

محمد بن سماکؒ فرماتے ہیں کہ بنی اُمیہ میں موسیٰ بن محمد سلیمان ہاشمی سب سے زیادہ عیاش اور بے فکر شخص تھا، رات، دن، کھانے پینے، پہننے اور خوبصورت لونڈیوں کے ساتھ مشغول ہونے، اور آرام طلبی، تن پروری کے سوا کوئی دین ودنیا کا کام نہیں کرتا

تھا حسن صورت بھی خالق نے اس درجہ عطا فرمایا تھا، کہ دیکھنے والا بے اختیار سُبحَانَ اللّٰہ کہہ اٹھتا تھا، چہرہ ماہ کامل کی طرح روشن، ہر طرح کی دنیاوی نعمت سے آسودہ، سال بھر کی آمدنی تین لاکھ تین ہزار دینار، جو آج کے لحاظ سے اربوں سے بھی زیادہ ہوتی ہے، ان سب کو اپنے عیش وعشرت میں اُڑا دیتا تھا، اس نے ایک بہت بلند وبالا، بالا خانہ اپنے رہنے کیلئے بنا رکھا تھا، اس کے دونوں طرف دریچے تھے، ایک طرف کے دریچے شارع عام کی طرف کھلتے تھے، جس سے شام کے وقت آنے جانے والوں کا نظارہ کرتا، اور دوسری طرف کے دریچے چمنستان میں تھے، اس طرف بیٹھ کر گل ولالہ سے دل بہلاتا، اس بالا خانہ میں، ایک ہاتھی دانت کا قبہ تھا جو چاندی کی میخوں اور سونے سے ملمع کیا ہوا تھا، اس میں ایک نہایت قیمتی تخت تھا، بیش قیمت، فاخرانہ لباس میں ملبوس اور موتیوں کا جڑاؤ عمامہ باندھ کر اس پر جلوہ افروز ہوتا، چاروں طرف بھائی، اعزاء، مصاحبین اور مقربین ہوتے، پیچھے خادم اور غلام کھڑے رہتے، قبہ سے باہر گانے والی عورتیں ہوتیں، قبہ اور ان کے درمیان پردہ حائل ہوتا۔ جب چاہتا، انہیں دیکھتا، اور جب راگ کو دل چاہتا، پردہ ہلا دیتا، اور جب بند کرنا چاہتا، تو پردے کی طرف اشارہ کر دیتا، اور جب یارانِ مجلس رات کو اپنے اپنے گھر چلے جاتے، تو وہ جس کیساتھ چاہتا خلوت کرتا، اس طرح وہ اپنی شام کو رنگین اور رات کو پُر کیف بناتا، صبح شطرنج وغیرہ کھیلنے میں گذر جاتی، قصے، کہانیاں اور دل لگی کی باتیں، محفل کی زینت ہوتیں، موت اور غم کی کسی بات کا اس کے دربار میں ذکر نہ ہوتا، ہر روز نئی نئی پوشاک اور قسم قسم کی

خوشبوئیں استعمال کرتا، اس حال میں اس کی زندگی کے ستائیس برس گذر گئے۔

ایک رات وہ حسب معمول لہو ولعب میں مشغول تھا، رات کا کچھ حصہ گذر چکا تھا کہ اس نے ایک درد بھری آواز اپنے مطربوں کی آواز جیسی سنی، جس کو سن کر اسکے دل پر ایک چوٹ لگی، اور وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا، حکم دیا کہ گانا بند کرو، غلاموں کو آواز دی، کہ اس آواز لگانیوالے کو یہاں لے آؤ، جب کہ وہ خود شراب کے نشہ میں چور تھا، غلام اس کی تلاش میں نکلے، دیکھا کہ ایک جوان ہے، نہایت لاغر، اس کی گردن بالکل سوکھ گئی ہے، رنگ زرد اور ہونٹ خشک ہیں، پراگندہ بال، پیٹ اور پیٹھ دونوں آپس میں مل کر ایک ہو گئے ہیں، دو پھٹی چادریں اوڑھے ننگے پاؤں مسجد میں کھڑا اپنے پروردگار سے مناجات کرر ہا ہے، غلام اُسے مسجد سے نکال کر لے آئے اور اسکے سامنے کھڑا کر دیا، اس نے دیکھ کر پوچھا! یہ کون ہے؟ غلام نے عرض کیا ہے، حضور یہ وہی آواز لگانے والا ہے ،جس کی آواز آپ نے سنی، پوچھا! یہ کہاں تھا؟ کہا: مسجد میں کھڑا ہوا نماز میں قرآن پڑھ رہا تھا، اس سے پوچھا، تم کیا پڑھ رہے تھے؟ کہا: میں قرآن پڑھ رہا تھا کہا: ذرا ہم کو بھی سناؤ اس نے تعوّذ وتسمیہ کے بعد پڑھا۔ **اِنَّ الْاَبْـرَارَ لَفِـیْ نَعِیْم، عَلَی الاَرَائِکَ یَـنْظُـرُوْنَ، تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْم ،یُسْقَوْنَ مِنْ رَحِیْقٍ مَخْتُوْم، خِتَامُهٗ مِسْک، وَفِیْ ذَالِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَا فِسُوْن، وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِیْم ، عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهِ الْمُقَرَّبُوْن** (المطففین، پ۳۰، آیت ۲۲)۔

بیشک نیک لوگ آرام میں ہوں گے، مسہریوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے تو پہچانے گا ان کے چہروں پر تازگی نعمت کی، ان کو پلائی جائے گی خالص شراب سر بمہر،

اس کی مہر مشک کی ہوگی، اور اس شراب میں رغبت کرنے والے کو چاہئے کہ رغبت کریں، اور اس میں تسنیم ملی ہوئی ہوگی۔ وہ ایک چشمہ ہے، جس سے مقرب بندے پئیں گے۔

آیت اور ترجمہ پڑھ کر سنا لینے کے بعد، اس نے ہاشمی سے کہا:

ارے دھوکہ میں پڑے ہوئے، وہاں کی نعمتوں کا کیا بیان ہے، وہ کہاں اور تیرا قبہ کہاں: وہاں تخت ہیں، ان پر نرم و گداز بچھونے ہوں گے، ان کے استر، استبرق کے ہوں گے، سبز قالینوں اور قیمتی بستروں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، وہاں دو نہریں بہہ رہی ہیں، اس میں ہر میوہ کی دو قسم ہوگی، نہ وہاں کے میوے کبھی ختم ہوں گے، نہ کسی جنتی کو، ان سے کوئی روکنے والا ہوگا، بہشت بریں کے پسندیدہ عیش میں رہیں گے، ہمیشہ سایہ اور چشموں میں رہیں گے، پھر جنت کے پھل دائمی ہوں گے، اور یہ سب کچھ متقیوں کیلئے ہوگا۔

اب! کافروں کی سنئے۔ ان کے لئے آگ ہے، اور آگ بھی ایسی کہ جس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، ان سے عذاب کبھی ہلکا نہ کیا جائے گا، اس میں ناامید پڑے رہیں گے، ان کو منہ کے بل گھسیٹا جائے گا، اور کہا جائے گا، یہ عذاب چکھو۔

جب اس ہاشمی نے یہ سنا، تو بے اختیار ہو اٹھا، اور اس نوجوان سے لپٹ کر رونے لگا، اور اپنے سب لوگوں سے کہا، میرے پاس سے چلے جاؤ، پھر اس نوجوان کو لے کر گھر کے صحن میں آیا، اور ایک بورے پر بیٹھ گیا، اور اپنی جوانی کے رائیگاں جانے پر افسوس اور نفس کو ملامت کرتا رہا۔ اور وہ نوجوان اس کو نصیحت کرتا رہا یہاں تک صبح ہوگئی۔

ہاشمی نے اللہ سے عہد کیا، اے پروردگار! اب کبھی تیری نافرمانی نہیں کرونگا،

سب کے سامنے اس نے اللہ سے توبہ کی، پھر اس کے بعد ہر وقت عبادت الٰہی میں رہنے لگا، تمام مال و متاع صدقہ کر ڈالے، مغصوبہ جائیدادیں، ان کے مالکوں کو واپس کردیں، باقی سبھی جائیدادیں، لونڈی، غلام بیچ ڈالے، جس کو آزاد کرنا چاہا، آزاد کردیا، موٹے کپڑے پہن لئے، جو کی روٹی کھانے لگا۔

پھر وہ پیادہ پا، ننگے پاؤں، موٹا کپڑا پہنے حج کو گیا، سوائے ایک پیالہ اور توشہ دان کے کوئی چیز ساتھ نہ لی، اسی حالت میں چلتے چلتے مکہ پہونچا، حج کیا اور وہیں اقامت کی، پھر اسی پاکیزہ سرزمین میں ہمیشہ کیلئے پیوند خاک ہوگیا (روض الریاحین من حکایات الصالحین، امام یافعی یمنی)

جنت کی نعمتوں کا مختصر سا تذکرہ، کس طرح ایک عیش پرست، دولت مند شخص کی زندگی پر اثر انداز ہوا، یہ آپ کے سامنے ہے، اسی بات کو سامنے رکھ کر، جنت کی نعمتوں، اس کے خوبصورت مناظر، جہنم کی ہولناکیوں اور اس کے دل گداز عذاب و مکارہ کا تذکرہ کیا جارہا ہے کہ ہوسکتا ہے کسی کو فائدہ پہونچ جائے، وَذَکِّر فَاِنَّ الذِّکْرٰیٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْن۔

○○○

باب سوم

جنت اور جہنم

﴿جنت اور اس کے دلکش مناظر﴾

جنت کتنی حسین وجمیل ہے، اس کی نعمتیں، کس قدر بے پایاں اور بے مثل ہیں، وسعت میں ایک بڑی سلطنت ہے، ارشاد باری ہے، **اِذَا رَأَیْتَ ثَمَّ رَأَیْتَ نَعِیْماً وَمُلْکاً کَبِیْراً.** (پ۲۷، سورہ دھر)

اگر تو اس جگہ کو دیکھے گا، تو تجھ کو بڑی نعمت اور سلطنت دکھائی دے۔ اس جنت کے بارے آپ نے ایک مرتبہ صحابہ سے فرمایا حضرت اسامہ بن زید فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، **الاھل مشمر للجنة فان الجنة لا خطرلها هی ورب الكعبة ، نور يتلا لأوريحانة تهتزّ وقصر مشيد ونهر مطردوثمرة نضيجة وزوجة حسناء جميلة وحُلل كثيرةٌ ومقام ابداً فی دارِ سليمة وفاكهة وخضرة وحبرة ونعمة فی محلة عالية بهيّة. قالوا نعم يارسو ل الله ! نحن المشمرون لها، قال : وقولوا ان شاء الله تعالیٰ ، فقال القوم ان شاء الله.**

سنو! کیا کوئی جنت کی تیاری کرنے والا ہے؟ کیونکہ جنت فنا ہونے والی نہیں، رب کعبہ کی قسم، یہ ایسا نور ہے جو چمک رہا ہے، اور ایسا پھول ہے جو جھوم رہا ہے، اور ایسا محل ہے جو بلند و بالا ہے، اور ایسی نہر ہے جو جاری رہنے والی ہے، اور ایسا پھل ہے جو پکا ہوا ہے، اور ایسی بیوی ہے جو بہت حسین وجمیل ہے، لباس ہیں جو بہت ہیں، اور سلامتی کے گھر میں ہمیشہ کیلئے رہنے کی جگہ ہے، میوے ہیں، سبزہ زار ہیں، خوشی ہے، نعمت ہے، بیش قیمت عالیشان مقامات ہیں، صحابہ نے کہا ہاں: یا رسول اللہ ہم

اسکے لئے تیار ہیں، فرمایا: انشاء اللہ کہہ لو، تو صحابہ نے انشاء اللہ کہا۔ (ابن ماجہ، ۴۳۳۲۔ در منثور (۳۶۲/۱) اتحاف السادہ (۵۴۸/۱۰)

﴿جنت کہاں واقع ہے؟﴾

عند سدرة المنتهیٰ، عند ها جنّةُ الماویٰ یہ جنت **سدرة المنتهیٰ** کے پاس آرام سے رہنے کی جگہ ہے، سدرۃ المنتہیٰ، ساتویں آسمان پر عرش رحمٰن کے نیچے ہے، مسلم کی روایت میں ہے کہ چھٹے آسمان پر اس کی جڑ ہے۔ تطبیق کی صورت یہ ہے کہ چھٹے آسمان پر اس کی جڑ ہے، اور شاخیں ساتویں آسمان پر پھیلی ہوئی ہیں (قرطبی) یہ عام فرشتوں کی رسائی کی آخری حد ہے، اسلئے اس کو منتہیٰ کہا گیا۔

جنت ساتویں آسمان کے اوپر، عرش رحمٰن کے نیچے ہے، گویا ساتواں آسمان جنت کی زمین اور عرش رحمٰن اس کی چھت ہے۔

جنت کتنی عظیم الشان اور کتنی بڑی سلطنت ہے، اسکے بارے میں فرمایا گیا، **عَرۡضُهَا السَّمٰوٰت والارض اُعِدَّتۡ للمُتّقین**، اس جنت کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان و زمین، تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنے والوں کیلئے۔

جنت کا راستہ: جس راستہ پر چل کر انسان جنت تک پہونچے گا وہ "صراط مستقیم" ہے صراط مستقیم کیا ہے؟ ارشاد باری ہے **انَّ اللّٰه هُو رَبِّی وَرَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوه هَذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡم** (پ۲۵، زخرف، آیت ۶۴) بیشک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے، تو تم اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔ اسی صراط مستقیم پر چلنے

اور اس پر قائم رہنے کی ہر مسلمان نماز میں دعائیں کرتا ہے، اِھْدِنَا الصِّراطَ المستقیم، یعنی دین اسلام پر ہمیں قائم رکھ اور اسی کے بارے میں دوسری جگہ فرمایا گیا وَاَنَّ ھٰذا صراطِیْ مُسْتَقِیماً فاتبعوہ (سورہ انعام پ ۷، آیت ۱۵۳) اور بیشک یہ میرا سیدھا راستہ ہے، اسی پر چلو، اسی کے بارے میں حکم ہوا ہے، قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِی اَدْعُوْ اِلَی اللہ عَلٰی بَصِیْرَۃ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِی (سورہ یوسف، پ ۱۳، آیت ۱۰۵)

اے نبی! کہہ دیجئے کہ یہ دین اسلام میرا راستہ، میرا مسلک، میری سنت ہے، میں اللہ کی طرف پورے اعتماد و یقین اور بصیرت کے ساتھ بلا رہا ہوں، اور وہ بھی جو میرے پیروکار ہیں، کیونکہ اسی راستہ پر چل کر ملک کبیر اور اسکے دروازے تک رسائی ممکن ہو سکے گی۔

اس بڑے ملک کی نعمتیں اور بہاریں، محلات اور نہریں، بازار اور اسکی رونقیں باغات اور اسکی شاخیں، غلمان اور حوریں، دروازے اور دیواریں، اور اس میں پائی جانے والی تمام چیزیں، کیسی ہوں گی، نہ تو کسی نے دیکھا کہ بتائے، نہ کسی نے سنا کہ سنائے، نہ کسی کے دل میں اسکا خیال گذرا کہ اس کا اظہار کرے۔

البتہ جو خالق کائنات نے خود بتایا اور محبوب کبریا نے اس کے بارے میں جو سنایا وہ بلا شبہ برحق ہے، اور اس پر ہمارا اکمل ایمان بھی ہے، کہ جنت بالکل ویسی ہی بے مثل ہے، جس طرح اس کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔

○○○

﴿دین اسلام اور جنت﴾

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف لائے اور فرمایا: اِنِّیۡ رَأیت فی المنام کان جبرئیل عند رأسی ومیکائیل عند رِجلی، یقول احدھما لصاحبه اضرب لهٗ مثلاً فقال اسمع سمعت اُذنک واعقل عقل قلبک انما مثلک ومثل امّتِک کمثَل مَلِکٍ اتخذ داراً ثم بنی فیھا بیتاً ثم جعل مائدةً ثم بعث رسولا یدعوالناس الیٰ طعامهٖ فمنھم من اجاب الرسول ومنھم من ترکه، فالله ھو الملک، والدار، الاسلام، والبیت، الجنة وانت یا محمد رسول فمن اجابک دخل الاسلام ومن دخل الاسلام دخل الجنة ومن دخل الجنة اکل منھا (سنن ترمذی فی الامثال، ج۶ ۲۸، تفسیر طبری ۱۱/۳ ۷ (درمنثور ۳/۴ ۳۰)

ترجمہ: میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا جبرئیل میرے سرہانے ہیں اور میکائیل میرے پاؤں کے پاس، ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا، تم ان کی یعنی محمد ﷺ کی مثال بیان کرو تو اس نے (آپ ﷺ سے مخاطب ہوکر) کہا۔ اپنے کانوں کی پوری توجہ سے سنو، اور اپنے دل کی توجہ سے غور کرو، آپ کی مثال اور آپ کی امت کی مثال اس بادشاہ جیسی ہے، جس نے ایک محل بنوایا، اس میں اس نے ایک کمرہ بنوایا، پھر دسترخوان بچھایا، پھر ایک قاصد کو روانہ کیا کہ وہ لوگوں کو کھانے کی دعوت دے، پس ان میں کچھ لوگوں نے قبول کیا، اور کچھ نے انکار کیا، پس بادشاہ تو اللہ ہے، اور محل اسلام ہے، اور گھر جنت ہے، اور اے محمد! آپ رسول (قاصد) ہیں، پس جس نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا، وہ اسلام میں داخل ہوا، اور جو اسلام میں داخل ہوا، وہ جنت میں داخل ہوا،

اور جو جنت میں میں داخل ہوا، اس نے اس سے کھایا، جو کچھ اس میں موجود ہے۔

﴿جنت کے دروازے کی چابی﴾

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **مفاتیح الجنّة شهادة ان لا اِلٰہ الاّ اللّٰہ** [۱] جنت کی کنجی لا الہ الا اللہ کی شہادت دینا ہے۔

حضرت وہب بن منبہ نے سعید بن رُمان سے پوچھا، کیا لا الٰہ الا اللہ جنت کی کنجی نہیں ہے، انہوں نے فرمایا، کیوں نہیں، لیکن ہر چابی کے دندانے ہوتے ہیں، کلمہ کے دندانے (عقائد اور اعمال صالحہ ہیں) جو شخص جنت کے دروازے پر چابی (کلمہ) کے دندانے (اعمال صالحہ) کے ساتھ آیا تو اسکے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا، اور جو شخص چابی کو دندانوں کے ساتھ نہ لایا، اسکے لئے دروازہ نہیں کھلے گا۔ [۲]

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں، **مفتاح الصَّلوٰة الوضوء وَمُفْتَاح الجنَّة الصّلوٰة** [۳] نماز کی کنجی وضوء ہے اور جنت کی چابی نماز ہے۔ ان کے علاوہ جہاد کرنا، مساکین اور فقراء سے محبت کرنا بھی جنت کی کنجی ہے (اتحاف السادۃ المتقین (۲۸۳/۹)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **من مات يؤمنُ باللّٰهِ واليَوْمِ الآخِر قيل له اُدْخُلِ الجَنَّة مِنْ ایّ ابواب الجنَّة**

---

[۱] مسند احمد (۲۴۲/۵) (کنز العمال ۱۸۲۵) البدایہ والنہایۃ (۱۰۱/۵) [۲] صفۃ الجنۃ ابونعیم (۳۹/۲) حلیہ (۶۶/۴) کشف الخفاء (۲۱۵/۲) [۳] (مسند احمد ۳۴۰/۳) البدور السافرہ للسیوطی (۱۷۵۴) [۳] مجمع الزوائد (۴۹۳۲/۱)۔ مسند احمد (۶/۱)

الثمانية شئت. ۱؎ جو شخص اس حالت میں فوت ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر یقین رکھتا تھا، اُس سے کہا جائیگا کہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس سے چاہے، جنت میں داخل ہو جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، مَا مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّى الصَّلوٰت الخمسَ وَيَصوم رَمَضَان ويُخرِجُ الزكاةَ ويجتَنِبُ الكبائر السبع اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ ابواب الجنّة الثمانيه يَوم القيٰمة ۲؎ جو آدمی پانچوں نمازیں ادا کرتا ہے، رمضان کے روزے رکھتا ہے، زکوٰۃ نکالتا ہے، سات بڑے گناہوں سے بچتا ہے۔ تو اسکے لئے قیامت کے دن جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے، سات بڑے گناہ یہ ہیں: شرک باللہ، ناحق کسی کا قتل، پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت، جہاد کے وقت میدان سے فرار ہو جانا، سود کھانا، یتیم کا مال کھا جانا، دارالکفر سے ہجرت کے بعد عورت کی طرف (دارالکفر میں) لوٹ جانا۔

جنت کے آٹھ دروازے ہیں
اور جہنم کے سات دروازے ہیں

حضرت عتبہ بن عبد فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا للجنة ثمانية ابواب ولجهَنّم سبعة ابواب. (سنن بیہقی، ۹/۱۲۴، مسند احمد ۴/۱۸۵، ابن سعد (۷/۴۳۰)۔

۱؎ مجمع الزوائد (۱/۴۹۳۲۔ مسند احمد ۱/۶)

(۲) تفسیر ابن کثیر ۲/۲۳۶، تاریخ کبیر بخاری ۴/۳۱۶، بدر السافرہ ۱۷۴۰

جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور جہنم کے سات دروازے ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ **جنات عدن مفتحة لهم الابواب** (سورہ ص) کی تفسیر میں فرماتے ہیں، کہ ان کے ظاہر کا حصہ اندر سے اور اندر کا حصہ باہر سے نظر آتا ہوگا، جب ان کو کہا جائے کہ کھل جاؤ، بند ہو جاؤ، کچھ بولو، تو وہ ان باتوں کو سمجھتے ہوں گے، اور جنتیوں سے گفتگو کرتے ہوں گے۔ (تفسیر حسن بصری ۳۹۰/۴، تفسیر قرطبی ۲۱۹/۱۵)۔

جنت کی چوکھٹ

شفاعت کی طویل حدیث میں ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے محمد: اپنی امت میں سے جن پر حساب نہیں انہیں داہنی طرف کے دروازے سے جنت میں لے جاؤ، لیکن اور دروازوں میں بھی یہ دوسروں کے ساتھ شریک ہیں۔

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ جنت کی چوکھٹ اس قدر زیادہ وسعت والی ہے جتنا فاصلہ مکہ اور ہجر میں ہے، یا فرمایا ہجر اور مکہ میں ہے، ایک روایت میں ہے، مکہ اور بصرہ میں ہے (صحیحین)۔

حضرت عتبہ بن غزوان نے اپنے خطبہ میں بیان فرمایا کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ جنت کے دروازے کی وسعت چالیس سال کی راہ ہے۔ ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے، جب کہ جنت میں جانے والوں کی بھیڑ بھاڑ سے یہ وسیع دروازے کھچا کھچ بھرے ہوئے ہوں گے۔

مسند میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جنت کی چوکھٹ چالیس سال کی راہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ پ ۲۴ ص: ۲۲)

﴿جنت کے دروازوں کی چوڑائی﴾

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا **بَـــابُ اُمَّتِـیُ الذِیُ یَدُ خلون منه الجنَّة عرضه مَسِیرة الراکب المجود ثلاثاً ثم انَّهُمُ لیضغطونَ عَلَیه حتّی تکاد مَنَاکبهم تزول** ۱؎

میری امت کا وہ دروازہ، جس سے وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ اس کی چوڑائی تیز ترین سوار کے تین رات دن کے مسلسل سفر کے برابر ہے، پھر ان لوگوں کا دروازہ پر ایسا ہجوم ہوگا کہ قریب ہوگا کہ ان کے کندھے اتر جائیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **لَیَدخُلَنَّ الجنَّة مِن اُمَّتِی سَبُعُوُن الفاً او سبع مائة الف شکَّ فی احدی العددین، متمـاسکیـن اخذ بعضهم بید بعض لایدخل اوّلهُم حتی یَدُخُل آخرهم، وجوهُهُم عَلیٰ صورة القمر لیلة البدر** ۲؎

میری امت میں سے ستر ہزار یا سات لاکھ، ان دونوں عددوں میں سے ایک میں راوی کو شک ہے، ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے، ان میں پہلا شخص اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوگا، جب تک کہ ان میں آخری شخص داخل نہ ہوگا۔ ان کے چہرے چودھویں کے چاند جیسے ہوں گے۔

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **للجنَّة ثِمَانیة اَبُـواب، بیـن کـل مـصـرا عیـن مِـنُ ابـوابهـا مسیــرة اَربـعیـن سَـنَة**

(بدور السافرہ ۱۷۶۵، مجمع الزوائد ۱۰/۱۹۸، کنز العمال ۱۰۱۹۶)

---

(۱) ترمذی ۲۵۴۸، کنز العمال ۳۹۳۱۱، البدور السافرہ ۱۷۵۹

(۲) بخاری شریف (۱۱/۴۱۶) مسلم شریف الایمان (۳۷۳) مسند احمد (۵/۱۸۱)

جنت کے آٹھ دروازے ہیں، اس کے ہر دروازے کے دو پٹوں کے درمیان چالیس سال (تک سفر کرنے) کا فاصلہ ہے۔

﴿جنت کی دیوار اور اسکا صحن﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنت کی چار دیواری ایک اینٹ سونے اور ایک اینٹ چاندی سے بنائی گئی ہے۔ اسکے درجات یاقوت اور لؤ لؤ کے ہیں (مصنف عبدالرزاق ۴۱۶/۱۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہ عزّ وجل احاط حائطَ الجنَّة لبنةٌ مِن ذَهَبٍ ولبنةٌ مِنْ فضَّةٍ ثم شَقَّقَ فيها الانهٰر وغرس الاشجارَ فلَمَّا نَظَرتِ الملٰئكة اِلىٰ حُسنِها وَزهرتها قَالَتْ طوبىٰ لك منازل الملوك. (رواہ الطبرانی، وبزار مرفوعاً والموقوف اصح، درمنثور ۳۷/۱ (ترغیب وترہیب ۵۱۳/۴)

اللہ تعالیٰ نے جنت کی دیوار کو ایک اینٹ سونے سے اور ایک چاندی سے کھینچی، پھر اس میں نہریں نکالیں اور درخت لگائے، جب فرشتوں نے جنت کے حسن کو دیکھا تو کہا (اے جنت) تجھے بادشاہوں کی منازل مبارک ہوں۔

﴿جنت کی تعمیرات کیسی ہونگی﴾

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عرض کیا گیا، یارسول اللہ! جنت کی تعمیر کس طرح کی ہوگی، تو آپ نے ارشاد فرمایا لبنة من فضةٍ ولبنة من ذهب ملا طها

مسک اذ فروحصبَاؤ ھا اللؤلؤ والیا قوت وترابھا الزعفران (حاوی الارواح ۱۸۶، ابن أبی شیبہ ۹۵/۱۳)

ایک اینٹ چاندی کی ہے اور ایک اینٹ سونے کی ہے، اسکا گارا خوشبو اڑانے والی کستوری کا ہے۔ اسکے کنکر چمکدار موتی اور یاقوت کے ہیں، اور اسکی مٹی زعفران کی ہے۔

﴿جنت کی عیش بھری زندگی﴾

جنت اللہ کے مومن، مخلص، متقی بندوں کیلئے ہے، اولٰئک لَھُم رِزْقٌ مَّعْلُوم، فواکہ وھم مکرمون، فی جنت النعیم، علی سُرُرٍ متقٰبلین (سورہ صافات ۴۰/۴۳) اللہ کے مخلص بندوں کیلئے مقررہ روزی ہے قسم قسم کے میوہ جات ہیں، اور وہ مخدوم وذی عزت، ذی احترام ہیں، یہ نعمتوں سے مالا مال جنتوں میں ہیں، وہاں تختون پر اس طرح بیٹھے ہیں کہ کسی کی دوسرے کی طرف پیٹھ نہیں، ایک مرفوع غریب حدیث میں بھی ہے، کہ اس آیت کی تلاوت کر کے آپ نے فرمایا ہر ایک کی نگاہیں، دوسرے کے چہرے پر پڑیں گی، آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے، شراب کے دور، ان پر چل رہے ہوں گے۔ جس کے ختم ہو جانے اور کم ہو جانے کا مطلق اندیشہ نہیں، ظاہر و باطن میں آراستہ ہے، خوبیاں ہیں برائیاں نہیں، دیکھنے میں خوش رنگ، پینے میں لذیذ، فوائد میں اعلیٰ، سرور و کیف میں عمدہ نہ بدبودار، نہ بدرنگ، نہ قابل نفرت، بلکہ خوشبودار، خوش رنگ، خوش ذائقہ، اور فائدہ مند، نہ اس سے دردسر ہو، اور نہ اس کے پینے سے بہکیں، ان کے پاس نیچی نگاہوں والی، شرمیلی نظروں والی، بڑی بڑی

آنکھوں والی حوریں ہوں گی ،ایسی جیسے چھپائے ہوئے موتی ،ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کے سوال پر حضور ﷺ نے فرمایا ''حورعین'' سے مراد، بہت بڑی آنکھوں والی، سیاہ پلکوں والی حوریں، پھر پوچھا ''بیض مکنون'' سے کیامراد ہے؟ فرمایا: انڈے کے اندر کی سفید جھلی۔ (یعنی انڈے کے اوپر چھلکے کے نیچے اچھوت چھلکے جیسے ان کے بدن ہیں۔) (سورہ صافات، تفسیر ابن کثیر سے ماخوذ)

﴿متقین کیلئے جنت میں دو باغ﴾

وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَان ،اس شخص کیلئے جواپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے، دو دو جنتیں ہیں، صحیح بخاری میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا دو جنتیں چاندی کی ہوں گی اوران کا کل سامان بھی چاندی کا ہی ہوگا، اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی، ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سب سونے کا ہوگا۔ ان جنتیوں اور دیدارِ باری میں کوئی چیز حائل نہ ہوگی، سوائے اس کبریائی کے پردے کے جو اللہ عزوجل کے چہرے پر ہوگا۔ یہ جنت عدن میں ہوں گے۔ (ابن کثیر)

﴿جنت کے ان باغوں کے اوصاف﴾

ذَوَاتَـا اَفۡنَـان : افنان شاخوں اورڈالیوں کو کہتے ہیں یہ اپنی کثرت سے ایک دوسرے سے ملی جلی ہوئی ہوں گی، یہ سایہ دار ہوں گی، جن کا سایہ دیواروں پر بھی چڑھا ہوگا، یہ شاخیں سیدھی اور پھیلی ہوئی ہوں گی، رنگ برنگ کی ہوں گی، کشادہ اور گھنے

سایہ والی ہوں گی (بقول ابن کثیر یہ سب اقوال صحیح ہیں)۔

فیھما عیننِ نَضّاختَان، ان میں نہریں بہہ رہی ہیں، تاکہ ان درختوں اور شاخوں کو سیراب کرتی رہیں، اور بکثرت اور عمدہ پھل لائیں، ایک کا نام تسنیم ہے، دوسری کا سلسبیل، یہ دونوں پوری روانی کے ساتھ بہہ رہی ہیں، ایک ستھرے پانی کی، دوسری لذت والی بے نشے کے شراب کی۔

فیھما من کل فاکھة زوجٰن: ان میں ہر قسم کے میوے بھی جوڑے جوڑے ہوں گے، اور پھل بھی وہ جن سے تم صورت شناس ہو، لیکن لذت شناس نہیں ہو، کیونکہ وہاں کی نعمتیں نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں، نہ کسی کان نے سنی ہیں، نہ کسی کے دماغ میں آسکتی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، دنیا میں جتنے بھی کڑوے، میٹھے پھل ہیں وہ سب جنت میں ہوں گے۔ یہاں تک کہ حنظل یعنی اندرائن بھی۔ ہاں دنیا کی ان چیزوں اور درختوں کے نام تو ملتے جلتے ہیں، حقیقت اور لذت بالکل ہی جداگانہ ہے۔ یہاں تو صرف نام ہیں، اصلیت تو جنت میں ہے، اسکا فرق تو وہاں جانے کے بعد ہی معلوم ہوسکتا ہے۔

یہ جنتی لوگ ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے، جب بستر دبیز اور خالص زرّیں ریشم کا ہوگا، تو پھر اوپر کا ابرا کیسا کچھ ہوگا۔

مالک بن دینار اور سفیان ثوری فرماتے ہیں، ابرا تو محض نورانی ہوگا، سراسر اظہار رحمت و نور ہوگا، پھر اس پر بہترین گل کاریاں ہیں، جنہیں خدا کے سوا کوئی نہیں

جانتا۔ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ: ان دونوں جنتوں کے پھل جنتیوں کے بالکل قریب ہوں گے، جب چاہیں، جس حال میں چاہیں وہیں سے لے لیں گے۔ بیٹھنے اور کھڑے ہونے کی ضرورت نہ ہوگی۔ کیونکہ شاخیں خود بخود جھوم جھوم کر جھکتی رہیں گی، فرمایا گیا قُطُوْفُهَا دَانِيَة ، اس کے پھل بے حد قریب ہوں گے، لینے والے کو کوئی تکلیف یا تکلف کی ضرورت نہ ہوگی۔ شاخیں خود جھک جھک کر میوے دے رہی ہوں گی۔

جنت کی حوریں: ان نازک، ریشمی بچھونوں، اور جنت کی باغ و بہار میں شرمیلی نیچی نگاہ والی حوریں ہوں گی کہ اپنے خاوندوں کے سوا کسی پر نظر نہ ڈالیں گی۔ اور ان کے خاوند بھی ان پر سوجان سے مائل ہوں گے۔ یہ حوریں اپنے خاوندوں سے کہیں گی ،خدا کی قسم ساری جنت میں میرے لئے تم سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ خدا خوب جانتا ہے کہ میرے دل میں جنت کی کسی چیز کی خواہش اور محبت اتنی نہیں جتنی آپ کی ہے۔

یہ حوریں کنواری، اچھوتی اور نو جوان ہوں گی، کہ ان جنتیوں سے پہلے ان کو کسی انس و جن نے ہاتھ نہیں لگایا۔

حسن و خوبی، پاکیزگی و صفائی میں وہ حوریں یاقوت و مرجان کی طرح ہوں گی، حضور ﷺ نے فرمایا، اہل جنت کی بیویوں میں سے ہر ایک ایسی ہے، کہ ان کی پنڈلی کی سفیدی ستر ستر حلوں کے پہننے کے بعد بھی نظر آتی ہے، یہاں تک کہ اندر کا گودا بھی ۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتَ وَالْمَرْجَان ، اور فرمایا دیکھو یاقوت ایک پتھر ہے، لیکن قدرت نے اس میں صفائی اور چمک ایسی رکھی ہے کہ اس کے بیچ میں تاگہ پرودو، تو

باہر سے نظر آتا ہے (ابن ابی حاتم) مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر اہل جنت کی بیویاں اس صفت کی ہوں گی کہ ستر ستر حلے پہن لینے کے بعد بھی ان کی پنڈلیوں کی جھلک نمودار رہے گی بلکہ اندر کا گودا بھی بوجہ صفائی کے دکھائی دیگا۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ راہ خدا میں ایک دفعہ صبح کا نکلنا یا ایک شام کا نکلنا ساری دنیا سے اور جو اس میں ہے سب سے بہتر ہے، جنت میں جو جگہ تمہیں ملے گی، اس میں سے ایک کمان یا ایک کوڑے کے برابر کی جگہ ساری دنیا اور اسکی ساری چیزوں سے افضل ہے، اگر جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت دنیا میں جھانک لے تو زمین و آسمان کو جگمگا دے اور خوشبو سے تمام عالم مہک اٹھے، اور اس کے سر کی صرف اوڑھنی بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں جس نے نیکی کی، آخرت میں اسکا بدلہ سلوک واحسان کے سوا کچھ نہیں، قرآن میں ہے **هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَان**، نیکوکاری کا بدلہ ہی بہت بڑا انعام واحسان ہے، دوسری جگہ ہے **للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادة**، نیکی کرنے والے کیلئے نیکی ہے اور زیادتی، یعنی جنت اور دیدار باری۔ دو جنتوں کا ذکر ہوا، ان دو جنتوں کے سوا دو جنتیں اور ہیں، جو فضیلت میں پہلی دو جنتوں کے مقابلہ کم مرتبہ کی ہیں۔

یہ دونوں جنتیں گہری سبز سیاہی مائل ہیں، ان میں دو جوش مارنے والے چشمے ہیں ان دونوں میں میوے اور کھجور اور انار ہیں، ان میں نیک سیرت خوبصورت عورتیں ہیں، گوری رنگت کی عورتیں جو خیموں میں محفوظ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں، ہر مسلمان کیلئے خَیرَہ ہے، یعنی نیک اور بہترین نورانی حور، اور ہر خَیرَہ کیلئے خیمہ ہے۔ اور ہر خیمہ کے چار دروازے ہیں، جن میں ہر روز تحفۂ کرامت، ہدیہ اور انعام آتا رہتا ہے۔ وہاں نہ کوئی فساد ہے، نہ سختی، نہ بدبو ہے نہ گندگی، حوروں کی صحبت ہے، جو اچھوتے، صاف سفید چمکیلے موتیوں جیسی ہیں۔

جنت کا ایک خیمہ: بخاری شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک خیمہ ہے دُرِّ مجوّف کا۔ جس کا عرض ساٹھ میل کا ہے۔ اسکے ہر ہر کونے میں جنتی کی بیویاں ہیں، جو دوسرے کونے والیوں کو نظر نہیں آتیں، مؤمن ان سب کے پاس آتا جاتا رہے گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ چوڑائی تیس میل ہوگی۔

حضرت ابو قتادہؓ فرماتے ہیں کہ خیمہ ایک ہی لؤلؤ کا ہے، جس میں ستر دروازے موتی کے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جنت میں ایک خیمہ ہوگا جو ایک موتی کا بنا ہوگا، چار فرسخ چوڑا، جس کے چار ہزار دروازے ہوں گے، اور چوکھٹیں سب سونے کی ہوں گی۔

ایک مرفوع حدیث میں ہے ادنیٰ درجہ کے جنتی کیلئے اسّی ہزار خادم ہوں گے اور بہتّر بیویاں ہوں گی، اور لؤلؤ و زبرجد کا محل ہوگا، جو جابیہ سے صنعاء تک پہونچے گا۔

یہ جنتی سبز رنگ کے اعلیٰ قیمتی فرشوں، غالیچوں اور تکیوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے، تخت ہوں گے، اور تختوں پر پاکیزہ عمدہ فرش ہوں گے، اور بہترین منقش تکیے لگے ہوئے ہوں گے، یہ تخت اور یہ فرش اور یہ تکیے جنتی باغیچوں اور ان کی کیاریوں پر ہوں گے، یہ اعلیٰ درجہ کے دھاری دار اور نقشین ریشم کے ہوں گے۔ اور

یہی ان کے فرش ہوں گے، کوئی سرخ رنگ ہوگا، کوئی زرد رنگ اور کوئی سبز رنگ، جنتیوں کے کپڑے بھی ایسے ہی اعلیٰ اور بالا ہوں گے۔ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے انہیں تشبیہ دی جا سکے، یہ بستر ے مخملی ہوں گے، جو بہت نرم اور خالص ہوں گے، کئی کئی رنگ کے ملے جلے ان میں نقش بنے ہوں گے (عبقری ہوں گے) حضرت ابوعبیدہ فرماتے عَبْقَر ایک جگہ کا نام ہے، جہاں منقش بہترین کپڑے بنے جاتے ہیں، خلیل بن احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہر نفیس اور اعلیٰ چیز کو عرب عبقری کہتے ہیں۔

حضور پاک ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب کی نسبت فرمایا، میں نے کسی عبقری کو نہیں دیکھا جو عمر کی طرح پانی کے بڑے بڑے ڈول کھینچتا ہو۔ (یہ تفاصیل سورہ رحمٰن کی آیتوں کی تفسیر میں ابن کثیر سے ماخوذ ہیں)۔

مقربین اور اصحاب الیمین کی جنت

مقربین آرام دہ جنتوں میں ہونگے یہ لوگ سونے کے تاروں سے بُنے ہوئے تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، ان کے پاس ایسے لڑکے ہوں گے۔ جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، آمد و رفت کرتے رہیں گے، آبخورے (جن میں ٹونٹی اور پکڑنے کی چیز نہ ہو) اور اباریق، آفتابے (جو ٹونٹی دار ہوں اور اس میں پکڑنے کی چیز ہو) یہ سب شراب کی جاری نہر سے چھلکتے ہوئے ہونگے، جن کی شراب نہ ختم ہو، نہ کم ہو، کیونکہ اس کے چشمے بہہ رہے ہیں۔

یہ گل اندام ساقی اپنے نازک ہاتھوں میں ہر وقت چھلکتے جام لئے ادھر اُدھر

گشت کر رہے ہوں گے۔ اس شراب سے نہ انہیں درد سر ہوگا، نہ ان کی عقل زائل ہوگی۔ طرح طرح کے میوے اور قسم قسم کے پرندوں کے گوشت انہیں ملیں گے، جس میوے کو جی چاہے گا اور جس طرح کے گوشت کی رغبت ہوگی، موجود ہو جائے گا۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جنت میں کسی پرندے کو اُڑتا ہوا دیکھ کر تمہارے دل میں اس کا گوشت کھانے کی خواہش پیدا ہوگی، تو وہ اسی وقت بھنا بھنایا تمہارے سامنے آکر گرے گا، بعض روایت میں ہے کہ وہ نہ آگ سے مس ہوگا، نہ دھوئیں سے خود بخود دپک کر سامنے آجائے گا۔ (مظہری، بحوالہ بزار و بیہقی)۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ جنت کے جس پرندے کو تو چاہے گا، وہ بُھنا، بھنایا، تیرے سامنے آجائے گا۔

طبرانی میں ہے، کہ جنتی جس میوے کو درخت سے توڑے گا، وہیں اس جیسا پھل لگ جائیگا۔ مسند احمد میں ہے کہ جنتی پرندے، بُختی اونٹ کے برابر ہیں، جو جنت میں چرتے چگتے رہتے ہیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ: یہ پرندے تو نہایت مزے کے ہوں گے، آپ نے فرمایا، ان کے کھانے والے ان سے بھی زیادہ ناز و نعمت والے ہوں گے، تین مرتبہ یہی جملہ ارشاد فرمایا، پھر فرمایا، مجھے خدا سے امید ہے کہ اے ابو بکر! تم ان میں سے ہو جوان پرندوں کا گوشت کھائیں گے۔

وَحُوْرٌ عِیْن کامثال اللؤلؤ المکنون:

اور مقربین کیلئے، گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی، جو اچھوتے موتیوں کی طرح ہیں، یہ ان کے نیک اعمال کا صلہ اور بدلہ ہے، یہ لوگ جنت

میں ،لغو، بیہودہ، خلاف طبع کوئی کلمہ بھی نہ سنیں گے۔حقارت، برائی اور گناہ کا ایک لفظ بھی کان میں نہ پڑے گا، **لا یسمعون فیھا لغواً و لا تاثیما** ،صرف سلام ہی سلام کی آوازیں ہوگی ان کا تحفہ آپس میں ایک دوسرے کوسلام کرنا ہوگا، **تحیّتھم فیھا سلام.**

یہ نعمتیں تو ان کیلئے تھیں جو مقربین بارگاہ حق ہیں، اب ان لوگوں کی نعمتوں کا حال سنئے ،جنہیں اصحاب الیمین یعنی اَبْرار کہتے ہیں، جن کا مرتبہ سابقین یعنی مقربین سے کم ہے۔ یہ ان جنتوں میں ہیں جہاں بیری کے درخت ہیں، لیکن کانٹوں دار نہیں اور ان کے پھل بکثرت اور بہترین ہیں، دنیا میں بیری کے درخت زیادہ کانٹوں والے اور کم پھل والے ہوتے ہیں، لیکن جنت کے یہ درخت زیادہ پھلوں والے اور بالکل بے خار ہوں گے، پھلوں کے بوجھ سے درخت کے تنے جھکے جاتے ہوں گے۔

حافظ ابو بکر احمد بن نجّار سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک اعرابی نے آکر کہا یا رسول اللہ! قرآن میں ایک ایسے درخت کا بھی ذکر ہے جو ایذا دیتا ہے۔آپ ﷺ نے پوچھا وہ کونسا ہے؟ اس نے کہا بیری کا درخت، آپ نے فرمایا تو پھر تو نے اس کے ساتھ ہی لفظ مخضود نہیں پڑھا؟ اس کے کانٹے اللہ نے دور کردئے ہیں، اور ان کے بدلے پھل پیدا کردئے ہیں، ہر ہر بیری میں بہتّر قسم کے ذائقے ہوں گے۔جن کا رنگ و مزا مختلف ہوگا۔

﴿ فی سدرٍ مخضود وَطلحٍ منضود: ﴾

بغیر کانٹوں والی بیریوں کے درخت اور تہ بہ تہ کیلے، ان دونوں کا ذکر اسلئے ہوا کہ اہل عرب ان درختوں کی گہری اور میٹھی چھاؤں کو پسند کرتے تھے، بیری کا درخت

بظاہر دنیوی درخت جیسا ہوگا، لیکن بجائے کانٹوں کے ان میں شیریں پھل ہوں گے۔

﴿درخت سدرہ (بیری) کی لمبائی﴾

حضرت اسماء بنت ابوبکر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، کہ آپ نے سدرۃ المنتہٰی کا ذکر کیا، **یسیر الراکب فِی ظلِّ الفنن منھا مائۃ سنۃ ، او یَسْتَظِلّ مائۃ سنۃ فیھا فراش الذھب کان ثمر ھا قلال** (بدور السافرہ ۱۸۴۸، صفۃ الجنۃ ابونعیم (۲۸۴/۳)

ترجمہ: بہترین سوار اس کی شاخوں کے سائے تلے سو سال تک چلے گا، یا سو سال تک سایہ میں بیٹھے گا، اسکا فرش سونے کا ہے، اس کا پھل مٹکوں کی طرح ہے۔

﴿جنت کے درخت کی لمبائی﴾

وَظِلِّ مَمْدُوْدٍ اور (جنتی) لمبے لمبے سایوں میں ہوں گے، صحیحین میں ہے کہ بعض درختوں کا سایہ اتنا دراز ہوگا کہ گھوڑے سوار آدمی اس کو سو سال میں بھی طے نہ کر سکے گا۔ حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **اِنّ فی الجنّۃ شجرۃٌ مستقلۃٌ علی ساقِ واحدٍ عرض ساقھا ثنتانِ وسبعون سنۃ**
(کنز العمال، ۳۹۲۷۰، اتحاف السادۃ، ۵۳۴/۱۰)

جنت میں ایک مستقل درخت ہے، اس کے ایک تنے کی چوڑائی ۷۲ سال کے (سفر کے) برابر ہے، بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت کے ایک درخت کے سائے میں تیز سوار سو سال تک چلتا رہے، لیکن سایہ ختم نہ

ہوگا، اور یہ بھی ہے کہ یہ شجرۃ الخلد ہے۔

شجرۃ الخلد

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِنّ فی الجنّة شجرة یسیر الرّاکبُ فی ظِلِها سبعیْنَ أو مائة سنة هِیَ شجرة الخلد. جنت میں ایک درخت ہے تیز ترین سوار اس کے سایہ میں ستر سال یا سو سال تک سفر کر سکتا ہے، اس کا نام شجرۃ الخلد ہے ہمیشہ رہنے والی جنت کا درخت (دارمی، ۳۳۸/۲، ابن ماجہ ۴۳۳۵)۔

حضرت ابو ہریرہ نے جب یہ روایت بیان کی اور حضرت کعبؓ کے کانوں تک پہونچی تو آپ نے فرمایا، اس خدا کی قسم جس نے تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور قرآن حضرت محمد ﷺ پر اُتارا، اگر کوئی شخص نوجوان اونٹنی پر سوار ہو کر اس وقت تک چلتا رہے جب تک وہ بڑھیا ہو کر گر نہ جائے تو بھی اس کی انتہا کو نہیں پہونچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنے ہاتھ سے بویا ہے، اور خود آپ اس میں اپنے پاس کی روح پھونکی ہے۔ اس کی شاخیں جنت کی دیواروں سے باہر نکلی ہوئی ہیں، جنت کی تمام نہریں اسی درخت کی جڑ سے نکلتی ہیں۔

ختم قرآن پر جنت کے درخت کا تحفہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عند ختم القرآن دعوةٌ مستجابةٌ وشجرة فی الجنة (کشف الخفاء، ۹۵/۲)۔

ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور جنت میں ایک عظیم الشان درخت عطا کیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مَنْ قرأ القرآن ظاهراً وباطناً اعطاه الله شجرة فی الجنة ، لو انّ غراباً افرَغَ مِنْ اغصانها ثمّ طار لادركه الهرم قبل ان يقطع ورقها (مجمع الزوائد ۷/۱٦۵، کنز العمال، ۲۴۱۵)۔

جس شخص نے قرآن کو دیکھ کر یا، یاد سے تلاوت کیا تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کو ایک ایسا درخت عطا فرمائیں گے کہ اگر کوئی کوّا ٹہنیوں کو چھوڑ کر اُڑے تو اسکے پتے کا فاصلہ طے کرنے سے پہلے اس پر بڑھاپا طاری ہو جائے گا۔

وماءٍ مَسْكوب ، پانی ہوگا بہتا ہوا مگر نہروں کے گڑھے اور کھدی ہوئی زمین نہ ہوگی۔

﴿جنت کی نہریں﴾

فيها انهارٌ من مَّاءٍ غيرا سنٍ وانهارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يتغيرّ طعْمُه ، وانهارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ للشارِبين وَ انهارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفّىٰ ، وَلَهُمْ فيها مِنْ كُلِّ الثَّمَرات وَمَغفِرةٌ مِنْ رَبهِم ، كمَنْ هُوَ خَالِدٌ فى النَّار وسُقُوا مَاءً حَمِيْماً فقَطّع اَمْعَاءَ هُمْ. (سورہ محمد پ ۲٦، آیت ۱۵)۔

جنت میں پانی کی بہت سی نہریں ہیں، جس میں ذرا تغیر نہ ہوگا، (نہ بو میں، نہ رنگ میں نہ مزے میں) بہت صاف موتی کی طرح ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، جنتی نہریں مشک کے پہاڑوں سے نکلتی ہیں، اس میں پانی کے علاوہ

دودھ کی نہریں بھی ہیں، جس کا مزہ کبھی نہیں بدلے گا، بہت سفید، بہت میٹھااورنہایت صاف وشفاف ہوگا۔ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہ دودھ جانوروں کے تھن سے نکلا ہوانہیں، بلکہ قدرتی ہے۔

اوراس میں شراب کی نہریں بھی ہیں، جو پینے والوں کا دل خوش کردیں، دماغ کھول دیں اس شراب میں نہ بدبو، نہ تلخی، نہ بدمنظر، بلکہ دیکھنے میں بہت اچھی، پینے میں بہت لذیذ، خوشبو میں بہت عمدہ، جس کو پی کر سرور آئے، فتور نہ آئے۔ دماغ کو کشادہ کرے، نشہ نہ چڑھے۔

حدیث میں ہے کہ یہ شراب بھی کسی کے ہاتھوں سے کشید کی ہوئی نہیں ہے، بلکہ خدا کے حکم سے تیار ہوئی ہے، خوش ذائقہ اور خوش رنگ ہے۔

جنت میں شہد کی نہریں بھی ہیں، جو بہت صاف، چمکدار، خوشبودار اور ذائقہ دار ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ یہ شہد بھی مکھیوں کے پیٹ سے نہیں نکلی ہے۔

ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جنت میں دودھ، پانی، شہد اور شراب کے سمندر ہیں جن سے ان کی نہریں اور چشمے جاری ہوتے ہیں۔ابن مردویہ کی حدیث میں ہے

عن ابی موسیٰ اشعری قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انّ انهار الجنة تشخب من جنة عدن فی جوبةٍ ثم تصدع بعد انهاراً (البدور السافرہ ۱۹/۲ بحوالہ ابن مردویہ والضیاء، حادی الارواح ص ۲۴۱)

یہ نہریں جنت عدن سے نکلتی ہیں، پھر ایک حوض میں آتی ہیں، وہاں سے بذریعہ اور نہروں کے تمام جنتوں میں جاتی ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس طلب کرو، وہ سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ جنت ہے۔ اسی سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے

طبرانی میں ہے، حضرت لقیط بن عامر جب ایک وفد میں آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جنت میں کیا کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا صاف شہد کی نہریں، اور بغیر نشے کے، سر درد نہ کرنے والی شراب کی نہریں، اور نہ بگڑنے والی دودھ کی نہریں، اور خراب نہ ہونے والی شفاف پانی کی نہریں، اور طرح طرح کے میوہ جات، عجیب وغریب، بے مثل اور بالکل تازہ، اور پاک وصاف بیویاں جو صالحین کو ملیں گی اور خود بھی صالحات ہوں گی، دنیا کی لذتوں کی طرح ان سے لذتیں اٹھائیں گے، ہاں وہاں بال بچے نہ ہوں گے۔

عَنْ انسٍ قال قال رسول اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لعلكم تظنون ان انهار الجنة اخدود فى الارض لا والله انها لسائحةٌ على وجه الارض حافتاه خيام اللؤ لؤ وطينها المسک الاذ فرقلت يا رسول الله ما الاذفر؟قال الذى لا خلط معه (حلیہ ابونعیم ۲۰۵/۶، صفۃ الجنۃ ابن ابی دنیا، ۶۸ بدور السافرہ ۹۱۴۱، درمنثور ۳۸/۱)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، یہ خیال کرنا کہ جنت کی نہریں دنیا کی نہروں کی طرح کھدی ہوئی زمین میں اور گڑھوں میں بہتی ہیں۔ نہیں، نہیں قسم خدا کی وہ صاف زمین پر یکساں جاری ہیں، ان کے کنارے کنارے لؤلؤ اور

موتیوں کے خیمے ہیں، ان کی مٹی مشک خالص ہے۔

﴿چار سمندر جس سے نہریں نکلتی ہیں﴾

انّ فی الجنة بحر الماء وبَحْرُ العَسْل وَبَحْرُ اللبن و بحر الخمر ثمّ تشقّقَ الانھَارُ بعد (بدور السافرہ ۱۹۱۹، ترمذی ۲۵۷۱، صفۃ الجنۃ ابونعیم ۲۰۷)

جنت میں ایک سمندر پانی کا ہے، ایک سمندر شہد کا، ایک سمندر دودھ کا اور ایک سمندر شراب کا ہے، پھر انہیں سے بعد میں نہریں پھوٹتی ہیں۔

﴿ہر محل میں چار نہریں﴾

ابن عبدالحکمؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **فی کل قصرٍ من قصور الجنة اربعة انھارٍ نھر من ماء معین ونھر من خمر معین ونھر من لبن معین ونھر من عسل معین ولا یشرب منھا حتی یمزج بالعیون التی سماھا الله تعالیٰ التسنیم، والزنجبیل ، والسَّلسبیل والکافور وھی التی یشرب بھاالمقربون منھا صرفاً** . (وصف الفردوس، ص ۲۶).

جنت کے محلات میں سے ہر محل میں چار نہریں چلتی ہوں گی، ایک نہر پانی کی، ایک نہر شراب کی اور ایک نہر دودھ کی اور ایک نہر شہد کی چلتی ہوگی، اور ان سے اس وقت تک نہیں پیا جائے گا۔ جب تک ان میں ان چشموں کو نہ ملایا جائے۔ جن کا اللہ تعالیٰ نے (قرآن میں) ذکر فرمایا، یعنی تسنیم اور زنجبیل اور سلسبیل اور کافور۔ اور یہ وہ چشمے ہیں، جن کو خالص طور پر (بغیر ملاوٹ) صرف مقربین بارگاہ خداوندی ہی نوش کریں گے۔

﴿مزید چند نہروں کا تذکرہ﴾

نہر کوثر : حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا، **الکوثر نهر في الجنة حافتاه من ذهب ومجراه على الدُّر والياقوت تربته اطيب من المسک وماء ه احلىٰ من العسل ، وابيض من الثلج** (ترمذی۳۳۶۱)

کوثر جنت میں ایک نہر ہے۔ اسکے دونوں کنارے سونے کے ہیں، اسکے چلنے کا راستہ گوہر اور یاقوت ہے۔ اسکی مٹی کستوری سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سفید ہے۔ (تفسیر بغوی ۳۰۲/۷)

نہر ریان: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **في الجنة نَهْرٌ يقال له الريان عليه مدينة من مرجان لها سبعون الف باب من ذهب وفضةٍ لحامل القرآن** (البدور السافرہ ۱۹۲۵، بحوالہ ابن عساکر، کنزالعمال ۵۵۰/۱)

جنت میں ایک نہر ہے جس کا نام ریان ہے اس پر ایک شہر، مرجان سے تعمیر کیا گیا ہے، جس کے ستر ہزار سونے، چاندی کے دروازے ہیں، اور یہ حافظ قرآن کیلئے ہے۔

نہر بیدخ: جنت میں ایک نہر ہے، اس پر یاقوت کے قبے ہیں، جن کے نیچے لڑکیاں اُگتی ہیں اور قرآن پڑھتی ہیں۔ (البدور السافرہ ۱۹۲۲، صفۃ الجنۃ ابونعیم ۳۲۴)۔

جب کوئی لڑکی کسی جنتی مرد کو پسند آئے گی تو وہ اسکی کلائی چھولے گا تو وہ لڑکی اس کے پیچھے چل پڑے گی، اور دوسری لڑکی اُگ آئے گی۔

نہر ہَر وَل: جنت میں ایک نہر ہے جس کا نام ہرول ہے۔ اس کے دونوں کناروں پر درخت اُگے ہوئے ہیں، جب جنتی سماع کی خواہش کریں گے تو کہیں گے ہمارے ساتھ ہرول کی طرف چلو، تاکہ ہم درختوں سے (خوبصورت اور دلکش آوازیں) سنیں۔ چنانچہ وہ ایسی (خوبصورت) آوازوں میں بولیں گے، اگر اللہ عزوجل نے جنتیوں کے مرنے کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو یہ ان آوازوں کے شوق اور طرب میں مرجاتے۔ پس جب ان خوبصورت آوازوں کو (درختوں پر لگی ہوئی) لڑکیاں سنیں گی تو وہ عربی زبان میں پڑھیں گی، تو اللہ کے ولی ان کے قریب جائیں گے اور ہر ایک ان لڑکیوں میں سے جس کو پسند کرے گا توڑ لے گا، پھر اللہ تعالیٰ ان لڑکیوں کی جگہ ویسی ہی اور لڑکیاں لگا دیں گے۔ (صفۃ الجنۃ ابونعیم ۳/٦۳)

نہر بارق: عن ابن عباس قال رسول اللہ ﷺ الشهداء علیٰ بارق نهر علیٰ باب الجنة فی قبة خضراء يخرج اليهم رزقهم بكرة وعشيا (تفسیر طبری ۲/۳۴، اتحاف السادۃ ۱۰/۳۸۸، درمنثور ۲/۹٦، طبرانی ۱۰/۴۰۵)

شہداء حضرات جنت کے دروازہ پر سبز قبہ میں ایک نہر بارق ہے، اس میں رہتے ہیں ان کی طرف جنت سے صبح و شام رزق پہونچتا ہے۔ ان کے علاوہ جنت میں اور بھی نہریں ہیں اور قسم قسم کے بکثرت پھل ہیں۔

وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ. اور پھر یہ پھل ہمیشہ رہنے والے ہیں کبھی ختم نہ ہوں گے اور نہ کبھی ان سے روکا جائے گا۔ خدا کی قدرت سے یہ ہمیشہ موجود رہیں گے۔ جب چاہیں مل جائے گا۔ کبھی کوئی رکاوٹ نہ ہوگی، کسی کانٹے

اور کسی شاخ کی بھی آڑ نہ ہوگی، نہ دوری ہوگی، نہ حاصل کرنے میں کوئی زحمت ہوگی، ادھر پھل توڑا ادھر اس کے قائم ومقام دوسرا پھل لگ گیا۔

وَفُرُش مرفوعة: اس میں بلند وبالا نرم ونازک، آرام وراحت دینے والے فرش ہوں گے۔ جس پر جنتیوں کی بیویاں ہوں گی۔ کیوں کہ عورت کے بغیر رنگ ونور اور لذت وسرور کا وجود ہی بے معنی ہے۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

اس لئے اس خوبصورت اور پُرتعیش جنت میں عورت بھی، ناز ونعمت، سیرت وصورت، حسن ومحبت اور ہم عمر بلا خیز جوانی کی ایسی صفات سے آراستہ ہوں گی جس کو بیان نہیں کیا جاسکتا، قرآن نے ان کے بارے میں کہا۔ **انّا انشأنٰھُنّ انشآءً فَجَعَلْنٰھُن ابکاراً، عُرُباً اترابا لا صحٰب الیمین.** ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر نئی تخلیق میں پیدا کیا ہے۔ جن میں حوریں ہیں اور وہ عورتیں بھی، جو دنیا میں بوڑھی اور بدشکل تھیں، ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں اور محبوبہ ہیں (یعنی شوہر کی عاشق اور من پسند حرکات وشمائل، ناز وادا، حسن وجمال سب چیزیں ان کی دلکش) ہم عمر ہیں (یا تو سب حوریں، آپس میں ہم عمر ہوں گی، یا اپنے شوہروں کے ساتھ عمر میں مساوی ہوں گی، جنت میں مرد وعورت سب ہم عمر کردئے جائیں گے)

﴿بڑھیا جوان ہوکر جنت میں جائے گی﴾

حضرت حسن بصریؒ بیان فرماتے ہیں **اَتَتْ عَجُوزٌ الی النبی ﷺ فقالَتْ یا**

رسولَ اللّٰہ ادع اللہ تَعَالیٰ ان یَدْخلنی الجنۃ فقال یا ام فلانٍ ان الجنۃ لا تدخلھا عجوزٌ فقال فوَلَّت تبکی فقال اخبروھا انھا لا تدخلھا وھی عَجوزٌ ان اللہ تعالیٰ یقول انّا انشأ نھُنَّ انشاءً فجعَلنھُنَّ اَبْکاراً (شمائل ترمذی، البدور السافرۃ ۲۰۲۲، البعث والنشور ۳۸۲، حادی الارواح ص ۲۹۲)۔

ایک بڑھیا رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمادیں کہ وہ مجھے جنت میں داخل فرمادے، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اے فلاں کی ماں، جنت میں تو کوئی بڑھیا داخل نہیں ہوگی، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ (یہ جواب سن کر) بڑھیا منہ پھیر کر جاتے ہوئے رونے لگی، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اسکو بتادو کہ اس میں کوئی عورت بڑھیا ہونے کی حالت میں جنت میں داخل نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ہم ان کو دوسری طرح تخلیق کریں گے، اور ان کو کنواریاں بنادیں گے۔

﴿جنتی جنت کی بہاروں میں﴾

سورہ غاشیہ میں ہے کہ بہت سے چہرے اس روز بارونق اور اپنے نیک کاموں کی بدولت خوش ہوں گے، بہشت بریں میں ہوں گے، جن میں کوئی لغویات نہیں سنیں گے۔ اس میں ایک بہتا ہوا چشمہ ہے اس میں اونچے اونچے تخت بچھے ہیں، اور رکھے ہوئے آبخورے ہیں، اور برابر لگے ہوئے گدے اور تکیے ہیں اور سب طرف قالین بچھے ہوئے ہیں۔ (پ۳۰، آیت ۸، ۱۶)

ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہوں گے، موتیوں کا ہار پہنے ہوں گے،

لباس انکا ریشمی ہوگا۔(قرآن)

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کے سروں پر تاج موتیوں سے مرصع ہوں گے،ان کے ادنیٰ موتی کی روشنی ایسی ہوگی کہ مشرق سے مغرب تک پورے عالم کو روشن کردے گی ، (رواہ الترمذی والحاکم صحہ، والبیہقی ،ازمظہری).

امام قرطبی نے فرمایا کہ ہر جنتی کے ہاتھ میں کنگن پہنائے جائیں گے،ایک سونے کا،ایک چاندی کا،ایک موتیوں کا۔ (معارف القرآن ج ۷/۳۴۹)

جنت میں ہر خواہش پوری ہوگی: اور تمہارے لئے اس (جنت) میں جس چیز کا تمہارا جی چاہے۔موجود ہے۔اوراس میں جو مانگو، بلکہ بلا مانگے جو تمہارا دل چاہے،موجود ہوجائے گا **وَلَکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ماَ تدّعون** (پ۲۴،حم سجدہ،آیت ۳۱).

اور یہ سب مہمانی کے بطور ہوگا،بخشنے والے مہربان کی طرف سے،حاصل یہ کہ تمہاری ہر خواہش پوری کی جائیگی،خواہ تم مانگو یا نہ مانگو۔

جنت کے جام شراب اور چشمے

سورہ دھر میں ہے: جو نیک ہیں وہ ایسے جام شراب سے پئیں گے،جس میں کافور کی آمیزش ہوگی،یعنی ایسے چشمے سے (پئیں گے) جس سے خدا کے خاص بندے پئیں گے،جس کو وہ (جہاں چاہیں گے بہا کر لیجائیں گے)۔

دُرِّ منثور میں ابن شوذب سے مروی ہے کہ جنتیوں کے ہاتھ میں سونے کی چھڑیاں ہوں گی، وہ چھڑیوں سے جس طرف اشارہ کردیں گے، نہریں اسی طرف چلنے لگیں گی اور یہ کافور دنیا کا کافور نہیں ہے بلکہ جنت کا کافور ہے، جو سپیدی اور تفریح وتقویتِ دل ودماغ میں اس کا مشارک ہے، پس وہاں اس جام میں کافور ملایا جائے گا، وہ جام شراب ایسے چشمے سے بھرا جائے گا جس سے مقرب بندے پئیں گے، وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں، خدا کی محبت میں غریب اور یتیم اور قیدی کو محض رضائے الٰہی کیلئے کھانا کھلاتے ہیں، نہ وہ تم سے بدلہ چاہیں گے اور نہ شکریہ۔

ہم اپنے رب سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں، سو اللہ تعالیٰ ان کو اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا۔ اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرمائے گا، اور ان کی پختگی (استقامت فی الدین) کے بدلے ان کو جنت اور ریشمی لباس دے گا، اس حالت میں کہ وہ وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ وہاں نہ تو سورج کی تیز شعاعوں سے انہیں کوئی تکلیف پہونچے گی، نہ جاڑے کی بہت سرد ہوائیں انہیں ناگوار گذریں گی، بلکہ بہار کا سا موسم ہر وقت اور ہمیشہ رہے گا۔ سردی اور گرمی کے جھمیلوں سے دور ہوں گے، جنتی درختوں کی شاخیں جھوم جھوم کر ان پر سایہ کئے ہوئے ہوں گی، اور میوے ان سے بالکل قریب ہوں گے۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جنت کی زمین چاندی کی ہے اور اسکی مٹی خالص مشک کی ہے، اس کے درختوں کے تنے، سونے چاندی کے ہیں، ڈالیاں لؤلؤ، زبرجد اور

یاقوت کی ہیں، ان کے درمیان پتے اور پھل ہیں، جن کو توڑنے میں کوئی دقت اور مشکل نہیں، چاہے بیٹھے بیٹھے توڑلو، چاہے کھڑے کھڑے، بلکہ اگر چاہو لیٹے لیٹے۔

ایک طرف خوش خرام، خوبصورت، خوش دل، باادب، سلیقہ شعار، فرمانبردار خادم، قسم قسم کے کھانے، چاندی کے برتنوں میں لئے کھڑے ہیں، دوسری جانب شراب طہور سے چھلکتے ہوئے بلوریں جام لئے ساقیان مہوش اشارے کے منتظر ہیں، یہ گلاس صفائی میں شیشے جیسے اور سفیدی میں چاندی جیسے ہوں گے، دراصل ہوں گے چاندی جیسے، لیکن شیشے کی طرح شفاف ہوں گے کہ اندر کی چیز باہر سے نظر آئے گی۔

پھر یہ جام نپے تلے ہوئے ہوں گے، ساقی کے ہاتھ میں زیب دیں گے، ان کی ہتھیلیوں پر بھلے معلوم ہوں گے اور پینے والوں کی حسب خواہش شراب طہور اس میں سماجائے گی جو نہ بچے گی اور نہ گھٹے گی۔ ان نایاب گلدستوں میں جو پاک، خوش ذائقہ اور سرور والی بے نشے کی شراب انہیں ملے گی وہ جنت کی نہر سلسبیل کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی۔

سلسبیل بقول حضرت عکرمہؒ جنت کے ایک چشمے کا نام ہے، کیونکہ وہ تیزی کے ساتھ مسلسل روانگی کے ساتھ بہہ رہا ہے، اس کا پانی بہت ہلکا، نہایت شیریں، خوش ذائقہ اور خوشبودار ہے، جو آسانی سے پیا جائے۔

ان نعمتوں کے ساتھ خوبصورت، حسین نوخیز کم عمر لڑکے، ان کی خدمت کیلئے کمر بستہ ہوں گے۔ یہ غلمان جنتی، جس عمر میں ہوں گے، اسی عمر میں رہیں گے۔ یہ نہیں کہ عمر بڑھ کر صورت بگڑ جائے، یہ نفیس پوشاک اور بیش قیمت جڑاؤ زیور پہنے ہوئے کثیر

تعداد میں ادھر اُدھر مختلف کاموں پر بٹے ہوئے ہوں گے، جنہیں وہ دوڑ، بھاگ کر مستعدی سے انجام دے رہے ہوں گے۔ ایسا معلوم ہوگا، گویا سفید آبدار موتی اِدھر اُدھر جنت میں بکھرے پڑے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہر ایک جنتی کے ایک ہزار خادم ہوں گے، جو مختلف کام کاج میں لگے ہوئے ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے نبی! تم جنت کی جس جگہ نظر ڈالو: تمہیں نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت ہی سلطنت نظر آئے گی تم دیکھو گے کہ راحت و سرور اور نعمت و نور سے چپہ چپہ معمور ہے۔

چنانچہ، صحیح حدیث میں ہے کہ ''سب سے آخر میں جو جہنم سے نکالا جائے گا، اور جنت میں بھیجا جائے گا۔ اس سے باری تعالیٰ فرمائے گا، جا! میں نے تجھے جنت میں وہ دیا جو مثل دنیا کے ہے، بلکہ اس سے بھی دس حصے زیادہ، اور حضرت ابن عمر کی روایت میں ہے کہ ادنیٰ جنتی کی ملکیت و ملک دو ہزار سال کی مسافت کا ہوگا، ہر قریب و بعید کی چیز پر اسکی بیک نظر یکساں نگاہیں ہوں گی۔ یہ حال تو ہے ادنیٰ جنتی کا، پھر سمجھ لو، اعلیٰ جنتی کا درجہ کیا ہوگا، اس کی نعمتیں کیسی ہوں گی، (پ۲۹، سورہ دھر کی تفسیر، تفسیر ابن کثیر سے ماخوذ)۔

﴿جنت کے بالا خانے﴾

لٰکنِ الّذین اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَبْنِيَّةٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ (سورزُمر، پ۲۳، آیت۲۰)

گفتگو کا آغاز یہاں سے ہے **اَفَمَنْ حَقَّ عَلیه کلمة العذاب اَفانت تنقذ من في النار** (آیت ۱۹) اللہ رب العزت کہہ رہا ہے، بھلا جس پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہے جس کی بدبختی لکھی جا چکی ہے، تو کیا تو اُسے جو دوزخ میں ہے، چھڑا سکتا ہے، تجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ انہیں عذابِ الٰہی سے بچا سکو۔

عذاب سے تو وہ محفوظ ہوں گے۔ جو نیک بخت، نیک اعمال، اور نیک عقیدہ ہوں گے، وہی لوگ قیامت کے دن جنت کے محلات میں مزے کریں گے۔ ان بالا خانوں میں جو کئی کئی منزلوں کے ہیں، تمام سامان آرائش و آسائش سے آراستہ ہیں، وسیع اور بلند، خوبصورت اور دیدہ زیب ہیں، حضور ﷺ فرماتے ہیں، جنت میں ایسے محل ہیں، جن کا اندرونی حصہ باہر سے اور بیرونی حصہ اندر سے صاف دکھائی دیتا ہے۔

ایک اعرابی نے پوچھا، یا رسول! یہ کن لوگوں کیلئے ہیں، فرمایا، ان کیلئے، جو نرم کلامی کریں، کھانا کھلائیں، اور راتوں کو جب لوگ میٹھی نیند میں ہوں تو یہ اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر گڑ گڑائیں، نمازیں پڑھیں (ترمذی).

مسند احمد میں فرمانِ رسول اللہ ﷺ ہے کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے، انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کیلئے بنایا ہے، جو کھانا کھلائیں، کلام کو نرم رکھیں، پے در پے بکثرت نفلی روزے رکھیں، اور پچھلی راتوں کو تہجد پڑھیں۔

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے، جنتی، جنت کے بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے، جیسے تم آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو، اور روایت میں ہے کہ مشرقی اور

مغربی کناروں کے ستارے جس طرح تمہیں دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح جنت کے وہ محلات تمہیں نظر آئیں گے۔ حدیث میں ہے کہ ان محلات کی یہ تعریفیں سن کر لوگوں نے کہا حضور یہ تو نبیوں کیلئے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا، ہاں! اور ان لوگوں کیلئے جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کو سچا جانا۔ (ترمذی)

مسند احمد میں ہے کہ رسول ﷺ سے صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! جب تک ہم آپ کی خدمت میں رہتے ہیں، اور آپ کے چہرۂ انور کو دیکھتے رہتے ہیں، اس وقت تو ہمارے دل نرم رہتے ہیں، اور ہم آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ رہتے ہیں، لیکن جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر دنیوی کاروبار میں مصروف ہوجاتے ہیں اور بال بچوں میں مشغول ہوجاتے ہیں، تو اس وقت ہماری وہ حالت نہیں رہتی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اگر) تم ہر وقت اسی حالت پر رہتے، جو حالت تمہاری میرے سامنے ہوتی ہے، تو فرشتے اپنے ہاتھوں سے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہارے گھروں میں آکر تم سے ملاقاتیں کرتے۔

سنو! اگر تم گناہ ہی نہ کرتے، تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لاتا جو گناہ کریں، تاکہ خدا تعالیٰ ان کو بخشے۔

ہم نے کہا حضور ﷺ! جنت کی بناء کس چیز کی ہے؟ فرمایا کہ ایک اینٹ سونے کی، ایک چاندی کی، اس کا چونا، خالص مشک ہے، اسکی کنکریاں لؤلؤ اور یاقوت ہیں، اس کی مٹی زعفران ہے اس میں جو داخل ہوگیا وہ مالا مال ہوگیا، جس کے بعد بے مال ہونے کا خطرہ نہیں، وہ ہمیشہ اس میں ہی رہے گا۔ وہاں سے نکالے جانے کا امکان ہی نہیں، نہ موت کا کھٹکا ہے، ان کے کپڑے گلتے، سڑتے نہیں، ان کی جوانی ہیشگی والی ہے۔

سنو! تین شخصوں کی دعاء مردود نہیں ہوتی، عادل بادشاہ، روزے دار، اور

مظلوم۔ان کی دعائیں اُبر پر اٹھائی جاتی ہیں۔اوران کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ رب العزت فرماتا ہے۔ مجھے اپنی عزت کی قسم ! میں تمہاری ضرور مدد کرونگا، اگر چہ کچھ مدت کے بعد ہو(ترمذی،ابن ماجہ)

ان محلات کے درمیان چشمے بہہ رہے ہیں، اور وہ بھی ایسے کہ جہاں چاہیں، پانی پہونچائیں، جب اور جتنا چاہیں بہاؤ رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اپنے مؤمن بندوں سے، یقیناً ذاتِ خداوندی وعدہ خلافی سے پاک ہے۔

سورہ عنکبوت میں بھی اسکا تذکرہ ہے:**والذین آمنوا وعملوا الصّٰلِحٰتِ لنبوّئنّھُم من الجنة غُرَفاً تجری من تحتها الانھٰرُ، خٰلدین فیھا ط نعم اجر العٰمِلِین** (پ۲۱،آیت ۵۸)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے، انہیں ہم ان کو جنت کے ان بلند بالا خانوں میں جگہ دیں گے، جن کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، کیا ہی اچھا اجر ہے کام کرنے والوں کا۔

سورہ فرقان میں ارشاد باری ہے:**اولٰئک یُجزَوْنَ الغُرفَة بِمَا صَبَروا وَیُلَقَّوْنَ فیھا تحیَّةً وسَلٰماً** (پ۱۹،آیت ۷۵)

یہی وہ لوگ ہیں، جنہیں ان کے صبر کے بدلے جنت کے بلند، بالا خانے دئے جائیں گے، جہاں ان کو دعاء وسلام پہونچایا جائے گا۔

ایماندار، اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جنت عدن کی بلند وبالا منزلوں میں پہونچائے گا جن کے نیچے قسم قسم کی نہریں بہہ رہی ہیں، یہ نہریں، جنتی

جہاں چاہیں گے بہنے لگیں گی، یہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ وہاں سے نکالے جائیں گے نہ ہٹائے جائیں گے، نہ وہ نعمتیں ختم ہوں گی، مومنوں کے نیک اعمال پر جنّتی بالا خانے انہیں مبارک ہوں۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول ﷺ فرماتے ہیں جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر، باطن سے نظر آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے لئے بنایا ہے، جو کھانا کھلائیں، خوش کلام، نرم گو ہوں، روزے، نماز کے پابند ہوں اور راتوں کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں یہ نماز پڑھتے ہوں، اور اپنے ہر احوال میں خواہ دینی ہوں یا دنیوی اپنے رب پر کامل بھروسہ رکھتے ہوں (تفسیر ابن کثیر، پ۲۱، ج۴)

حضرت سھل بن سعد روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا الغرفة من یاقوتةٍ حَمْراء وزبر جَدةٍ خضراء و ذرَّةٍ بیضاء لَیسَ فیھَا فَصْمٌ وَلا وَصُمٌ (بدور السافرہ ۱۷۸۷، کنز العمال ۳۲۶۴۹) یہ بالا خانہ سرخ یاقوت اور سبز زبرجد اور سفید چمکدار موتی کا ہوگا، ان میں کٹاؤ ہوگا، نہ جڑاؤ ہوگا۔ (بلکہ یہ سب ایک ہی موتی معلوم ہوں گے)

﴿جنت کے بازار کی عجیب وغریب نرالی شان﴾

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِن فی الجنّة لسَوُقاً مَا فیھا بیع ولاَ شراءٌ الا الصور مِن الرّجال والنساء فاذا اشتھیٰ الرجُلُ الصورةَ دَخَل فیھا واِن فیھا لمجتمعات للحور العین

يَرْفع باصوات لم يسمع الخلائق مثلها ، يقلن.

نحن الخالدات فلا نبيد ☆ ونحن الناعِمَات فلا نباس

ونحن الرّٰضيات فلا نسخط ☆ وطوبىٰ لمن كان لنا وكنا له

(مشکوۃ ۵۶۴۶، ترمذی ۶۸۶/۴، ۶۹۶، سیر اعلام النبلاء ۳۹۶/۱۱)

ترجمہ: جنت میں ایک بازار ہے، جس میں کوئی خرید وفروخت نہ ہوگی۔ بلکہ مردوں اور عورتوں کی شکلیں ہوں گی، جب کوئی مرد کسی شکل کو پسند کرے گا تو وہ اس میں داخل ہو جائے گا، (اور اس مرد کی ویسی ہی شکل ہو جائے گی) اور وہیں پر حور عین کی محفلیں ہوں گی، جو ایسی اونچی اور خوبصورت آوازوں میں نغمہ سرائی کریں گی کہ ویسی آواز مخلوق نے سنی ہی نہ ہوگی وہ کہیں گی۔

ہم ہمیشہ زندہ رہیں گی، کبھی فنا نہ ہوں گی، ہم نعمتوں میں پلنے والی ہیں، کبھی خستہ حال نہ ہوں گی، ہم راضی رہنے والی ہیں، کبھی ناراض نہ ہوں گی، خوشخبری اور مبارک ہو اسکو جو ہمارا خاوند ہے اور ہم اس کی بیویاں ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جنت میں ایک بازار ہے، جس میں کستوری کے ٹیلے ہیں، جو برف سے زیادہ سفید ہیں، جب جنتی حضرات اس میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر ایک ہوا چلائیں گے، اس ہوا کا نام "مثیرہ" ہوگا، جو ان پر مشک پاشی کرے گا، پھر جب یہ حضرات اپنی بیویوں کے پاس جائیں گے اور ان سے پاکیزہ خوشبو اور چمکتی ہوئی رنگینیاں آشکارا ہو رہی ہوں گی۔ (تو وہ کہیں گی) کہ تم اس قدر حسن و جمال کے ساتھ تو ہم سے روانہ

نہیں ہوئے تھے؟ تو وہ کہیں گے اور تم بھی تو اللہ کی قسم ہمارے سامنے پاکیزگی اور حسن وجمال میں بڑھ گئی ہو۔ پھر رحمٰن جل شانہ کی طرف سے ایک فرشتہ منادی کرے گا کہ آپ لوگ، اللہ کے بندے اور دوست ہو، اسی طرح تمہارے لئے ہر وقت نعمت اور شان وشوکت میں تجدید کی جاتی رہے گی۔ (وصف الفردوس ۶۱)

﴿اللہ ہمیں اور آپ کو جنت کے بازار میں ملا دے﴾

حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ ان کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو جنت کے بازار میں ملا دے، تو حضرت سعید بن المسیب نے عرض کیا! اے ابو ہریرہ! کیا جنت میں بازار بھی ہوگا؟ فرمایا ہاں! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے کہ جنت میں ایک بازار ہوگا، جس کو فرشتوں نے گھیر رکھا ہوگا، اس میں ایسی ایسی نعمتیں ہوں گی، جن کو آنکھوں نے نہیں دیکھا، اور نہ ہی کانوں نے ان کو سنا، اور نہ ہی دلوں میں ان کا خیال گذرا۔ چنانچہ یہ جنتی اس بازار سے جس چیز کا دل چاہے گا لے لیں گے، اس بازار میں لوگ ایک دوسرے سے ملاقاتیں کریں گے، حتی کہ ان لوگوں میں سے ہر ایک شخص اس شخص سے بھی ملاقات کر سکے گا، جو اس سے اوپر کے درجہ میں ہوگا، جب یہ اس کے لباس کو دیکھے گا تو اس کو گھبراہٹ ہوگی، اس کا تعجب ابھی ختم نہ ہوا ہوگا کہ اس کو بھی ویسا ہی لباس پہنا دیا جائے گا، یا اس سے بھی زیادہ خوبصورت، اس لئے کہ وہاں کسی شخص کیلئے مناسب نہ ہوگا کہ وہ جنت میں غمگین ہو۔

﴿بازار جس میں خرید و فروخت نہ ہوگی﴾

عبداللہ بن حکم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جنت میں ایک بازار ہے جس میں کوئی خرید و فروخت نہ ہوگی، اس میں پوشاکیں ہوں گی، موٹا ریشم ہوگا، باریک ریشم ہوگا، سادہ ریشم ہوگا، بچھونے ہوں گے، عمدہ فرش ہوں گے، جواہر ہوں گے، یاقوت ہوں گے، لٹکے ہوئے تاج ہوں گے، جنتی حضرات ان میں سے جس چیز کا دل چاہے گا لے لیں گے، پھر بھی اس بازار میں کمی واقع نہ ہوگی، اس بازار میں صورتیں ہوں گی، جیسا کہ مردوں کی خوبصورت صورتیں ہوسکتی ہیں، ان میں سے ہر صورت کے سینہ پر یہ لکھا ہوگا، جو شخص یہ تمنا کرے کہ اس کا حسن میری صورت جیسا ہو، اللہ تعالیٰ اس کی صورت کو میرے حسن کے مطابق بنادیں گے، جو شخص تمنا کرے گا کہ اس کے چہرے کا حسن میری صورت کے مطابق ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی صورت کو میرے حسن کے مطابق کردیں گے، اور جو شخص تمنا کرے گا کہ اس کے چہرے کا حسن اس صورت کے مثل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی صورت کے مطابق کردیں گے۔

(وصف الفردوس ۱۷۷)

جنت میں دنیا کی عورتیں

حضرت حبان بن جبلہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی عورتیں جب جنت میں داخل ہوں گی تو ان کو نیک اعمال کی وجہ سے حوروں پر فضیلت عطا فرمائی جائے گی، (صفۃ الجنۃ ابن ابی الدنیا ۲۷۹، تذکرۃ القرطبی ۲/۴۷۷)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے، آپ نے فرمایا انّ الأدمیات افضل مِنَ الحور العین سبعین الف ضعف ، دنیاوی عورتیں حور عین سے ستر ہزار گنا افضل ہوں گی۔

﴿دنیا کی بیوی جنت میں بھی بیوی رہے گی﴾

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی، کہ جو شخص کسی عورت سے شادی کرتا ہے، جنت میں بھی وہ عورت، اس کی بیوی ہوگی (ابن وہب، البدور السافرہ ۲۰۶۱)

حضرت حذیفہ نے اپنی بیوی سے فرمایا تھا کہ اگر تمہیں یہ بات پسند آئے کہ تو جنت میں میری بیوی رہے، اور اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو جنت میں ملا دیں تو تم میرے بعد اور نکاح نہ کرنا، کیونکہ (جنت میں) عورت اپنے دنیا کے آخری خاوند کی بیوی بنے گی (تذکرۃ القرطبی ۱/۴۸۲)

حضرت ام المؤمنین ام حبیبہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! وہ عورت جس کے دنیا میں دو خاوند ہوتے ہیں، یہ عورت بھی فوت ہوجاتی ہے، اور وہ بھی فوت ہوجاتے ہیں، پھر یہ سب جنت میں داخل ہوں، تو یہ عورت کس خاوند کی بیوی بنے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا لا َحْسَنِهـا خُـلقاً كان عند ها فى الدنيا ، جو دنیا میں ان دونوں میں اچھے اخلاق سے پیش آتا تھا، ذهـب حُسن الخلق بخير الدنيا و الأخِرةِ. حسن اخلاق دنیا اور آخرت، دونوں کی خوبیاں لے گیا۔

﴿دین میں اخلاق کی اہمیت﴾

عَن عَبداللّٰہِ بن عمر وقال قال رَسُول اللّٰہ اِنّ مِنْ خیارکُم اَحْسَنُکُمْ اخلاقا (بخاری ومسلم) حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔

عَنْ ابیْ هریرة قال قال رَسُول الله صلی الله علیه وسلَّمْ اَکْمَلُ المؤمنین اِیْمَاناً اَحْسَنُهُم خُلُقاً (ابوداؤدودارمی)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایمان والوں میں سب سے کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں، جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں۔

عَنْ ابی الدرداء عن النبی صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلّم قَال اِنّ اثقل شئی یُوضع فِی میزان المؤمن یَوم القییمةِ خُلُقٌ حَسَنٌ (ابوداؤد، ترمذی)

حضرت ابودرداء سے روایت ہے، کہ آپ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن مومن کی میزان عمل میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے، عَنْ رجلٍ مِنْ مُزینَةَ قالَ قَالوا یا رسُوْل اللّٰہ مَاخَیْرُ مَا اُعْطِیَ الانْسَانُ ؟ قال الخُلُقُ الحسَنُ (بیہقی فی شعب الایمان)

قبیلہ مزینہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! انسان کو جو کچھ عطا ہوا ہے، اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، اچھے اخلاق۔ ان احادیث کی روشنی میں اندازہ لگایئے کہ حسن اخلاق کی

کس قدر اہمیت ہے حسنِ اخلاق وہ نسخۂ اکسیر ہے، جس سے دنیا کی زندگی راحت وسکون پاتی ہے، آدمی کیلئے عزت واحترام اور محبتوں کے دروازے کھلتے ہیں، اور قدر و منزلت اس کی قدمبوسی کرتی ہے۔

اور آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ رحیم وکریم آقا کی رضا اور وہ جنت ہے، جو اس نے اپنے بندوں کیلئے تیار کی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: قال رَسُول الله ﷺ قال الله تعالیٰ اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصالحین مَا لا عین رأت ولا اُذنٌ سمعت ولا خطر عَلیٰ قلب بشر، واقرؤا ان شئتم فَلَا تعْلَمُ مَا اُخْفِیَ لَهُمْ مِن قُرّةِ اَعْیُنٍ (بخاری ومسلم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے وہ چیزیں تیار کی ہیں، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سُنا، نہ کسی انسان کے دل میں کبھی اس کا خیال گذرا، اگر تم چاہو، تو قرآن کی یہ آیت پڑھو، فَلا تعْلَمُ نفسٌ ما اُخْفِیَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ، کوئی آدمی بھی اُن نعمتوں کونہیں جانتا، جو بندوں کے لئے چھپا کر رکھی گئی ہیں، جن میں اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ہے۔

پھر ظاہر ہے کہ جنت کا جغرافیہ کون بیان کرسکتا ہے، اسکی نعمتوں کا شمار کون کرسکتا ہے، اس کے محاسن اور اسکے عجائبات کا احاطہ کس کے بس میں ہے اس لئے یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ قرآن واحادیث میں جو جنت اور جہنم کا ذکر بار بار کیا گیا ہے، اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس کو پڑھ کر لوگوں میں جنت کا شوق اُبھرے، تاکہ وہ

اچھے اعمال اختیار کریں، اور جہنم کا خوف پیدا ہو، تا کہ اُن بُرائیوں سے بچ سکیں جو دوزخ میں لے جانے والی ہیں، دنیا کی زندگی کا آخری انجام، چونکہ جنت اور جہنم ہے ،اسی تناظر میں جنت اور جہنم کی ایک مختصر سی جھلک پیش کی گئی ہے۔

آخر میں اس حدیث پر جنت کے تذکرہ کو ختم کیا جارہا ہے کہ جب جنتی، جنت میں پہونچ جائیں گے تو پھر اہل جنت کو آواز دے کر یہ کہا جائے گا۔

﴿جنت میں پہونچنے کے بعد ایک اعلان﴾

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یُنادی مُنادٍ انَّ لَکُمْ اَنْ تَصِحُّوا فلا تَسْقِمُوا اَبَداً وَاَنَّ لَکُمْ اَنْ تَحْیَوْافلاَ تمُوتوا ابداً وَاَنَّ لکُمْ اَنْ تَشِبُّوا فَلا تهر مُوا ابَداً وَاَنّ لَکُمْ اَنْ تنعِمُوا فَلا تبْأ سُوْا اَبداً، فَذَالِکَ قوله عَزّوَجَلّ وَنُوْدُوْا اَنْ تِلْکُمُ الجَنَّة اورِثْتُموهَا بِمَا کُنتُم تَعْمَلون. (سورہ اعراف، آیت ۴۳) البعث والنشور ۴۸۸، ترمذی ۳۲۴۶، البدور السافرہ حدیث ۲۱۵۹، مسند احمد ۹۵/۳)

(جنت میں داخل ہونے کے بعد جنتیوں کو) ایک منادی ندا کرے گا کہ تمہارے لئے خوش خبری ہے کہ تم صحت مند رہو گے، کبھی بیمار نہ ہوگے، اور تمہارے لئے یہ بھی خوش خبری ہے کہ تم زندہ رہو گے کبھی نہیں مرو گے، اور تمہارے لئے یہ بھی خوش خبری ہے کہ تم جوان رہو گے، کبھی بوڑھے نہیں ہو گے، اور تمہارے لئے یہ بھی خوشخبری ہے کہ تم ناز اور نعمتوں میں رہو گے، کبھی دکھ نہ دیکھو گے۔

اللہ تعالیٰ کا اس کے متعلق ارشاد ہے، کہ ان جنت والوں کو پکار کر کہا جائے گا کہ یہ جنت (ہے جو) تم کو دی گئی ہے، اس عمل کے بدلہ میں جو تم کرتے تھے۔

اے خدا! دنیا میں آنے کے بعد، بغیر مانگے اور بغیر کچھ کئے شیر مادر کے چشمے عنایت کرنے والے! تیری بارگاہِ عالی میں، نہایت عاجزی کے ساتھ ہم عرض گذار ہیں! کہ دنیا سے جب سفر ہو، تو ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو، اور تیرے نیک بندوں کے ساتھ حشر ہو اور جنت کی وہ تمام نعمتیں میسر ہوں جو تو نے اپنے مخلص بندوں کیلئے تیار کی ہیں۔

اے کریم! آرزو ہے کہ ہماری للچائی ہوئی طبیعت کے ارمان پورے ہوں اور جنت الفردوس اور اس کی بہاریں عطا ہوں، خواہ ہمارے اعمال اس کے لائق نہ ہوں، لیکن یہ تو ایمان ہے کہ تیری رحمت بہت وسیع ہے اور تیرا نوازنا اعمال پر موقوف نہیں، اور یہ بھی یقین ہے کہ تیری رحمت تیرے غضب پر غالب ہے۔ کیونکہ تو نے خود فرما دیا ہے رحمتی وَسِعَتْ علیٰ غضبِی کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے، اس لئے تیری بارگاہ میں درخواست کرتے ہیں، کہ ہماری چھوٹی، بڑی تمام خطاؤں سے درگذر فرما اور جہنم کے عذاب سے حفاظت کے فیصلے فرما۔ آمین یا رب العالمین۔

جہنم اور اس کے دردناک مناظر

جنت اور جہنم کا تذکرہ، قرآن میں مختلف انداز سے بار بار کیا گیا ہے۔ تاکہ دونوں کا تصور دل و دماغ میں بس جائے، جنت کی لازوال نعمتوں، خوش رنگ، خوش ذائقہ پھلوں، باغات اور اسکی گھنی شاخوں، مست اور بے خود کرنے والی فضاؤں، بے

مثل نگار آلود محلوں، نازک اندام عورتوں، لؤلؤ ومرجان کی طرح حور وغلماں کی ٹولیوں، دودھ، شراب اور شہد کی بہتی نہروں، اور بہت کچھ تصور سے ماوراء، جس کی ادنی سی جھلک پیش کی گئی۔

بہشت آنرا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

جنت تو ایسی ہے جہاں کوئی تکلیف نہیں، کسی کو کسی سے کوئی کام نہیں ۔ع

نہ غرض، کسی سے نہ واسطہ ☆ مجھے کام اپنے ہی کام سے

جو دل چاہے وہ موجود، تو پھر کسی کی ضرورت کیا، لیکن جہنم! اسکے بالکل برعکس ہے جہاں آرام وراحت کا کوئی تصور نہیں، بس عذاب ہی عذاب ہے، جس کو دیکھ کر ظالمین پکار اٹھیں گے هَلْ اِلٰی مَرَدٍّ مِنْ سبیل (پ۲۵،شوریٰ،۴۴)۔کیا (دنیا میں) واپس جانے کی کوئی (صورت) ہوسکتی ہے۔ یہ فکر اس وقت ہوگی، جب آگ کے روبرو ہوں گے، ذلت سے نظریں جھکائے پوشیدہ نگاہ سے دیکھتے ہوں گے مگر اس وقت کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی، اس لئے ضرورت ہے کہ آج اس آگ سے بچنے کی فکر کرلی جائے، تاکہ کل افسوس نہ کرنا پڑے، جہنم جب سامنے ہوگی تو یہ ظالم حسرت کے ساتھ کیا کہیں گے، قرآن ناطق سے سنئے وَلَوْ تَرىٰ اِذْوُقِفُوْا عَلىٰ النَارِ فَقالوا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بايٰاتِ ربّنَاوَنكونَ مِنَ الْمُؤمِنِيْن (پ۷،انعام،۲۷)۔ اور اگر تو دیکھے، جس وقت کھڑے کئے جائیں گے وہ دوزخ پر، کہیں گے اے کاش! ہم پھر بھیج دئے جائیں، اور ہم نہ جھٹلائیں اپنے رب کی آیتوں کو اور ہو جائیں ہم ایمان

والوں میں۔ اللہ علیم وخبیر ہے اس کو معلوم ہے یہ جھوٹے ہیں، دنیا میں جا کر یہی کہیں گے، اِن ھِیَ اِلاّ حَیَاتنا الدُّنیا وَمَا نَحنُ بِمَبعُوثِین، زندگی نہیں مگر یہی دنیا کی، اور ہم کو پھر زندہ نہیں ہونا ہے، اور پھر جب یہ اللہ کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے تو اللہ ان سے کہے گا، اَلَیسَ ھٰذا بالحقِّ قَالوا بلیٰ وَرَبّنَا قَالَ فذُوقوا العَذابَ بِمَا کُنتُمْ تکفُرُون (پ ۷، انعام، ۳۰)

کیا یہ سچ نہیں ہے؟ کہیں گے، کیوں نہیں، قسم ہے، اپنے رب کی، فرمائے گا چکھو عذاب، بدلے میں کفر کے۔

یہ ایک حقیقت ہے، کوئی قصہ، کہانی اور خواب وخیال نہیں، جہنم کے عذاب کو روبرو دیکھ کر اس وقت اس سے بچنے کی فکر بے سود ہوگی۔ اسلئے رحیم وکریم آقا نے جہنم کی مصیبتوں اور جنت کی نعمتوں کو بار بار بیان فرمایا، تاکہ جنت کا شوق پیدا ہو جائے اور جہنم کا خوف دل میں آجائے۔ کیونکہ زندگی شوق اور خوف کی پٹری پر دوڑتی اور ٹھہرتی ہے۔

شوق، رَخشِ عمل کو مہمیز کرتا ہے، چونکہ اس کے پیچھے خواہشات کی تکمیل اور کامرانی کا یقین ہوتا ہے، اور خوف اس کو گناہ کے کام سے اس لئے روکتا ہے کہ اس کا بھیانک انجام پیش نظر ہوتا ہے۔

خالق کائنات نے جب جنت کا ذکر کیا تو فرمایا اُعِدَّت لِلمتقین. یہ پرہیز گاروں کیلئے ہے، اور جب جہنم کا ذکر کیا تو فرمایا اُعِدَّتْ لِلکٰفِرِین یہ کافروں کیلئے ہے۔ جزاءً بِمَا کانوا یَعْمَلُون. یہ بدلہ ہوگا دنیا کے کاموں کا یہ کوئی ظلم نہیں بلکہ اس کا تو پہلے ہی سے اعلان کیا جا چکا ہے، فَاَمَّنا الَّذِینَ شقوا ففی النَّارِ لَھُمْ فِیھَا

زَفِيْرٌ وَشَهِيْق (پ۱۲، ہود، ۱۰۶).

تو جو لوگ بد بخت ہوئے وہ جہنم میں ہوں گے، ان کیلئے چیخنا اور دھاڑنا ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جب تک آسمان و زمین قائم ہیں، مگر جو چاہے آپ کا رب، یقیناً تیرا رب کر گذرتا ہے، جو کچھ چاہے۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُ وا ففی الجنّۃ اور جو لوگ نیک بخت ہوئے وہ جنت میں ہوں گے، جہاں ہمیشہ رہیں گے، جب تک آسمان و زمین باقی رہے۔ مگر جو چاہے تیرا پروردگار، بخششیں ہے بے انتہا۔

ایک طرف جنت، اور بے انتہاء بخششیں ہیں، دوسری طرف چیخ و پکار، اور جہنم کے خوفناک مناظر ہیں۔

﴿جہنم کس قدر خوفناک ہے﴾

اندازہ لگائیے اس بات سے کہ جہنم کتنی بھیانک ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل سے پوچھا، مَالِيَ لا اَرىٰ ميكائيل عَلَيْهِ السَّلام يَضْحَكُ فَقَالَ جِبْرِيْل مَا ضَحِكَ ميكائل مُنذُ خُلِقَتِ النَّارُ . (مسند احمد)

کیا بات ہے میں نے میکائیل علیہ السلام کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا؟ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا، جب سے جہنم پیدا کی گئی، میکائیل کبھی نہیں ہنسے۔

ابو عمران الجونی نے مرسلاً حضور ﷺ سے روایت کیا، (ایک مرتبہ) حضرت جبرئیل رسول ﷺ کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا۔

اے جبریل تجھے کس چیز نے رُلایا ہے؟ عرض کیا، اے محمد ! کیا آپ نہیں روتے ؟ جب سے اللہ تعالیٰ نے جہنم کو پیدا فرمایا ہے، میری آنکھیں اس خوف سے خشک نہیں ہوئیں، کہ مبادا میں اسکی نافرمانی کر بیٹھوں، اور وہ مجھے اس میں ڈال دے۔

(کتاب الزہد امام احمد)

حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل غمگین حالت میں سر جھکائے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا، اے جبریل: کیا بات ہے، میں تمہیں غمگین دیکھتا ہوں؟ عرض کیا، میں نے جہنم کی ہوا کا ایک تیز جھونکا دیکھا ہے، اس کے بعد سے میری طرف میری رونق نہیں لوٹی۔ (طبرانی)۔

﴿جبریل بھی روئے اور حضور ﷺ بھی روئے﴾

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) حضرت جبریل علیہ السلام (آپ کے پاس) ایسے وقت میں آئے جس میں پہلے نہیں آتے تھے، تو ان سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا؟ اے جبریل کیا بات ہے، میں تمہیں اُڑے ہوئے رنگ میں دیکھ رہا ہوں۔ عرض کیا، میں آپ کے پاس اس وقت تک نہیں آیا۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے آگ کے بھڑکانے والے پائپوں کو (جہنم کو بھڑکانے کا) حکم نہیں فرمایا۔

فرمایا: اے جبریل مجھے جہنم کا حال بتاؤ، تو انہوں نے بہت طویل حال بیان کیا اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا، اے جبریل بس کافی ہے۔ میرے دل کو ٹکڑے ٹکڑے مت کرو، ورنہ میں مر جاؤں گا۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں، پھر حضور ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا

کہ وہ رو رہے تھے، تو آپ نے فرمایا، اے جبریل تم روتے ہو؟ حالانکہ تم اللہ کے نزدیک ایک مرتبہ پر ہو جس پر اب تم ہو، تو انہوں نے عرض کیا، میرے لئے کیا ہے، میں کیوں نہ روؤں، میں تو آپ سے زیادہ رونے کا حق دار ہوں، شاید میں اللہ کے علم میں، اس حال پر نہ ہوؤں جس پر اب ہوں، میں نہیں جانتا، شاید میں بھی اس میں مبتلا کیا جاؤں جس میں ابلیس کو مبتلا کیا گیا، جب کہ وہ فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا، اور میں نہیں جانتا، شاید میں اس میں مبتلا کیا جاؤں، جس میں ہاروت و ماروت مبتلا کیے گئے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں، **فبكىٰ رَسُوْل الله صَلَى اللّٰه عَلَيْه وسلم وبكىٰ جبريل عليه السلام فما زالا يبكيان حتى نوديا: يا مُحَمَّد وَيَا جبريل، ان الله عزوجل قَدْ اٰمنكُما اَنْ تَعْصِياه، فارتفع جبريل وَخرج رَسُوْل الله صَلى الله عليه وسلم.** (طبرانی)

پس رسول اللہ ﷺ بھی رو پڑے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی رو پڑے۔ اور بہت دیر تک روتے رہے، حتی کہ انہیں پکارا گیا، اے محمد، اے جبریل، اللہ نے تم دونوں کو معصوم بنایا ہے، (اس سے) کہ تم نافرمانی کرو، پھر حضرت جبریل علیہ السلام چلے گئے، اور حضور پاک ﷺ (بھی وہاں سے) چلے آئے۔

سوچئے! جہنم کتنی خوفناک ہے کہ اس کے احوال بیان کرتے کرتے جبرئیل علیہ السلام رونے لگے اور حضور پاک ﷺ اس کو سن کر رونے لگے، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ کو معراج کرائی گئی اس وقت

حضرت جبریل بھی آپ کے ساتھ تھے حضور ﷺ نے کچھ گرنے کی آواز سنی تو فرمایا۔

یاجبریل! مَا هٰذهِ الهَدَةُ ؟ قَالَ حَجَرٌ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ مِنْ شفیر جَهنَّم فَهُوَ يَهْوِیْ مُنذُ سَبْعین عَاماً فَبَلَغَ قَعْرَهَا الْاٰن. (ابن ابی الدنیا، طبرانی)

اے جبریل یہ گرنے کی آواز کس چیز کی ہے؟ تو حضرت جبریل نے بتایا، یہ ایک پتھر ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کے کنارے سے چھوڑا تھا، جو اس میں ستر سال تک گرتا رہا وہ اب جا کر اس کی تہہ کو پہونچا ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے رسول اللہ ﷺ کبھی نہیں ہنسے، صرف تبسّم فرمایا کرتے تھے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وَالّذِیْ نَفْسِی بِیَدِهٖ لَو رَأَیْتُم مَا رأیتُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلاً وَّ لَبَکَیْتُمْ کَثِیراً، قالُوا وَمَا رَأیتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰه ﷺ قَالَ رَأیْتُ الجنَّة وَ النَّار . (مسلم شریف)

مجھے اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم دیکھ لو، جو میں نے دیکھا ہے، تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ، صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ آپ نے کیا دیکھا؟ فرمایا: جنت اور جہنم کو دیکھا ہے۔

﴿جہنم پیدا ہوئی تو بہت سے فرشتے کبھی نہیں ہنسے﴾

حضرت ابوفضالہ اپنے بعض مشائخ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا

اِنَّ لِلّٰهِ عَزَّ وجَلَّ مَلائِکةً لَمْ یَضْحَکْ اَحَدُهُمْ مُنْذُ خُلِقَتْ جَهَنَّم مَخَافَةَ اَنْ یَغْضِبَ اللّٰه عَلَیهِمْ فَیُعَذِّبَهُمْ. (ابن ابی الدنیا)

اللہ عز وجل کے کچھ فرشتے ایسے ہیں کہ جب جہنم پیدا کی گئی تو وہ اس خوف سے کبھی نہیں ہنسے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہو کر ان کو (جہنم کے) عذاب میں نہ ڈال دے۔

﴿جہنم سے خطرناک کوئی منظر نہیں﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: **لَمَّا کَسَفَتِ الشَّمْسُ رَأَیْتُ النَّارَ فَلَمْ اریٰ مَنْظراً کالْیَومِ قَطّ افْظَعُ منھا.** (بخاری ومسلم)

جب سورج گرہن ہوا تو میں نے جہنم کو دیکھا، میں نے آج کے دن کی طرح کبھی بھی اس سے زیادہ خوفناک منظر نہیں دیکھا۔ اسی لئے تو آپ ﷺ نے فرمایا، **لَوْ اُبْرِزَتِ النَّارُ لِلنَّاسِ مَا راٰھا احَدٌ الَّا مَات**، اگر جہنم لوگوں کے سامنے کر دی جائے تو جو بھی دیکھے گا مر جائے گا۔

جہنم اس قدر خطرناک ہے کہ دنیا کی آگ بھی جہنم کی آگ سے گھبراتی ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **انَّ نارکُم ھٰذہٖ لَجُزْءٌ مِنْ سبعین جُزْءاً مِنْ نارِ جھنَّمَ، وَلولا انَّھا اُطْفِئَتْ بالْمَاء مَرَّتین مَا انْتَفَعْتُمْ بِھَا وَانَّھا لَتدْعوا اللہَ انْ لا یَغْمِسَھَا فیھا.** (ابن ماجہ)۔

تمہاری یہ آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے، اگر یہ دو مرتبہ پانی سے نہ بجھائی جاتی تو تم اس سے نفع نہ حاصل کر سکتے، یہ آگ اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتی ہے کہ وہ اسکو جہنم میں نہ ڈالے۔

حاکم نے مستدرک میں ایک روایت نقل کی ہے۔ ابو رجاء کہتے ہیں کہ جب

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے آگ کی طرف وحی فرمائی اگر تو نے ان کو تکلیف دی تو میں تجھے بڑی آگ میں دوبارہ پھینک دوں گا، تو یہ تین روز تک بے ہوش ہو کر پڑی رہی، اس عرصہ میں لوگ اس سے کوئی نفع نہ حاصل کر سکے۔ (ابن ابی الدنیا)

﴿حیوانات و جمادات کو جہنم کا خوف﴾

حضرت یحییٰ بن کثیر فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہونچی ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام کے غم کا دن ہوتا تو وحشی جانور میدانوں سے، درندے جنگلوں سے، شیر پہاڑوں سے، پرندے گھونسلوں سے اور لوگ بھی گھروں سے آکر اکٹھا ہو جاتے، حضرت داؤد علیہ السلام منبر پر جلوہ افروز ہوتے، رب کی حمد و ثنا کے بعد جنت اور جہنم کا ذکر شروع فرماتے تو ایک گروہ انسانوں سے، ایک درندوں سے، ایک شیروں سے ایک وحشی جانوروں سے، ایک عبادت گزار مردوں اور عورتوں سے مر جاتا، اس کے بعد موت اور قیامت کے ہولناک مناظر کا ذکر فرماتے، اور خود رونا شروع کر دیتے، پس ہر ہر گروہ سے ایک گروہ فوت ہو جاتا۔ (ابن ابی الدنیا)

حضرت فضیل بن العباس فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پہاڑ کے پاس سے گذرے جو دو نہروں کے درمیان واقع تھا، ایک نہر اس کے دائیں بہتی تھی اور دوسری بائیں، ان کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ پانی کہاں سے آتا ہے، اور کہاں جاتا ہے، تو پہاڑ نے کہا، جو نہر میرے بائیں بہتی ہے، وہ میری بائیں آنکھ کے آنسو

ہیں اور جو دا ہنے بہتی ہے وہ میری دائیں آنکھ کے آنسو ہیں، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا، ایسا کیوں ہے؟ عرض کیا اپنے رب کے خوف کی وجہ سے کہ وہ مجھے جہنم کا ایندھن نہ بنادے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ عزوجل سے دعاء مانگتا ہوں کہ وہ تجھ کو مجھے عطا فرمادے، چنانچہ انہوں نے دعاء کی تو اللہ تعالیٰ نے اُسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمادیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تو مجھے بخش دیا گیا، پس اس پہاڑ سے پانی کا ایک ریلا آیا، جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا اور بہالے گیا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا اللہ کی عزت کے حکم سے ٹھہر جا، میں نے تجھے اپنے رب سے مانگا ہے، اوراس نے تجھ کو مجھے دیدیا ہے۔ تو یہ کیا؟ تو اس نے کہا پہلا رونا خوف کا تھا، اور دوسرا رونا شکر کا ہے۔ (ابن ابی الدنیا)

جہنم خود جہنم سے پناہ مانگتی ہے

عمران بن القصیر کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ جہنم میں ایک وادی ہے، جس سے خود جہنم روزانہ چار سو بار پناہ مانگتی ہے، اس خوف سے کہ اُسے اس میں نہ ڈال دیا جائے کہ وہ اُسے کھا جائے، یہ وادی اللہ نے ریا کاروں کیلئے تیار فرمائی ہے۔

جہنم میں جو چیز بھی ڈال دی جائے وہ اسکو کھا جائے گی، حد یہ ہے کہ آگ خود آگ کو کھا جائے گی، حضرت ابو ہریرہؓ حضور پاک سے روایت کرتے ہیں، کہ آگ نے اپنے رب کے سامنے شکایت کی، اور کہا کہ اے میرے پروردگار میرے ایک حصہ

نے دوسرے کو کھالیا ہے، اب مجھے سانس نکالنے کی اجازت دیجئے، تو اللہ تعالیٰ نے اُسے دو سانس نکالنے کی اجازت دی، ایک سردی میں اور ایک گرمی میں، یہ جو تم گرمی کی سختی پاتے ہو یہ جہنم کی حرارت ہے اور جو سردی کی سختی پاتے ہو یہ جہنم کے زمہریر (کی سردی) سے ہے۔ (بخاری و مسلم)

﴿جنت اور جہنم کہاں واقع ہیں﴾

جنت کی چوڑائی تو آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے پڑھئے قرآن کی یہ آیت

وَسَارِعوا اِلیٰ مَغفِرةٍ مِنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُها السَّمٰوٰتِ وَ الارضُ " اُعِدَّت لِلْمُتَّقِيْن (پ۴، آل عمران، ۱۳۳)

اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑ و جو پرہیز گاروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ اور اس آگ (جہنم) سے ڈرتے رہا کرو، جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ ہرقل نے حضور ﷺ کی خدمت میں بطور اعتراض ایک سوال لکھ کر بھیجا کہ آپ مجھے اس جنت کی دعوت دے رہے ہیں، جس کی چوڑائی آسمان وزمین کے برابر ہے، تو یہ فرمایئے کہ پھر جہنم کہاں گئی؟ حضور پاک ﷺ نے فرمایا، جب ہر چیز پر رات آجاتی ہے، تو دن کہاں جاتا ہے؟ اس نے کہا، جہاں اللہ چاہے آپ نے فرمایا، اسی طرح جہنم بھی جہاں اللہ چاہے (بزار) اس کا مطلب یہ کہ گو رات کے وقت ہم دن کو نہیں دیکھتے، تاہم دن کا کسی جگہ ہونا ناممکن نہیں، اسی طرح گو جنت کا عرض اتنا ہی ہے، پھر بھی جہنم کے وجود سے انکار ممکن نہیں (ابن کثیر) جنت

اور جہنم کے وجود سے انکار تو ممکن نہیں، تو پھر کہاں ہیں؟ زمین میں یا آسمان میں
حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے عرض کیا، جنت کہاں واقع ہے؟ تو فرمایا، سات آسمانون کے اوپر، میں نے عرض کیا، اور جہنم کہاں ہے؟ تو فرمایا، سات تہ بتہ سمندروں کے نیچے (ابن مندہ)

حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ جنت آسمان میں ہے اور جہنم زمین میں ہے۔ (ابن خزیمہ، ابن ابی الدنیا)۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ جنت ساتوں آسمانوں میں ہے، اور جہنم ساتوں زمینوں میں۔ (ابن ابی الدنیا)

حضرت یعلیٰ بن امیہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں، کہ آپ ﷺ نے فرمایا اَلْبَحْرُ هُوَ جَهَنَّمُ، سمندر ہی جہنم ہے، بہت سے اسلاف نے واذاالبِحَارُ سُجِّرت کی تفسیر یہ کی، کہ سمندروں کو بھڑ کا کر جہنم میں شامل کر دیا جائے گا۔

دوسری جگہ قسم کھا کر رب نے کہا وَالْبَحْرِ الْمَسْجُور (الطّور). اور قسم ہے اُبلتے ہوئے دریا کی اور سورۃ تکویر میں کہا وَ اِذا البِحَارُ سُجِرت اور جب سمندر بھڑکائے جائیں گے۔ حضرت ابی بن کعب سے وَ اِذا البِحَارُ سُجِّرت کی تفسیر میں نقل کیا گیا، کہ جنات انسان کو کہیں گے، ہم تمہارے لئے ایک خبر لائے ہیں، تم دریا کی طرف چلو (جب یہ وہاں جائیں گے) تو وہ آگ بن کر شعلے مار رہا ہوگا۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت کعبؓ نے يَوْمَ تُبَدَّلُ الارضُ غَيرَ الارض (ابراہیم، ۴۸) کی تفسیر میں فرمایا کہ آسمانوں کو تبدیل کیا جائے گا تو وہ جنتیں بن جائیں گے اور زمین کو سمندر کی

جگہ تبدیل کیا جائے گا تو وہ جہنم بن جائے گی۔

﴿جب جہنم کو پیدا کیا گیا!﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، لَـمَّـا خَـلَـق الـلـه الـنَّار اَرسَلَ اِلَيْهَا جِبريل قَالَ لَهٗ اِذهَبْ فانْظُرْ اِلَيْهَا وَ اِلٰى مَا اَعْـدَدْتُ لِاهْـلِهَـا ۔ قَـالَ فَنظَرَ اِلَيْهَا فَاِذا هِیَ يَرْكَبُ بَعْضُهَا بَعْضاً فَرجَعَ فَـقَالَ وَعِزّتِکَ لَا يَدْخُلُهَا اَحَدٌ سَمِعَ بِهَا فَاَمَرَ بِهَا فَحُفَّتْ بالشَّهوٰتِ ثُمَّ قَـالَ لَـهٗ اِذهَـبْ فَـانْـظـر اِلٰى مَا اَعْدَدْتُ لِاَهْلِهَافَذَهَبَ فَنظَرالَيْهَا وَرَجَعَ فَـقَـالَ وَعِـزّتِکَ لَـقَـدْ خَشِيْتُ اَنْ لا ينجُو منها اَحَدٌ الَّا دَخَلَهَا (مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد)

جب اللہ تعالیٰ نے جہنم کو پیدا کیا تو جبریل علیہ السلام کو اسکی طرف بھیجا، اور فرمایا جاؤ اس کو دیکھو، اور اس عذاب کو بھی دیکھو، جو میں نے جہنم والوں کیلئے تیار کیا ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں، جب جبریل علیہ السلام نے جہنم کو دیکھا تو اس کا ایک حصہ دوسرے پر سوار تھا، پس یہ لوٹ آئے، اور عرض کیا۔ اے پروردگار! مجھے آپ کی عزت کی قسم، جو بھی اس کا حال سنے گا، اس میں کبھی داخل نہ ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ نے جہنم کو حکم دیا، تو وہ شہوات وخواہشات اور لذات میں چھپ گئی، پھر دوبارہ حضرت جبریل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، اب جاؤ! اور دیکھو! میں نے دوزخیوں کیلئے جہنم میں کیا تیار کررکھا ہے، پس جبریل گئے، اور اسکو دیکھ کر پلٹ آئے، اور کہا، اے میرے پروردگار! مجھے آپ کی عزت کی قسم! بلاشبہ اب تو میں ڈرتا ہوں، کہ اس سے کوئی بھی

نجات نہیں پا سکے گا، مگر وہ اس میں ضرور داخل ہو جائے گا۔

﴿جہنم اور جہنم کی ہر چیز سخت سیاہ ہے﴾

جہنم تاریک وسیاہ، جہنم کی آگ بھی سیاہ اور جہنمی کے چہرے بھی سیاہ۔

جہنم کے اندھیرے کی مثال دیتے ہوئے، اللہ رب العزت نے فرمایا اَوْ کَظُلُمَاتٍ فِی بَحْرٍ لُجِّیٍّ یغشاہ مَوْجٌ مِنْ فوقہٖ ،مَوْجٌ من فَوْقِہٖ سَحَاب ط ظُلُمَاتٌ بَعضُھَا فَوْقَ بعْض ط اِ ذا اَخْرَجَ یَدَہٗ لَمْ یَکَدْ یَرَاھَا ط وَمَنْ لَمْ یَجْعَلِ اللّٰہ لَہٗ نوراً فَمَالَہٗ مِنْ نور (پ۱۸،نور،۴۰)

ترجمہ: ان اندھیروں کی مثال جیسے گہرے اندھیرے، دریا میں چڑھی آتی ہے اس پر ایک لہر، اس کے اوپر ایک اور لہر اس کے اوپر بادل، اندھیرے ہیں ایک پر ایک، جب نکالے اپنا ہاتھ، لگتا نہیں وہ اس کو سوجھے، اور جس کو اللہ نے نہ دی روشنی، اس کے واسطے کہیں روشنی نہیں۔

اس مثال سے جہنم کی سخت تاریکی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے دنیا کی آگ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ انھا لجزءٌ سبعین جزءً مِن نار جھنَّمَ وَمَا وَصَلَتْ الیکم حتی اَحْسِبہٗ قَالَ نضجت بالْمَاءِ مرَّتَیْن لِتُضِیْئَ لکم وَنَار جَھنَّمَ سوداء مظلمة (مسند بزار) یہ آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے، یہ تم تک نہ پہونچتی، حتی کہ اس پر دو دفعہ پانی ڈالا گیا، تا کہ تمہارے لئے روشنی پیدا کرے، اور جہنم کی آگ

بہت کالی ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے، اب یہ (آگ) اتنی کالی ہے کہ اس کا کوئی انگارہ اور شعلہ بھی روشنی نہیں پیدا کرسکتا۔

حضرت ابی بن کعبؓ نے مذکورہ آیت میں کافروں کی مثال بیان کرنے کے بعد فرمایا، کافر پانچ اندھیروں میں ہوگا، اس کا کلام اندھیرے میں، اس کا عمل اندھیرے میں، اس کے داخلہ کی جگہ اندھیرے میں اس کے نکلنے کی جگہ اندھیرے میں، اس کے رہنے کی جگہ اندھیرے میں، گویا سب کچھ اندھیرے میں ہوگا۔

ربیع ابن انس کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی آگ کو اہل زمین کیلئے نور اور سامان دنیا بنایا، اور جہنم کی آگ کو تارکول کی طرح بے نور اور سیاہ بنایا۔

حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ جہنم خود بھی کالی ہے، اس کا پانی بھی کالا ہے، اسکے درخت بھی کالے ہیں، اس کا پورا عملہ بھی کالا ہے، اور قرآن کہتا ہے، اہل جہنم بھی روسیاہ ہیں، **كَانَّمَا اُغْشِيَتْ وجوهُهُم قِطَعاً مِنَ اللَّيْلِ مُظلِماً ، اُولٰئِك اَصْحَابُ النّارِ هُمْ فيها خٰلِدُون.** (پ۱۱، یونس، ۲۷)

گویا کہ ڈھانک دئے گئے، ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے، یہ لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت میں حال ان لوگوں کا بیان کیا گیا، جنہوں نے بُرے عمل کئے، ان کو برائی کا بدلہ برابر سرابر ملے گا، اس میں کوئی زیادتی نہ ہوگی۔ ان کے چہروں پر ذلت چھائی ہوگی، کوئی شخص ان کو عذاب سے بچانیوالا نہ ہوگا۔ ان کے چہروں کی سیاہی کا

حال یہ ہوگا، کہ گویا اندھیری رات کے پرت کے پَرت ان پر لپیٹ دئے گئے ہوں۔

دوسری آیت میں جنتی اور جہنمی چہروں کے سیاہ وسفید ہونے کی بابت کہا گیا۔

یوم تبیضُّ وَجوہٌ وتَسوَدُّوجوہٌ، فامّا الذین اسوَدَّتْ وجوھھم ،اکفرتم بعد ایمانکم فَذُوقُوا ما کنتم تکفرون. (پ۴،آل عمران،۱۰۶). **وَیَوْم القیٰمۃ تریٰ الذین کَذَبوا علیٰ اللہ وَجوھُھُمْ مُسْوَدَّۃ. اَلَیْسَ فِی جَھَنَّم مثویٰ للمتکَبِرِیْن** (پ۲۴،الزمر،آیت ۶۰)

جن دن کہ سفید ہوں گے کچھ چہرے اور سیاہ ہوں گے بعض چہرے، سو وہ لوگ کہ سیاہ ہوئے ان کے منہ ان سے کہا جائے گا۔ کیا تم کافر ہوگئے ایمان لاکر، اب چکھو عذاب کفر کرنے کے بدلے میں۔

اور قیامت کے دن آپ ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں گے۔ جنہوں نے خدا پر جھوٹ بولا تھا، کیا ان متکبرین کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے بہت سی صحیح احادیث میں ہے کہ نافرمان موحدین کو جب آگ جلائے گی تو وہ کوئلہ (کی طرح سیاہ) ہوجائیں گے۔

﴿جہنم کی گرمی، سردی، غصہ اور اسکی غضبناک آواز﴾

قُلْ نَارُجَھَنَّمَ اَشَدُّ حَرّاً لَوْ کانُوا یَفْقَھُوْن (پ۹،توبہ،۸۱)

ترجمہ: کہہ دیجئے جہنم کی آگ بہت زیادہ گرم ہے، کیا خوب ہوتا، اگر وہ سمجھتے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **نَارُکُمْ ھٰذِہٖ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِیْنَ جُزْءاً مِنْ نَارِ جَھَنَّم لِکُلِّ جُزْءٍ مِنْھَا مِثل حَرِّھَا** (ترمذی)

تمہاری یہ آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے، اس کے ہر حصہ کی حرارت، اس دنیا کی آگ کے برابر ہے۔

﴿جہنم کی شدید ٹھنڈ﴾

حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا، **اِنَّ زمْهَرِيْرَ بَيْتٌ يتميَّز فيه الكافِرُ مِنْ بَـــرُدِه.** ترجمہ: جہنم میں زمہریر ایسا مقام ہے، جہاں کافر کا جسم ٹھنڈک کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جہنم میں ایک طبقہ زمہریر ہے، جب جہنمی جہنم میں اُبال کھائیں گے تو زمہریر کی طرف بھاگیں گے، جب اس میں گریں گے، تو ان کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی، یہاں تک کہ ان کے ٹوٹنے کی آواز بھی سنائی دے گی۔ (ابن ابی الدنیا)۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت کعب نے فرمایا کہ جہنم میں ٹھندک بھی ہے، جس کا نام زمہریر ہے، اس میں داخل ہونے سے دوزخیوں کے گوشت گر پڑیں گے، یہاں تک کہ وہ دوبارہ جہنم کی گرمی کی فریاد کریں گے۔ (ابونعیم)

﴿جہنم کا غصہ اور اسکی غضبناک آواز﴾

قرآن کے الفاظ میں دیکھئے۔ **وَاَعْتَـدْنَا لِمَنْ كذَّب بالسَّاعَةِ سَعِيْراً. اِذا رَأتهُمْ مِن مكان بعيدٍ سَمِعُوا لها، تغيّظاً وَّزفيْراً** (پ۱۸، الفرقان، ۱۱، ۱۲)۔

اور قیامت کے جھٹلانے والوں کیلئے ہم نے بھڑکتی ہوئی دوزخ تیار کر رکھی ہے، جب وہ انہیں دور سے دیکھے گی۔ تو یہ اس کا غصہ سے جھنجھلانا اور چلانا سنیں گے۔

جہنم ہر روز کہتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مَا مِنْ یَوْمٍ الا و النار تقول اشتدّ حرّی وَبَعُدَ قَعْرِی وَعظُمَ جَمْرِی عَجِّل الٰھی اِلیّ بِاَھْلِیْ (عن عبدالملک بن بشیر مرفوعاً) کوئی دن ایسا نہیں جس میں جہنم یہ نہ کہتی ہو، کہ میری گرمی سخت ہوگئی، میری گہرائی بڑھ گئی، میرے انگارے بڑے ہوگئے۔ اے اللہ! تو میرے اہل کو میرے اندر جلدی سے داخل کر دے۔

وَاِذَا اُلْقُوا مِنْهَا مَكَاناً ضَيِّقاً مقرنين دَعَوْا هُنالک ثُبُوْراً لا تَدْعُوا الْيَوْم ثبوراً وَاحِداً وَادعُوْا ثُبُوْراً كثيراً (پ۱۸/الفرقان، آیت۔۱۳،۱۴)۔

اور جب یہ جہنم کی کسی تنگ و تاریک جگہ میں مشکیں کس کر پھینک دیے جائیں گے تو وہاں وہ اپنے لئے موت ہی موت پکاریں گے (تو ان سے کہا جائیگا) آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔

جہنم کی آواز اس قدر غضبناک ہوگی کہ حضرت عبیداللہ بن عمیر فرماتے ہیں کہ جہنم جب ایک بار دھاڑ مارے گی تو کوئی فرشتہ اور نبی ایسا نہیں بچے گا مگر وہ اپنے گھٹنوں کے بل گر پڑے گا۔ اور گھبرا کر کہے گا، اے میرے رب مجھے بچالے، مجھے بچالے۔

عبیداللہ بن جعفر فرماتے ہیں کہ جہنم جب پہلی بار دھاڑے گی تو کافروں کے دل پھٹ جائیں گے اور دوسری بار چیخ مارے گی تو زمین پر سروں کے بل گر پڑیں گے۔

جہنم کے انگارے اور دھوئیں کے سائبان

جہنم کی آگ، انگارے اور دھوئیں کا ذکر قرآن نے سورہ الرحمٰن، سورہ واقعہ، اور

سورہ مرسلات میں کس طرح فرمایا ہے آیت دیکھئے **یُرسَلُ عَلیکُمَا شُواظٌ مِنْ نارٍ فلا تنتصرانِ** (پ۲۷، الرحمٰن، ۳۵)

تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا، پھر تم مقابلہ نہ کرسکو گے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ **شُـواظٌ** سے مراد وہ شعلہ ہے، جس میں دھواں نہ ہو اور **نُـحَـاسُ** کے معنی محض دھواں کے ہے جس میں آگ نہ ہو، حضرت مجاہد فرماتے ہیں **نُـحـاسُ** سے مراد پیتل ہے جو پگھلایا جائے گا، اور ان کے سروں پر بہایا جائے گا۔ (ابن کثیر)

اس آیت کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ مجرمین کو جہنم میں دو طرح کے عذاب ہوں گے۔ کہیں آگ ہی آگ کا عذاب ہوگا، دھواں نہ ہوگا، اور کہیں دھواں ہی دھواں ہوگا، اس میں آگ کا شعلہ نہ ہوگا۔

سورہ واقعہ میں اصحاب شمال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا **وَاصـحٰـب الشمال مَا اصحٰبُ الشِمَالِ فِی سَمُومٍ وَحَمِیم وَظِلٍّ مِنْ یَّحْمُوم، لا باردٍ وَّلا کریم.** (پ۲۷، واقعہ، آیت ۴۱، ۴۴)

اصحاب شمال (جن کے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا) گرم ہوا اور گرم پانی اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے، جو نہ ٹھنڈا ہے اور نہ عزت والا ہے۔

کہا جائے گا اس دوزخ کی طرف چلو، جس کو تم جھٹلاتے تھے، **اِنـطَـلِـقُوا اِلیٰ ظِلٍّ ذِی ثَلٰث شُعَبٍ لا ظَلِیلٍ وَلا یُغنِیُ مِنُ اللَّهَب، اِنَّهَا تَرمِیُ بِشَررٍ کالْقَصرِ، کاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفُرٌ.** (پ۲۹، مرسلات، آیت ۲۹، ۳۴)

تین شاخوں والے سایہ کی طرف چلو، جو نہ گھنا ہے، نہ آگ کے شعلے سے بچا سکتا ہے، وہ دوزخ محل کی اونچائی کے برابر چنگاریاں پھینکتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ زرد اونٹنیاں ہیں۔

جو کفار، قیامت کے دن کو، جزاء، سزا کو، اور جنت، دوزخ کو جھٹلاتے تھے، ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا، لو! جس کو تم سچا نہ مانتے تھے، وہ سزا اور دوزخ یہ موجود ہے، اس میں جاؤ، اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں، اور اونچے ہو ہو کر ان کے تین حصے ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی دھواں بھی اوپر کو چڑھتا ہے، جس سے نیچے کی طرف چھاؤں پڑتی ہے اور سایہ معلوم ہوتا ہے، لیکن فی الواقع نہ تو وہ سایہ ہے اور نہ ہی آگ کی حرارت کو کم کرتا ہے، یہ جہنم اتنی تیز و تند اور بکثرت آگ والی ہے کہ اس کی چنگاریاں جو اُڑتی ہیں وہ بھی مثل قلعہ کے اور تناور درخت کے مضبوط، لمبے چوڑے تنے کے مانند ہیں، دیکھنے والے کو یہ جچتا ہے کہ گویا سیاہ رنگ کے اونٹ ہیں، یا کشتیوں کے رسّے، یا تانبے کے ٹکڑے ہیں، ان جھٹلانے والوں پر حسرت و افسوس ہے، آج یہ نہ بول سکیں گے، اور نہ انہیں عذر و معذرت کی اجازت ملے گی، کیونکہ ان پر حجت قائم ہو چکی. (ابن کثیر)

جہنم کے مناظر کتنے ہولناک ہیں، اسکی وادیاں، پہاڑ، نہریں کتنی بھیانک ہیں اور ان کے ذریعہ عذاب کی صورت بھی بہت عجیب و غریب ہے، جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

﴿جہنم کے پہاڑ، وادیاں، کنویں اور نہریں﴾

ارشاد باری ہے كَلَّآ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيداً. سَاُرْهِقُهٗ صَعُوداً . (پ۲۹،

مدثر،۱۶،۱۷)

ہر گز نہیں، وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے، میں تو اُسے مشقت والی تکلیف میں پہونچاؤں گا۔

حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرمایا جَبَلٌ مِنْ نَارِ یکلف ان یّصْعَدهُ فاذا وَضَعَ یدهٗ عَلَیْهِ ذَابَتْ وَاِذَا رفعها عَادَتْ وَاذا وَضَعَ رِجلَه عَلَیْهِ ذَابت فاذا رفعها عَادت یَصعدُ سبعین خَرِیفا ثم هَوىٰ ،مثلها کذالک. (احمد،حاکم،بزار)

جہنم میں ایک پہاڑ ہے، کافر کو اس پر چڑھنے کیلئے مجبور کیا جائے گا، تو جب وہ اس (پہاڑ) پر اپنا ہاتھ رکھے گا تو وہ پگھل جائے گا، اور جب ہاتھ اُٹھائے گا تو وہ پہلی حالت میں لوٹ آئے گا، اور جب اس پر اپنا پاؤں رکھے گا تو وہ بھی پگھل جائے گا، پھر جب اُسے اٹھائے گا، تو (وہ بھی) پہلی حالت میں لوٹ آئے گا، یہ اسی حالت میں ستر سال تک چڑھتا رہے گا، اور اتنی ہی مدت میں گرتا رہے گا۔

حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا، یہ آگ کا چکنا پہاڑ ہے جب بھی نافرمان اس پر چڑھے گا، پھسل کر آگ میں گرے گا۔

فَلَا اقتحمَ العَقَبَةَ ،عقبہ: پہاڑ کی بڑی چٹان کو بھی کہتے ہیں۔ اور دو پہاڑوں کے درمیانی راستہ کو، یعنی گھاٹی کو بھی کہتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ عقبہ جہنم میں ایک پھسلنے والے پہاڑ کا نام ہے، اس کے جہنم میں ستر درجے ہیں (ابن کثیر) اور بقول ابورجاء

اس کی بلندی اور پستی کا سفر سات سات ہزار سال کے برابر ہے۔

عقبہ وادی کا بھی نام ہے، جہنم میں بہت سی وادیاں ہیں، ان میں سے ہر ایک جداگانہ خصوصیت کی حامل ہیں، جیسے وادی ویل، وادی غی، وادی اثام، وادی ھویٰ، وادی فلق، وادی موبق، وادی جبُّ الحزن۔ ہر وادی کی الگ الگ خصوصیت ہے۔

وادی ویل: حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **وَیْـلٌ وَادٍ فِی جَھَنَّمَ یَھْوِیُ فیه الکافِرُ اَرْبَعِیْنَ خَرِیفاً قبل اَن یبلغ قعرہٗ** (مسند احمد)۔

ویل جہنم میں ایک وادی ہے جس میں کافر کو ڈالا جائے گا، تو اس کو گہرائی تک پہونچنے سے قبل چالیس سال لگ جائیں گے۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ وادی دو پہاڑوں کے درمیان ہے کافر کو وہاں تک پہونچنے میں ستر سال لگیں گے۔ حضرت ابوعیاض فرماتے ہیں کہ وَیْل ایک وادی ہے، جو پیپ سے بہتی ہے۔

وادی غی اور اثام: حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا **نَھرُ غیّ وَاَثام انَّ فی اَسْفَل جھنَّمَ یَسیْل فیھا صَدیْدُ اَھْل النَّار.**

غی اور اثام جہنم کی تہ میں دو نہریں ہیں، جن میں دوزخیوں کی پیپ بہتی ہے، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ غی جہنم میں ایک وادی کا نام ہے جو بہت گہری ہے اور نہایت سخت عذابوں والی ہے، اس میں خون اور پیپ بھرا ہوا ہے۔ (ابن کثیر)

امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ یہ جہنم میں کھولتی ہوئی نہر ہے، اس میں ان لوگوں کو ڈالا جائے گا، جو دنیا میں اپنی خواہشات کے پیروکار رہوں گے۔

قرآن میں اس کا ذکر اس طرح آیا فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِھِم خَلْفٌ اضاعوا الصَّلٰوۃَ واتَّبعُوا الشھوٰت فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّاً۔ (پ۱۶، مریم، آیت ۵۹)

پھر اسکے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انہوں نے نماز ضائع کردی اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے، سو اس کا نقصان اُن کے آگے آئے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ غی جہنم کے ایک غار کا نام ہے، جس میں سارے جہنم سے زیادہ طرح طرح کے عذاب جمع ہیں، ابن عباس نے فرمایا کہ غی، جہنم کے ایک غار کا نام ہے، جس سے جہنم بھی پناہ مانگتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے زنا کار کیلئے تیار کیا ہے، جو اپنی زنا کاری پر مصر اور عادی ہے، اور اس شراب خور کیلئے جو شراب کا عادی ہے اور اس سود خور کیلئے جو سود خوری سے باز نہیں آتا، اور ان لوگوں کیلئے جو ماں باپ کی نافرمانی کریں، اور جھوٹی شہادت دینے والوں کیلئے اور اس عورت کیلئے جو کسی دوسرے کے بچہ کو اپنے شوہر کا بچہ بنا دے۔ (قرطبی، بحوالہ معارف القرآن ج ۶ ص ۴۶)

اور اَثام کا ذکر (سورہ فرقان پ۱۹، آیت ۶۸) میں آیا ہے وَمَنْ یفعَل ذالک یَلق اَثَاماً، اَثام جہنم کی ایک وادی کا نام ہے، جس میں زانیوں کو عذاب دیا جائے گا۔

حضرت لقمان حکیم کی نصیحتوں میں ہے کہ اے بچے زنا کاری سے بچنا، اس کے شروع میں ڈر اور خوف ہے، اور اس کا انجام ندامت و حسرت ہے، یہ بھی مروی ہے کہ غی اور اثام دوزخ کے دو کنویں ہیں۔

وادی ھَوِیٰ: اس کا ذکر (سورہ طٰہٰ، پ۱۶ آیت ۸۱،) میں آیا کُلُوا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رزقْنٰکُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِیْہ فَیَحِلَّ عَلَیْہِ غَضَبِیْ ، وَمَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْہِ

غَضبِی فَقَدْ ھَویٰ.

تم ہماری دی ہوئی پاکیزہ روزی کھاؤ، اور اس میں حد سے آگے نہ بڑھو، ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا، اور جس پر میرا غضب نازل ہو جائے، وہ یقیناً تباہ ہوا۔

حضرت شفیع بن نافع فرماتے ہیں کہ جہنم میں ایک اونچی جگہ بنی ہوئی ہے، جہاں سے کافر کو جہنم میں گرایا جاتا ہے، تو زنجیروں کی جگہ تک چالیس سال میں پہونچتا ہے یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ وہ گڑھے میں گر پڑا۔

وادی فلق: فلق کا لفظ سورہ فلق میں آیا ہے قُل اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقُ ،تو کہہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔ حضرت جابر کہتے ہیں فلق کے معنی صبح کے ہیں، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے فلق سے مراد مخلوق ہے، حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فلق جہنم میں ایک جگہ ہے جب اس کا دروازہ کھلتا ہے تو اسکی گرمی اور سختی کی وجہ سے تمام جہنمی چیخنے لگتے ہیں۔

حضرت عمرو بن عبسہ فرماتے ہیں فلق جہنم میں ایک کنواں ہے، اسی سے جہنم بھڑکائی جائے گی اور جہنم اس سے اسی طرح پناہ مانگتی ہے جیسے انسان جہنم سے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فلق، جہنم میں ڈھکا ہوا کنواں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں فلق، جہنم کا جیل خانہ ہے، (اور جیل خانہ بھی مخلوق ہے)۔

وَادی سعیر: وَاَمَّا مَنْ اُوتِیَ کِتٰبَہٗ وَرَاءَ ظھرہ فسوف یدعوا ثبوراً ویصلیٰ سَعیرا (انشقاق پ۳۰ آیت ۱۰،۱۱،۱۲) جس شخص کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے

دیا جائے گا، وہ موت کو بلانے لگے گا، اور بھڑکتی ہوئی جہنم میں داخل ہوگا۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ سعیر، جہنم کی ایک وادی ہے۔ (ابن ابی حاتم)۔

وادی موبق: وَيَوْمَ يقول نادوا شركاءِ یَ الذين زَعُمتُم فَدَعَوهُمْ فلم يستجيبوا لهم وجَعَلْنا بينهُم مَوبقا. (پ۱۵، کہف، آیت۵۲)

اور جس دن وہ فرمائے گا کہ تمہارے خیال میں جو میرے شریک تھے، ان کو پکارو! یہ پکاریں گے، لیکن ان میں کوئی بھی جواب نہ دے گا، ہم ان کے درمیان ہلاکت کا سامان کردیں گے۔

ابن کثیر اس کی تفسیر میں نقل کرتے یں کہ ہم ان کے اور ان کے معبودانِ باطل میں آڑ، حجاب اور ہلاکت کا گڑھا بنادیں گے تاکہ یہ اُن سے اور وہ اِن سے نہ مل سکیں، نیک اور گمراہ الگ الگ رہیں، جہنم کی یہ وادی انہیں آپس میں ملنے نہ دے گی، کہتے ہیں یہ وادی لہو اور پیپ کی ہوگی، حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں یہ جہنم میں بہت گہری وادی ہے۔

وَادی جُبَّ الحزن: حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا تعوذ وا باللّٰهِ مِنْ جُبُّ الحُزْنِ قالوا وَمَا جُبُّ الحزْن؟ قال وادٍ فی جهنّمَ تتعوّذُ منهُ جَهنَّم كلّ يَوْمٍ مائة مرّةً ،قيل يا رسُوْل اللّٰه! مَنْ يَدخله؟ قال القراء المُرَاؤن بِاَعمالِهِمْ. (ترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ذریعہ جُبُّ الحزن سے پناہ طلب کرو، صحابہ کرام نے

پوچھا: جُبُّ الحزن کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، جہنم کی ایک وادی ہے، جس سے جہنم خود روزانہ سو بار پناہ مانگتی ہے۔ صحابہ نے پوچھا، اے اللہ کے رسول: اس میں کون لوگ جائیں گے؟ فرمایا: اپنے اعمال کی ریا اور نمود کرنے والے قاری جائیں گے۔

نوٹ: مراد قاری سے وہ قراء اور علماء ہیں، جو دین کا علم رکھنے کے باوجود، خدا کے نافرمان ہوں گے، اور علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا ہوگا، اور ظالم حکمرانوں کی حمایت اور ان سے حاجتیں مانگتے ہوں گے۔

عمران القصیر کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ جہنم میں ایک وادی ہے، جس سے خود جہنم روزانہ چار سو بار پناہ مانگتی ہے، اس خوف سے کہ اس میں نہ ڈال دیا جائے کہ وہ اُسے کھا جائے۔ یہ وادی اللہ نے ریا کاروں کیلئے تیار فرمائی ہے۔ (کتاب الزہد، امام احمد)

جہنم کے طوق وسلاسل اور ہتھوڑے

جہنم کے طوق وسلاسل اور آتش سوزاں کا عذاب کتنا اذیت ناک ہوگا، خود یہ طوق، زنجیریں اور بیڑیاں کیسی آفت اور مہلک ہوں گی، جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہیں کافرین، مکذبین، ضالین کے بارے میں کہا گیا۔

اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَلٰاسِلَ وَاَغْلٰلًا وَّ سَعِیْرًا. (الانسان (پ۲۹، آیت۴)

ہم نے کافروں کیلئے زنجیر، طوق اور جلانے والی آگ تیار کر رکھی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا وَجَعَلْنَا الاغلال فِیْ اَعْنَاقِ الَّذِین کفروا هل تُجْزَوْنَ الَّا بِمَا کانوا

یَعۡمَلُوۡن. (پ۲۲،سبا،۳۳)

ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے،انہیں ان کے کئے کرائے اعمال کابدلہ دیا جائے گا۔اس کا منظر کتنا بھیانک ہوگا،اوروہ بدلہ کس طرح دیا جائے گا،قرآن کی ان آیتوں میں دیکھئے۔

اِذِالاَغۡلالُ فِیۡ اَعۡنَاقِهِمۡ وَالسَّلاسِلُ یُسحبُون. فی الجَحِیۡم ثمَّ فِی النَّار یُسۡجَرون. (پ۲۴غافر،مؤمن،۷۱،۷۲)

جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے،اور زنجیریں ہوں گی،گھسیٹے جائیں گے کھولتے ہوئے پانی میں،پھر جہنم کی آگ میں جلائے جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں،جہنمی جب ہنکا کر جہنم کے پاس پہونچائے جائیں گے،تو جہنم کے ایک ہی شعلہ کی لپٹ سے سارے جسم کا گوشت جھلس کر پیروں میں آپڑے گا،(ابن ابی حاتم)حسنؒ یحیٰ خشنیؒ فرماتے ہیں کہ جہنم کے ہر قید خانے،ہر غار، ہر زنجیر،ہر قید پر جہنمی کا نام لکھا ہوا ہے۔

حضرت سلیمان دارانی یہ حال سن کر کہنے لگے،ہائے کیا حال ہوگا،جس پر یہ سب عذاب جمع ہوجائیں،پیروں میں بیڑیاں ہوں،ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گردن میں طوق ہو،پھر جہنم کے غار میں ڈھکیل دیا جائے۔

اب،زنجیروں کے بارے میں سنئے! اللہ رب العزت فرشتوں سے فرمائے گا۔خُذُوۡهُ فغُلّوهُ،ثمَّ الجَحِیۡمَ صَلّوۡه،ثُمَّ فِی سِلۡسِلَةٍ ذَرۡعُهَا سَبۡعُوۡنَ ذِراعاً فاسۡلُکُوۡهُ. اِنَّهُ کَانَ لَا یُؤمِنُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡم. (پ۲۹،الحاقہ،۳۰،۳۳)

اُسے پکڑو، اس کے گلے میں طوق ڈال دو، پھر دوزخ میں اس کو داخل کردو، پھر اُسے ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر گز کی ہوگی جکڑ دو، بیشک وہ خدائے بزرگ پر ایمان نہ رکھتا تھا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے صادر ہوتے ہی ستر ہزار فرشتے اس کی طرف غصہ سے دوڑیں گے، جن میں ہر ایک دوسرے پر سبقت کرکے چاہے گا کہ اُسے میں طوق پہناؤں، پھر اُسے جہنم کی آگ میں غوطہ دینے کا حکم ہوگا، پھر ان زنجیروں میں جکڑا جائے گا، جن کا ایک حلقہ بقول حضرت کعب احبارؓ کے دنیا بھر کے لوہے کے برابر ہوگا۔ اس کے مثل ابن المبارک نے اپنی سند سے حضرت کعبؓ سے نقل کیا ہے کہ بلاشبہ اس زنجیر کا حلقہ (کڑی) جس کا ذکر سَبْعُونَ ذِرَاعاً میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، دنیا کے تمام لوہے سے زیادہ ہے۔

ان مجرمین کو کس کس طرح باندھا جائے گا، خود ارشاد باری ہے فَيُوخَذُ بالنَّواصِيْ وَا الاَقْدَام. (پ۲۷، رحمٰن، ۴۱)

ان کو پیشانیوں اور قدموں سے پکڑا جائیگا، پیٹھ کی طرف سے زنجیر لاکر، گردن اور پاؤں ایک کرکے باندھ دئے جائیں گے، کمر توڑ دی جائے گی، اور جہنم میں اس طرح ڈال دیا جائے گا جس طرح سے بڑی لکڑی کو دو طرف سے پکڑ کر تنّور میں جھونک دیا جاتا ہے۔

حضرت ضحّاک فرماتے ہیں، کافر کے پیچھے سے اس کے سر کے بالوں اور پاؤں کو ایک زنجیر میں باندھ دیا جائے گا۔

سُدّی فرماتے ہیں، کافر کے سر کے بالوں اور قدموں کو ملایا جائے گا، پھر سر

کے بالوں کو پاؤں اور پشت سے باندھ کر بٹ دیا جائے گا۔

حضرت ابن جُریج فرماتے ہیں، کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ زنجیر کو کافر کی مقعد (دُبر) میں داخل کیا جائے گا اور اس کے منہ سے نکالا جائے گا، پھر اُسے اس میں اس طرح پرویا جائے گا، جیسے بھوننے کیلئے ٹڈی کو لکڑی میں پرویا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس زنجیر کو کافر کی دُبُر میں داخل کر کے اس کے نتھنوں سے نکالا جائے گا، یہاں تک کہ وہ پاؤں کے بل کھڑا نہیں ہو سکے گا۔ (ابن ابی حاتم)

مزید برآں ان کو مارنے کیلئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے، ان کی خاصیت بھی عجیب ہوگی۔

﴿جہنم کا ہتھوڑا اور اس کی خاصیت﴾

ارشاد باری ہے وَلَهُمْ مَقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ كلَّماَ اَرادوا اَنْ يَّخرجوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُ وْافيها. (پ ۱۷، الحج، ۲۱، ۲۲)

اور ان کو مارنے کیلئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے، وہ لوگ جب گھٹے گھٹے، اس سے باہر نکلنا چاہیں گے، تو پھر اس میں دھکیل دیے جائیں گے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں، لَوْاَنَّ مَقْمَعاً مِنْ حَدِيْدٍ وُضِعَ فی الارضِ فاجتمع لَهُ الثقلانِ لَما اقلّوہ مِنَ الارض (خرجہ الامام احمد)

اگر لوہے کا ایک گرز (ہتھوڑا) زمین پر رکھدیا جائے اور اس (کو اٹھانے) کیلئے تمام جنات و انسان مل جائیں، تب بھی اُسے زمین سے نہیں اٹھا سکیں گے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، لَوْ ضُرِبَ الجَبَلُ بمقَامِعِ مِنْ حَدِيْدٍ لتفتت ثمَّ عَادَ . (مسند احمد)
اس ہتھوڑے کی خاصیت یہ ہوگی، کہ اگر لوہے کے (اس) ہتھوڑ سے پہاڑ کو مارا جائے، تو وہ ریزہ ریزہ ہوجائے، پھر دوبارہ (اپنی اصلی حالت پر) لوٹ آئے۔
حضرت سعیدؒ، حضرت قتادہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، انہیں جہنم سے ڈراؤ، شاید وہ اس سے خوف کھائیں، کیونکہ اس کی گرمی سخت ہے، اس کی گہرائی بہت زیادہ ہے، اس کا پانی کھولتی ہوئی پیپ ہے، اس کے ہتھوڑے لوے کے ہیں، اللہ! ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

﴿دوزخیوں کی مہمانی اور کھانا پینا﴾

جہنمی کہاں ہوں گے؟ کھانا پینا کیا ہوگا؟ اوران کی مہمانی کس طرح کی جائے گی؟ رہنے کے متعلق کہا گیا فی سمومٍ وحَمِيْم وَظِلِّ مِنْ يَحْمُوم، گرم ہوا، گرم پانی اور سیاہ دھوئیں کا سایہ ہوگا، کھانے اور پیٹ بھرنے کے بارے میں کہا گیا لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِنْ زَقُّوْم. فَمَا لِئُوْنَ مِنْهاالبُطون. فَشٰرِبُوْنَ عَلِيْهِ مِنَ الحَمِيْم. فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الهِيْم. زقوم کے درخت سے کھانا اوراسی سے پیٹ بھرنا ہوگا۔ پینے کیلئے، گرم کھولتا ہوا پانی ہوگا، پھر وہ پینا بھی سخت پیاسے اونٹوں کی طرح ہوگا، کھانا بھی جبراً حلق میں ٹھونسا جائے گا، اورگرم پانی بھی جبراً پلایا جائے گا، جوخود بدترین عذاب ہوگا، مہمانی کی بابت کہا گیا هذا نزلُهُمْ يومَ الدِّين قیامت کے دن

ان کی مہمانی یہ ہے (جس کا تذکرہ ہوا) دوسری جگہ کہا گیا فَنُزُلٌ مِن حَمِیم وَتَصلیۃ جَحِیم (واقعہ،۹۴) کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہوگی اور جہنم میں داخل ہونا ہوگا اور یہ قطعی اور یقینی بات ہے۔

پھر اس کھانے کے بعد کیفیت کیا ہوگی؟ سنئے: اِنَّ شَجَرَۃ الزَّقُّوم طَعَامُ الاثِیم کالمُھل یَغلیٰ فِی البطوْنِ کغلْیِ الحَمِیم. (پ۲۵،الدخان،۴۳،۴۶) بیشک زقوم کا درخت گنہگار کا کھانا ہے، جو تلچھٹ کے مثل ہے، پیٹ میں کھولتا رہے گا تیز گرم پانی کے کھولنے کی طرح۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی زمین پر ٹپک جائے تو تمام اہل زمین کے معاش کو خراب کردے، یہ تلچھٹ کے مانند، مکروہ صورت، بدمزہ اور نقصان دہ، پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسے تیز گرم پانی کھولتا ہے۔اسی پر بس نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جہنم کے داروغوں سے کہے گا، خُذُوہ فَاعتِلوہ اِلیٰ سَواءِ الجَحِیم. ثُمَّ صُبُّوا فَوقَ رأسِہٖ مِنْ عَذابِ الحَمِیم ذُق اِنَّک اَنْتَ العَزِیز الحکِیمُ اِنَّ ھٰذَا مَا کُنْتُمْ بِہٖ تَمْتَرُوْنَ (پ۲۵،دخان،۴۷،۵۰)۔

پکڑو اسکو (تو ستر ہزار فرشتے دوڑیں گے) پھر گھسیٹتے ہوئے بیچ جہنم تک پہونچاؤ پھر اس کے سر پر سخت گرم پانی کا عذاب بہاؤ (اور پھر کہا جائے گا) چکھتا جا، تو تو بڑا ذی عزت اور بڑے اکرام والا تھا، یہی وہ عذاب ہے، جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔

﴿زقّوم کا درخت﴾

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، لَوْ اَنَّ قَطرۃً مِنَ الزَّقُّوم قَطرَتْ فِی

دَارالدُّنیا لا فُسَدَت عَلیٰ اَھْلِ الدُّنیَا مَعَایشھُمْ فکیف بمَنْ تکونُ طَعَامه (ترمذی شریف)

اگرزقوم کا ایک قطرہ دنیا میں گرادیا جائے تو تمام دنیا والوں کا عیش اور کھانے کی چیزیں تباہ ہوجائیں، تو پھر جس کا کھانا ہی یہ ہوگا، اس کا کیا حال ہوگا۔

زقوم کے متعلق فرمایا گیا اِنَّھَا شجَرَۃٌ تخرج فِی اَصْلِ الجَحِیْم. طَلْعُھَا کَانَّہٗ رؤسُ الشَیٰطِیْنِ فَاِنَّھُمْ لاٰ کِلونَ مِنْھَا فَمَا لِؤنَ مِنْھَا البُطُونَ ثُمَّ اِنَّ لَھُمْ عَلَیْھَا لشَوْباً مِنْ حَمِیْم ، ثمَّ مَرْجِعُھُمْ لَاِلیٰ الجَحِیْم. (پ۲۳، الصافات،۶۴، ۶۸)

بیشک وہ درخت جہنم کی جڑ میں سے نکلتا ہے، اس کے پھل، ایسے (بدصورت ہیں) جیسے شیطانوں کے سر، جہنمی اسی درخت کو کھائیں گے، اوراسی سے پیٹ بوجھل کریں گے، (کیونکہ اس کے سوا کوئی کھانا نہ ہوگا، لیس لھُمْ طَعَامٌ الاَّ مِنْ ضَرِیعٍ لا یُسمِنُ وَلا یُغْنِی مِنْ جُوعٍ .پ۳۰، الغاشیہ، ۶، ۷) ان کو بجز ایک خاردار جھاڑ کے کوئی کھانا نصیب نہ ہوگا، جو نہ تو کھانے والوں کو فربہ کرے گا، اور نہ ان کی بھوک کو دفع کرے گا)۔

ثمَّ ان لَھُمْ الخ: پھراس پر گرم کھولتے ہوئے پانی کی ملونی ہوگی (یہ گرم پانی وہ ہوگا جو جہنمیوں کے زخموں سے لہو اور پیپ وغیرہ کی شکل میں نکلا ہوگا) پھر ان کا لوٹنا جہنم کی طرف ہوگا۔

❖❖❖

﴿جہنمیوں کی کچھ اور غذائیں﴾

حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یلقیٰ علیٰ اَهْلِ النَّارِ الْجُوْع فیعدل مَا هُمْ فیه مِنَ العَذاب فَیَسْتغیثونَ فیغاثون بِطَعَامٍ مِن ضَرِیعٍ لایُسْمِنُ وَلا یُغْنِیُ مِنْ جُوعٍ فَیَسْتَغِیثونَ بالطَّعَامِ فیغاثون بطعَامٍ ذَاغُصَّةٍ فیذکُرونَ انَّهُمْ کانوا یُجیزُوْنَ بالغصص فِی الدُّنیا بالشراب فیستغیثون بالشرابِ فَیُدْفَعُ اِلَیْهم الحمِیْم بکلالیب الحَدیْد فَاذا دنت مِنْ وجوهِهِمْ شوَتْ وجوهُهُمْ فَاِذا وَصَلَتْ بطونَهُمْ قطعت مَا فی بطونِهِمْ. (ترمذی شریف)

دوزخیوں پر بھوک کا عذاب مسلط کیا جائے گا، جو ان کے عذابِ جہنم کے برابر سخت ہو جائے گا، تو وہ فریاد کریں گے، تو ان کی فریاد کانٹے دار جھاڑی کے کھانے سے پوری کی جائے گی، جو نہ تو انہیں موٹا کرے گا، اور نہ ان کی بھوک مٹائے گا، پھر وہ دوبارہ کھانے کی فریاد کریں گے، تو حلق میں اَٹکنے والے کھانے سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی، تو انہیں یاد آئے گا کہ ہم دنیا میں حلق میں پھنسنے والے کھانے کو پانی کے ساتھ نیچے اتارتے تھے، تو وہ پانی مانگیں گے، تو انہیں لوہے کے کٹوروں میں کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا، جب وہ پانی مونہوں کے قریب ہوگا، تو ان کے چہروں کو بھون ڈالے گا، اور جب ان کے پیٹ میں پہونچے گا، تو جو کچھ ان کے پیٹ میں ہوگا، اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔

قرآن نے بھی اس پوری کیفیت کو جگہ جگہ بیان فرمایا ہے، سورۂ غاشیہ میں کہا

گیا لیس لہٗ طَعَامٌ الا مِنْ ضَرِیع الخ: انہیں ایک خاردار جھاڑ کے اور کچھ نصیب نہ ہوگا، دوسری جگہ کہا گیا، اِنَّ لَدَیْنَا انکالاً و جَحِیْماً وَطَعَاماً ذا غُصَّة وَعَذاباً اَلِیْماً. (پ۲۹، مزمل، ۱۲، ۱۳)

ہمارے پاس بیڑیاں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔ سورہ الحاقہ میں فرمایا فَلَیْسَ لَہُ الیَوْمَ ھٰھُنَا مِنْ حَمِیْم وَلا طَعَامٌ الا مِنْ غِسْلِیْن وَلا یَاکُلُہٗ الا الخَاطِؤن. (پ۲۹، آیت، ۳۵، ۳۷)

پس آج نہ ان کا کوئی دوست ہے اور نہ پیپ کے سوا ان کی کوئی غذا ہے، جسے گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔

اسکے علاوہ سورہ نباء میں کہا گیا لایَذُوْقُوْنَ بَرْدًاوَّ لا شَرَاباً اِلَّا حَمِیْماً وَغَسَّاقاً (پ۳۰، آیت۲۴، ۲۵)۔ اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے نہ پینے کی چیز کا، سوائے گرم پانی اور پیپ کے۔ سورہ ص میں کہا گیا، ھٰذا فَلْیذوقوہ حَمِیْمٌ وَغَسَّاق وَاٰخَرُ مِنْ شکلِہٖ ازوَاج (پ۲۳، آیت۵۷، ۵۸)۔ یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے، پس اُسے چکھیں، (اس کے علاوہ) کچھ اور اسی شکل کی طرح طرح کی چیزیں۔

سورہ ابراہیم میں کہا گیا وَمِنْ وَرَائِھِمْ جَھَنَّم وَیُسْقیٰ مِنْ مَاء صَدِید یَتَجَرَّ عُہٗ وَلا یَکَاد یُسِیْغُہ (پ۱۳، آیت، ۱۶، ۱۷)۔ ان کے سامنے دوزخ ہے، اور پلایا جائے گا پیپ کا پانی، جسے وہ بمشکل گھونٹ گھونٹ پئے گا، پھر بھی اُسے گلے سے اتار نہ سکے گا، ہر جگہ سے موت آتی دکھائی دے گی، لیکن وہ مرنے والا نہیں، پھر اس کے پیچھے بھی سخت عذاب ہے۔

سورہ کہف میں ارشاد ہوا، وَاِن یَسْتَغِیْثُوا یُغَاثُوا بِمَاءٍ کَالْمُهْلِ یَشْوِیْ الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا. (پ۱۵،۱۵/آیت۲۹)

اور اگر وہ فریادرسی چاہیں گے، تو ان کی فریادرسی اُسی پانی سے کی جائے گی، جو پگھلے ہوئے تانبے جیسا ہوگا، جو چہرے کو بھون دے گا، بڑا ہی بُرا پانی ہے اور بڑی بُری آرامگاہ (دوزخ) ہے۔

سورہ محمد میں کہا گیا وَسُقُوْا مَاءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَاءَهُمْ (پ۲۶/آیت۱۵)

اور کھولتا ہوا پانی انہیں پینے کو دیا جائیگا، تو وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

سورہ حج میں بیان کیا گیا، یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُؤُسِهِمُ الْحَمِیْمُ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ (پ۱۷/آیت۱۹،۲۰)۔ اوران کے سروں کے اوپر سے سخت گرم پانی بہایا جائے گا، جس سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں اور کھالیں گلا دی جائیں گی۔

دوزخیوں کا لباس اور اوڑھنا، بچھونا

دوزخ، جب آگ کی وادی، گودام اور گھر ہے، تو اس میں لباس بھی آگ سے بنا ہوگا، بستر اور اوڑھنے کا سامان بھی آگ کا ہی ہوگا۔

حضرت حوشبؒ فرماتے ہیں کہ حسن بصریؒ جب دوزخ والوں کا ذکر فرماتے، تو اس طرح بیان کرتے کہ دوزخ والوں کیلئے ان کے بدن کے مطابق، آگ کے جوتے، گندھک کے کرتے، آگ کا کھانا، آگ کا پانی، آگ کا بچھونا آگ کا اوڑھنا، آگ کے مکانات ہوں گے، بہت بُرے گھر میں ہوں گے، بہت برے عذاب میں

مبتلا ہوں گے، جوان کے جسموں کو بار بار کھاتا رہے گا، پگھلاتا رہے گا، توڑتا رہے گا۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا؛ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ. (پ۱۷، الحج ۱۹)

ترجمہ: پس کافروں کیلئے تو آگ کے کپڑے بیونت کر کاٹے جائیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، کہ کافر کیلئے آگ سے کپڑے تیار کئے جائیں گے، یہاں تک کہ انہوں نے قبا، قمیص اور آستین کا بھی ذکر کیا۔

سورہ ابراہیم میں رب العالمین کہتا ہے وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ. (پ۱۳، ابراہیم ۴۹، ۵۰)

تو اس دن گنہگاروں کو دیکھے گا کہ زنجیروں میں ملے جلے ایک جگہ کھڑے ہوئے ہوں گے، ان کے لباس گندھک کے ہوں گے، اور آگ اُن کے چہروں پر چڑھی ہوئی ہوگی۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں، پگھلے ہوئے تانبے کو قطران کہتے ہیں، اس میں سخت گرم آگ جیسے تانبے کے ان جہنمیوں کے لباس ہوں گے، ان کے منہ بھی آگ میں ڈھکے ہونگے چہروں تک آگ چڑھی ہوئی ہوگی، سر سے شعلے بلند ہو رہے ہوں گے، منہ بگڑ گئے ہوں گے۔

مسند احمد میں ہے کہ میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں، حسب پر فخر، نسب میں طعنہ زنی، ستاروں سے بارش طلبی، میت پر نوحہ۔ سنو! نوحہ کرنے والی نے اگر اپنی موت سے پہلے توبہ نہ کی تو اُسے قیامت کے دن گندھک کا کرتا اور کھجلی کا

دو پٹہ پہنایا جائے گا۔ (مسلم،ابن ماجہ،قرطبی ج ۳۸۵۹)

جہنم کے کپڑے کے بارے میں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ لَوْ اَنَّ ثَوْباً مِنْ ثِیَابِ النَّارِ عُلِّقَ بَیْنَ السَّمَاءِ وَ الارضِ لَمَاتَ مَنْ فِی الارضِ جَمِیْعاً مِنْ حَرِّہٖ. (طبرانی)

مجھے اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق پر مبعوث فرمایا، اگر دوزخ کے کپڑوں میں سے کسی کپڑے کو آسمان اور زمین کے درمیان لٹکا دیا جائے، تو زمین پر رہنے والے سب جاندار اس کی گرمی سے مرجائیں گے۔

آتشِ جہنم کی شدت کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا، اَھْوَنُ اَھْلِ النَّارِ عَذاباً مَنْ فِی قَدَمَیْہِ نَعْلَانِ مِنْ نارٍ یَغلی فیھما دمَاغہٗ، دوزخ والوں میں سب سے کم عذاب والا وہ ہوگا، جس کے قدموں میں آگ کی جوتیاں ہوں گی ان سے ان کا دماغ کھولتا ہوگا۔

اس تناظر میں سوچیے! کہ جس کے بدن پر آگ کا لباس ہوگا، اس کا کیا حال ہوگا، جہنم کے اوڑھنے، بچھونے سے متعلق قرآن میں مذکور ہے لَھُمْ مِنْ جَھَنَّمَ مِھَادٌ وَمِنْ فوقِھِمْ غواش و کذالک نجزی الظٰلِمین (پ۸، الاعراف، ۴۱)۔

ان کیلئے آتش دوزخ کا بچھونا ہوگا، اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا، ظالموں کا یہی بدلہ ہے، بقول حضرت حسن بصریؒ کافروں کیلئے جہنم اوڑھنا، بچھونا ہوگی، قیامت کے دن انہیں نیچے اوپر سے عذاب ہورہا ہوگا، اور پھر اوپر سے کہا جائے گا، اپنے اعمال کا مزہ چکھو۔

قرآن میں دوسری جگہ ہے، **لَهُـمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ، ذَالِكَ يُخَوِّفُ الله بِهٖ عِبَادَه يٰعِبَادِ فَاتقون.** (پ۲۳،زمر،۱۶)
انہیں نیچے، اوپر سے آگ کے شعلے مثل سائبان کے ڈھانک رہے ہوں گے یہی عذاب ہے، جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرارہا ہے، کہ میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔

﴿دوزخیوں کے جسم، چہرے اور زبان﴾

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ آگ میں دوزخی کا بدن اتنا بڑا کردیا جائے گا کہ اس کا فاصلہ، سات طویل ترین راتوں کے برابر ہے۔ اس مقدار کو اللہ ہی جانتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ان کے اجسام کو تیز ترین سوار کے تین دن، رات کے سفر کے برابر بڑھایا اور موٹا کیا جائے گا۔

جہنمی کا جسم: جہنمی کے جسم کی موٹائی، لمبائی، چوڑائی کا اندازہ اس سے لگائیے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا **مَابَيْنَ منكبي الكافِرِ مسيرة ثلثة ايَّامٍ للراكب السريع** (بخاری ومسلم) کافر کے دونوں کندھوں کا فاصلہ تیز رفتار سوار کے تین روز کے سفر کے برابر ہوگا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے دوسری روایت سنیے! **ضرس الكافِرِ اَوْنابُ الكافِرِ مثل اُحُدٍوغِلظُ جلدٍ مسيرة ثلٰثةِ اَيَّامٍ** (مسلم) کافر کی ایک داڑھ یا ایک دانت احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ اور اس کے کھال کی موٹائی تین دن چلنے کے

برابر ہوگی۔

حضرت ابن عمر، فرمان نبی ﷺ نقل فرماتے ہیں **يُعظَمُ اهل النَّارِ فى النَّارِ حتى ان مَا بين شحمة اُذن احدهِمُ الىٰ عاتقة مسيرة سبع مِأئةِ عَامٍ وانَّ غلظَ جِلدِهٖ سَبعُونَ ذراعاً وان ضرسهٗ مثل اُحدٍ** (خرجہٗ احمد)

جہنم میں دوزخیوں کو اتنا موٹا کر دیا جائے گا کہ ان میں سے ہر ایک کافر کی ایک کان کی لَو اور اس کے کندھوں کا درمیانی فاصلہ سات سو سال (چلنے) کے برابر ہے، اس کے چمڑے کی موٹائی ستر ہاتھ کے برابر ہوگی، اور اسکی ایک داڑھ احد پہاڑ کے مثل ہوگی۔ اور اس کی زبان بروایت حضرت ابن عمر **وَانَّ الكافِرَ يجرُّ لسانه يوم القيامة مِن ورائهٖ قَدْرَ فَرسَخَينِ يوطئوهُ الناس** (خرجہ الامام احمد والترمذی) کافر روز قیامت اپنی زبان کو دو فرسخ (چھ میل) کے برابر اپنی پشت کے پیچھے گھسیٹتا ہوگا۔ (جسے) اور لوگ (بھی) اُسے روندتے ہوں گے۔

جہنمی کا چہرہ: کافر کے چہرے جُھلس کر بد شکل ہو جائیں گے، **تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وهُمْ فيها كالِحون.** (پ۱۸، المومنون،۱۰۴) کی تفسیر میں بروایت ابو سعید خدریؓ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، چہرہ کو دوزخ کی آگ ایسا بھون دے گی کہ اس کے اوپر کا ہونٹ اوپر چڑھ جائے گا، **حَتّىٰ تبلغ وَسْطَ رَاسِهٖ**، یہاں تک کہ سر کے درمیان تک جا پہونچے گا، اور اسکا نچلا ہونٹ نیچے کو لٹک جائے گا **حتىٰ تضْربُ سُرَّته**، یہاں تک کہ وہ دوزخی کی ناف تک جا پہونچے گا۔ (احمد، ترمذی، حاکم)

جہنمی کی کھال: ارشاد باری ہے **اِنَّ الَّذِيْنَ كفروا بِاٰياتنا سَوْف**

نُصلِيُهِمُ نَاراً كلَّما نَضِجَتْ جُلوُدهُمُ بَدَّلنَا هُمُ جلوداً غَيُرها ليذوقوا العَذابَ، انَّ الله كان عزيزاً حكيماً (پ۵،نساء،۵۶)

بلاشبہ جولوگ ہماری آیت کے منکر ہوئے، ہم عنقریب ان کوایک سخت عذاب میں داخل کریں گے، جب ایک دفعہ ان کی کھال جل چکے گی، تو ہم اس پہلی کھال کی جگہ دوسری کھال پیدا کردیں گے، تاکہ (ہمیشہ) عذاب ہی بھگتتے رہیں، ابن حاتم اور ابن مَردویہ نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عمرؓ کے سامنے مذکورہ آیت پڑھی، تو انہوں نے فرمایا، دوبارہ پڑھو، اس نے آپ کے سامنے دوبارہ پڑھا تو حضرت معاذبن جبلؓ نے فرمایا، میرے پاس اسکی تفسیر یہ ہے کہ ایک گھڑی میں سودفعہ کھال تبدیل کی جائے گی، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، میں نے بھی اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ دوزخیوں کو ہرروز ستر ہزار بار آگ کھائے گی، (اور) جب بھی کھائے گی، انہیں حکم دیا جائے گا کہ دوبارہ اپنی پہلی حالت پرلوٹ آؤ، تو وہ ویسے ہی لوٹ آئیں گے، جیسے پہلے تھے۔

یہ تو جہنم اور جہنم کے عذاب کا مختصر سا تذکرہ تھا، ورنہ قرآن کہہ رہا ہے **وَلِكلٍّ درجٰتٌ مِمَّا عَمِلُوْا.** (پ۷،انعام،۱۳۲) یعنی ہرایک (جن وانس، نیک وبد) کیلئے، ان کے اعمال کے مطابق درجات ودرکات ہیں۔

جہنم کے دروازے اور منازل

قرآن میں ارشاد فرمایا گیا، **لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جزءٌ مقسوم** (پ۱۴، الحجر، ۴۴) اس جہنم کے سات دروازے ہیں، ہر دروازے کیلئے ان کا ایک حصہ بٹا ہوا ہے، ان کے لئے اپنے اپنے اعمال کے مطابق دروازے تقسیم شدہ ہیں۔

ابن جریر نے اُن سات دروازوں کے نام یہ بتائے ہیں، پہلا باب **جھنم**، دوسرا **لظیٰ**، تیسرا **حُطَمہُ**، چوتھا **سَعِیر**، پانچواں **سَقَرُ**، چھٹا **جهيم**، ساتواں **هاويه**.

حضرت قتادہ کہتے ہیں، یہ (ابواب) باعتبار اعمال ان کی منزلیں ہیں، اور بقول حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم، جنت کے درجات نیچے سے اوپر کو جاتے ہیں اور جہنم کے درجات اوپر سے نیچے کو چلتے ہیں، یعنی سب سے ہلکا عذاب اوپر والے کو اور سب سے بدترین عذاب نیچے والے درجہ میں ہوگا۔

حضرت ضحاک نے فرمایا، جہنم کے سات دروازے ہیں، وہی اسکی سات منازل ہیں۔ سب سے اوپر والی منزل میں اہل توحید کو ان کے (بُرے) اعمال اور دنیا میں ان کی عمروں کے بقدر عذاب دیا جائے گا۔ دوسرے طبقہ میں یہودی کو، تیسرے طبقہ میں عیسائی کو، چوتھے میں صابی کو پانچویں میں مجوسی کو، چھٹے میں مشرکین و کافرین کو اور ساتویں میں منافقین کو، منافقین کیلئے تو سب سے نیچے والی منزل متعین

ہے،ارشاد باری ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الاَسْفَلِ مِنَّ النَّارِ (پ۵، النساء،۱۴۵)بیشک منافقین جہنم کے نچلے طبقے میں ہوں گے۔

ابھی آپ یہ جان چکے کہ ہر ایک کیلئے ان کے اعمال کے مطابق درجے ہیں، پھر نہ اچھے بُرے برابر ہو سکتے ہیں اور نہ مومن، کافر برابر ہو سکتے ہیں۔

قرآن کا اعلان ہے اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوانَ اللّٰه کَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِنَ اللّٰه وَمَا ویٰه جَهَنَّم وَبِئْسَ الْمَصِیْر ،هُمْ درجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَا للّٰهُ بَصِیْرٌ بِمَا یَعْمَلُونَ. (پ۴،آل عمران،۱۶۲،۱۶۳)

سو ایسا شخص جو رضائے حق کا تابع ہو، کیا وہ اس شخص کے مثل ہو جائے گا جو غضب الٰہی کا مستحق ہے،اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے، جو بدترین جگہ ہے، اُن (متبعین رضائے حق) کے بڑے مرتبے ہیں، خدا کے پاس، اور اللہ تو ان کے اعمال کو بخوبی دیکھ رہا ہے۔

منعمین باری اور مغضوبین الٰہی کے درجات تو بالکل ہی جدا جدا ہیں، پھر جو مومنین صالحین یا مومنین ومذنبین ہیں، ان میں بھی ہر ایک کے درجات مختلف ہیں، اسی طرح جو مشرکین و کافرین ہیں ان میں بھی ہر ایک گروہ کے درکات الگ الگ ہیں، ظاہر ہے کہ ان تمام درجات و درکات پر گفتگو اگرچہ افادہ سے خالی نہیں ہے، مگر بات طویل ہو جائے گی۔ چونکہ یہاں جنت اور جہنم کی ایک جھلک اور اس کا کچھ منظر پیش کرنا مقصود تھا۔ تاکہ جنت کی بیش بہا نعمتوں کو جان کر جنت کے حصول کا جذبہ بیدار ہو جائے۔ اور جہنم کے عذاب کو پڑھ کر اس سے نجات کی فکر پیدا ہو جائے۔ اور یہ دونوں

چیزیں وقت کی قدردانی یااسکی بربادی، اعمال صالحہ یا اعمال سیۂ پر موقوف ہیں۔

اور اَبْ... مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات

کہ آپ کا مقصود کیا ہے؟ دنیا یا آخرت؟ دونوں میں کامیابی وقت کے صحیح استعمال پر موقوف ہے۔ اور اسی وقت کے سائے میں جنت اور جہنم کی نمائش ہے۔

وقت کو ضائع ہونے سے بچا کر، اگر خود کو ایمان، اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ کرلیا جائے۔ تو بلا شبہ فِی مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُقْتَدِرٍ (پ۲۷، القمر، ۵۵) مقدر بن جائے، یعنی قدرت والے بادشاہ کے پاس کرامت، رضا مندی، فضل وامتنان، اور جود واحسان والی بیٹھک اس کی جگہ ہے۔ اللہ! ہم سب کو اس دارِ کرامت میں جگہ عطا فرمائے، اور دنیاوی زندگی کے گذرتے ہوئے لمحات واوقات کو علم وعمل، زہد وورع، اخلاق واخلاص اور غناء وتقویٰ کے نور سے اس طرح منور فرمادے کہ ہم اس کی پاکیزہ روشنی میں جنت کو پالیں اور جہنم کے خوفناک عذاب سے خود کو بچالیں۔

جہنم کا عذاب کتنا سخت ہوگا کہ فرشتے بھی ایمان والوں کیلئے حق تعالیٰ سے حفاظت کی دعاء مانگتے ہیں، مگر افسوس! ہم اس سے غافل ہیں، نہ جہنم کا خوف ہے نہ اس سے بچنے کی کوئی فکر ہے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی ☆ تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

﴿اہل ایمان کیلئے فرشتوں کی دعاء﴾

ارشاد باری ہے اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ

رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْماً. وَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ. (پ ۲۴، غافر، (مومن) آیت ۷)

عرش کے اٹھانے والے، اور اس کے آس پاس کے فرشتے، جو اپنے رب کی تسبیح، حمد کے ساتھ کرتے رہتے ہیں، اور ایمان والوں کیلئے استغفار کرتے رہتے ہیں، کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہر چیز کو اپنی بخشش اور علم سے گھیر رکھا ہے، پس تو انہیں بخش دے جو توبہ کریں، اور تیری راہ کی پیروی کریں، تو انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

جہنم کے عذاب کا ہی تو وہ ہوش ربا تصور ہے کہ جس کے ذکر و خیال سے اللہ والوں کی آنکھیں اشکبار ہو جایا کرتیں تھیں اور بسا اوقات اس کا خوف انہیں ہوش سے بھی بیگانہ کر دیتا تھا، خود آپ ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ جب ایک شخص سے یہ آیت سنی انَّ لَدَینا انکالاً وَّ جَحِيماً الخ تو آپ رونے لگے، اور آپ پر غشی طاری ہوگئی، جب کہ آپ معصوم ہیں اور غفر له ماتقدم مِنْ ذنبک وما تأخّر کا حق تعالیٰ نے آپ کے لئے فیصلہ فرما دیا ہے۔

﴿جہنم کی یاد اور اس کے ذکر سے رونا﴾

ایک مرتبہ حضرت حسن بصری رونے لگے، تو کسی نے کہا، آپ کو کس چیز نے رُلایا، تو فرمایا، مجھے ڈر ہے کہ کل کو میں جہنم میں پھینک دیا جاؤں، اور مجھے (دنیا میں) اس کی پرواہ نہ ہو۔

عبدالرحمٰن بن حارث فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت حنظلہ کے پاس یہ آیت پڑھی لَھُمْ مِنْ جَھَنَّم مِھَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِھِمْ غَواش (الاعراف،۱۴)تو حضرت حنظلہ روپڑے، حتی کہ میں نے گمان کرلیا کہ ان کی روح پرواز کرچکی ہے۔
ترجمہ: ان (دوزخیوں) کیلئے آتشِ دوزخ کا بچھونا ہوگا، اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا۔

علی بن خشرم کہتے ہیں کہ میں نے منصور بن عمار کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ ایک روز میں نے مسجد حرام میں گفتگو کی اور کچھ جہنم کے حالات ذکر کیے، تو میں نے فضَیْل بن عیاض کو دیکھا کہ انہوں نے دوزخ کے یہ حالات سن کر ایک چیخ ماری، حتی کہ بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز جب وہ مدینہ کے گورنر تھے، ایک آدمی نے یہ آیت پڑھی، اِذا اُلْقُوا مِنھَا مکاناً ضَیّقاً الخ تو اس کو سن کر رو پڑے، حتی کہ ان پر رونا غالب رہا، اور ہچکیاں بلند ہونے لگیں، تو اپنی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور گھر چلے گئے۔

﴿جہنم پر ہر ایک کو پہونچنا ہے﴾

اِن مِنکُم الاوارِدُھَا علیٰ رَبِّک حَتْماً مَّقْضِیّاً (پ۱۶،مریم،۷۱) تم میں سے ہر ایک وہاں وارد ہونے والا ہے، یہ تیرے پروردگار کے ذمے قطعی فیصل شدہ امر ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ ایک بار اپنی بیوی کے گھٹنے پر سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے

کہ رونے لگے، آپ کی اہلیہ بھی رونے لگیں، تو آپ نے پوچھا؟ تم کیوں رو رہی ہو، جواب دیا، آپ کو روتا دیکھ کر، تو آپ نے کہا مجھے تو یہ آیت **وَاِنْ منکم الا وارِدُھا الخ** . یاد آ گئی اور رونا آ گیا، مجھے کیا معلوم کہ میں نجات پاؤں گا یا نہیں (ابن کثیر)

حضرت ابومیسرہ جب رات کو اپنے بستر پر سونے کیلئے جاتے رونے لگتے اور زبان سے بے ساختہ نکل جاتا، کہ کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا، کہ آخر اس رونے دھونے کی وجہ کیا ہے تو فرمایا یہی آیت، **ان مِنکم الخ** یہ تو ثابت ہے کہ وہاں جانا ہے، اور یہ نہیں معلوم کہ نجات بھی ہوگی یا نہیں۔

ایک بزرگ نے اپنے بھائی سے فرمایا کہ آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ ہمیں جہنم پر سے گذرنا ہے، بھائی نے جواب دیا، ہاں یقیناً معلوم ہے، پھر پوچھا کہ کیا یہ بھی جانتے ہو کہ وہاں سے پار ہو جاؤ گے، فرمایا اس کا کوئی علم نہیں، پھر ہمارے لئے ہنسی اور خوشی کیسی؟ یہ سن کر موت کی گھڑی تک ان کے ہونٹوں پر ہنسی نہیں آئی۔

﴿جہنم پر ورود کی نوعیت﴾

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **ترِد النّاس النّار ثم یصدرون عنها بأعْمَالِهِمْ فاوّلهُمْ کلمع البرق ثم کالریح ثم کحضر الفرس ثم کالراکب فی رحلهٖ ثمَّ کسیر الرجل ثمَّ کمشیهٖ .**

(خرجہ الترمذی وخرجہ الحاکم)

ترجمہ: لوگ جہنم پر وارد ہوں گے، پھر وہاں اپنے اعمال کے مراتب کے موافق گذریں گے، پہلا آدمی بجلی کی طرح ایک لمحہ میں گذرے گا، پھر (دوسرا) ہوا کی طرح، پھر (تیسرا) تیز گھوڑے کے دوڑنے کی طرح، پھر (چوتھا) اونٹ کی سواری کی طرح، پھر (پانچواں) تیز رفتار آدمی کی طرح، پھر (چھٹا) آدمی کی چال کی طرح۔

﴿پل صراط کے احوال﴾

گذرنے کی یہ صورت پل صراط پر ہوگی، پل صراط کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا۔

وَالصِرَاط کحدَّالسَّیُف دحض مزلة قال فیقولون : اَنجوا عَلیٰ قدر نورکم فَمِنُهُمُ من یمرّ کا نقضاض الکوکب وَمِنُهُم مَنُ یمرّ کالطرف ومنهُمُ من یَمُرُّ کالرّیح وَمِنُهُمُ مَنُ یَمُرُّ کاشد الرجال وَیرمل رَمَلا فیمرّون علیٰ قد راَعُمَالِهِمُ حتی یَمرّ الذیٔ نورهٗ عَلیٰ ابهام قدمیه تخرّید وَتعلق یدوَتخر رجل تستعلق رجل فتصیب جوانبه النار (خرجہ الحاکم صححہ)

ترجمہ: پل صراط تلوار کی دھار کی طرح اور نہایت پھسلانے والی ہوگی، پس (فرشتے) کہیں گے اپنی روشنی کے مطابق نجات حاصل کرلو، تو ان میں کوئی گذرے گا شہاب (تارے) کے ختم ہونے کی طرح اور کچھ پلک جھپکنے کی طرح اور ان میں سے کچھ ہوا کی طرح اور ان میں سے کچھ تیز رفتار آدمیوں کی طرح، اپنے نیک اعمال کے

حساب سے گذریں گے، حتی کہ جس کا نور قدموں کے انگوٹھوں کے بقدر ہوگا وہ بھی ایک ہاتھ سے گرتا اور ایک ہاتھ سے لٹکتا ہوگا۔ اور ایک آدمی گرتا ہوگا اور ایک آدمی لٹکتا ہوگا۔ اور اس کے پہلو آگ کو چھوتے ہوں گے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ حضور ﷺ سے ایک طویل حدیث میں نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا، ثمّ یضربُ الجسُرُ عَلیٰ جَھَنّم وتحلُّ الشفاعة فیقولون : اللّٰھُمَّ سَلِّم سَلِّم. قیل یا رسُوْلَ الله وَمَا الجَسُرُ؟ قال دحضٌ مزلّة فیه خطاطیف وکلالیب وحسکة تکون بنجد فیھا شویکة یقال لھا السّعدان فیمر ہ المؤمنُ کطرف العین وکالبرق وکالریح وکالطیر وکأجاوید الخیل وَ الرّکاب فناج مُسُلم وَمخدوش مرسل ومکردسٌ عَلیٰ وَجھِہٖ فی النارِ (بخاری ومسلم)

پھر دوزخ پر ایک پل قائم کیا جائے گا اور شفاعت کی اجازت عام ہو جائے گی تو اہل جنت عرض کریں گے، اے اللہ! سلامتی ہی سلامتی عطا فرما، عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول! یہ پل کیا شئی ہے؟ فرمایا پھسلنے ہی پھسلنے کی جگہ ہے، اس میں ٹیڑھے لوہے ہیں، جن سے چیزیں اچک لی جاتی ہیں، لوہے کے کانٹے دار کونڈے ہیں جیسے نجد میں کانٹے دار جھاڑیاں ہیں جسے سعدان کہا جاتا ہے، اس سے مومن پلک جھپکنے یا بجلی یا ہوا یا پرندے یا عمدہ گھوڑے یا سواروں کی طرح گذر جائے گا، کوئی سلامتی سے نجات پائے گا، کوئی لٹک لٹک کر زخمی ہو کر نجات پائے گا، اور کوئی گھٹے ہوئے منہ کے بل دوزخ میں جا گرے گا۔ ایک طویل حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا وَیُضرب الصّراط بین ظھرانی جھنّم کقدر الشعرة اَو کحد سیف لہٗ کلا لیب

وخطاطيف وحسك كحسك السَّعدان دونه جَسْرٌ دحض مزلقة.

پل صراط کو جہنم کی پشت پر رکھا جائے گا، جو بال کے برابر تلوار کی دھار کی طرح ہے اس میں لوہے کے کنڈے، اچک لینے والے کنڈے اور سعدان (خاردار جھاڑی) کے کانٹوں کی طرح کانٹے ہوں گے۔ اس کے نیچے پھسلنے ہی پھسلنے والا پل ہوگا۔

بہر حال پل صراط جو جہنم کی پشت پر رکھا جائے گا وہ بال کی طرح باریک اور تلوار کی دھار کی طرح تیز ہوگا، اس پر سے ہر ایک نیک و بد کو گذرنا ہے۔ لوگ کس طرح گذریں گے یہ بھی معلوم ہو چکا۔

﴿مومن کے گذرتے وقت جہنم کی کیفیت﴾

مومن جب پل صراط سے گذرے گا تو جہنم کی کیفیت کیا ہوگی؟ وہ بھی سنئے۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا (مومن جب پل صراط سے گذرے گا) **تقول جهنم للمومنين جُزْ يا مؤمن فقد اطفأ نورک لهبیْ** (مقاصد الحسنہ ص:۱۷۴ بحوالہ طبرانی) جہنم مومن سے کہے گی۔ اے مومن (جلدی) گذر جا، تیرے نور نے میرے شعلوں کو بجھا دیا ہے۔

﴿پل صراط سے کون گذرے گا؟﴾

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا **يَجْمَعُ اللّٰه النَّاسَ يَوْمَ القيٰمة فيقول من كانَ يَعْبُدُ شئياً فليتبعه فيتبع الشمس من يعبد ها ويتبع**

القمر من يعبد القمر ويتبع الطواغيت من يعبد الطواغيت وتبقى هٰذه الامة فيها منافقوها. (بخاری ومسلم)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع فرمائیں گے پھر کہیں گے، جو جس کی عبادت کرتا تھا اسی کے پیچھے ہولے، پس سورج پرست سورج کے، اور چاند پرست چاند کے اور طاغوت پرست طاغوت کے پیچھے ہولیں گے۔ اس کے بعد یہ امت باقی رہ جائے گی اس میں اس کے منافقین ہوں گے۔ (بخاری ومسلم)

منافق تو پل صراط سے گذرتے ہوئے جہنم میں گر جائے گا۔ مومن کے گذرنے کا حال معلوم ہو چکا۔ ان میں سے کوئی ایسا بھی ہوگا، جس کو جہنم سے گذرنے کا پتہ بھی نہ چلے گا۔

خالد بن معدان فرماتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں پہونچ جائیں گے، کہیں گے، کہ خدائے تعالیٰ تو نے فرمایا کہ ہرایک جہنم پروارد ہونے والا ہے۔ اور ہمارا تو ورود ہوا ہی نہیں، تو ان سے کہا جائے گا، تم وہیں سے تو گذر کر آرہے ہو، اس وقت اللہ نے آگ ٹھنڈی کردی تھی۔

اگر سب جہنم میں داخل ہوں گے، تو بسبب تقویٰ آگ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جائے گی، چونکہ مومن کے احوال مختلف ہوں گے، اس لئے معاملات بھی ہرایک کے جدا ہوں گے۔

ان تمام احادیث کی روشنی میں **فلما وَرَدَ ماءَ مَدْ يَنَ** اور **يَقْدُمُ قَوْمَه يَوْمَ**

الـقِيٰـمَةِ فـاورَدَهُمُ النَّار (ہود،۹۸) میں ورود کے معنی ومفہوم کو سمجھا جا سکتا ہے کسی کو دخول کا پتہ چلے گا، کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا۔ لہٰذا جہنم میں دخول ہو، ورود ہو یا عبور ہو جو بھی مراد ہو، یعنی اگر یہ کہا جائے کہ کوئی مومن جہنم میں داخل نہ ہوگا۔ یا سب مومن جہنم میں داخل ہوں گے۔ مذکورہ احادیث کو سامنے رکھنے کے بعد ان اقوال میں کوئی تضاد نظر نہیں آتا۔

دوزخ کے عذاب کی شدت، آتش جہنم کی غیر معمولی لپٹ، اور پل صراط کی خطرناک صورت، ہر مومن کے دل کو خوف سے دوچار کرتی ہے۔ اور یہ خوف اللہ کے بندے کو نیکی پر ابھارتا ہے اور گناہوں سے بچاتا ہے۔ اور پھر وہ خلوت وجلوت میں اپنے پروردگار کے آگے، جنت کی درخواست اور جہنم سے حفاظت کی دعائیں کرتا ہے، تو خود جنت اور جہنم اللہ رب العزت سے اسکے لئے شفارش کرتی ہیں۔

﴿جنت اور جہنم کی سفارش﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا **مَـا مِـنْ مُسْلِمٍ يَسْـأل الـلّٰـهُ الـجَنَّةَ ثَلٰثاً قالت النَّار اللّٰهُمَّ اَدْخله الجنّة وَمن اسْتَجار مِنَ النَّارِ ثَلٰثاً قالت النَّار اللّٰهُمَّ اَجِرْهُ مِنَ النَّار** (ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)

جو مسلمان، اللہ تعالیٰ سے تین مرتبہ جنت کا سوال کرتا ہے، تو اسکے لئے جنت دعاء کرتی ہے کہ اے اللہ! اُسے جنت میں داخل فرمادیں، اور جو تین مرتبہ جہنم سے پناہ

طلب کرتا ہے، تو جہنم دعاء کرتی ہے۔اے اللہ! اُسے جہنم سے محفوظ فرما دیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں، کہ آپ ﷺ نے فرمایا مَا اسْتَجارَ عَبْدٌ مِنَ النَّار ِسَبْع مرَّاتٍ الا قالت ِالنَّار یارَبِّ انَّ عَبْدک فُلاناً اسْتَجارَ مِنّی فَاَجِرْ ہُ وَلَا سَألَ عَبْدٌ الجنَّة الا قالت الجنَّة یارَبِ اِنَّ عَبْدک فَلانًا سَألنی الجنّة فَاَدخِلْهُ الجنة (مسند بزار، مسند ابو یعلیٰ)۔

جو آدمی جہنم سے سات بار پناہ مانگے، تو جہنم عرض کرتی ہے، اے رب! آپ کے فلاں بندے نے مجھ سے پناہ مانگی ہے، آپ اس کی نجات فرما دیجئے، اسی طرح جس آدمی نے سات مرتبہ جنت طلب کی، تو جنت کہتی ہے کہ اے میرے پروردگار! تیرے فلاں بندے نے مجھ سے جنت طلب کیا ہے، تو اُسے جنت میں داخل فرما دیجئے۔

جنت مانگئے اور جہنم سے دور بھاگئے

حضرت کلیب بن حزن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا واطلبوا الجنَّة جُهْدکم وَاهْربوا مِنْ النَّار جهدکم فَاِنَّ الجنَّةَ لا ینام طالبُها وَاِنَّ النار َلاینامُ هَارِبُها، وَاِنَّ الاٰخِرة َالیَومَ محفوفَةٌ بالمکارِہِ وَاِن الدُّنیا مَحفوفَةٌ باللّذاتِ والشَهَواتِ، فلاتُلهِینکُمْ عن الاٰخِرَةِ (طبرانی)

جنت کو اپنی پوری کوشش کے ساتھ طلب کرو اور جہنم سے اپنی پوری کوشش سے دور بھاگو، پس جنت کے طالب کو سونا نہیں چاہئے اور جہنم سے بھاگنے والے کو بھی سونا نہیں چاہئے، کیونکہ آخرت آج ناپسندیدہ اشیاء کے گھیرے میں ہے اور دنیا لذات

وشہوات کے احاطہ میں ہے، تو یہ تمہیں آخرت سے غافل نہ کردے۔

﴿جہنم سے حفاظت اور نجات﴾

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا **لا یلج النّار رَجُلٌ بکیٰ مِنْ خشیة الله حتی یعود اللبن فی الضّرعِ** (نسائی، ترمذی)

جہنم میں وہ آدمی داخل نہ ہوگا، جو خوف خدا سے روئے، یہاں تک کہ دودھ تھن میں لوٹ جائے (یعنی جس طرح دودھ کا تھن میں واپس جانا مشکل ہے، اسی طرح خوف خدا سے رونے والے کا جہنم میں جانا بھی مشکل ہے)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا **عینانِ لا تمسُّها النّارُ عین بکت فِی جَوْفِ اللیل مِنْ خَشیة اللهِ وعین باتت تحرس فی سبیل الله عز وجلَّ** (ترمذی شریف)

دوآنکھیں ایسی ہیں کہ ان کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی، ایک وہ آنکھ جو آدھی رات کو خوف خدا سے روئے، دوسری وہ آنکھ جو فی سبیل اللہ پہرہ دیتے ہوئے جاگتی رہے، حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا **مَامِنْ عَبْدٍ مومِنٍ یخرج مِنْ عینیه دموع ولو کانَ مثل رأس الذُّباب مِن خشیة الله، ثم تصیب شئیاً مِن حرّ وجهِهٖ الا حرَّمه علی النارِ** (ابن ماجہ) جس مومن بندے کی آنکھوں سے خوف خدا میں آنسو بہہ پڑیں، خواہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہوں، پھر وہ رخسار تک جا پہونچیں تو اللہ تعالیٰ اُسے دوزخ پر حرام کر دیتے ہیں۔

سوچئے! اس کی رحمت کا فیضان کتنا عام ہے۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

اسکی رحمت اس کے غضب پر کس قدر غالب ہے کہ خوفِ خدا میں آنسو کے چند قطروں پر جہنم سے حفاظت کی ضمانت رکھدی۔

اے خدا! اسی رحمت کے واسطے سے ہم تجھ سے مانگتے ہیں ایسی آنکھیں، جو تیرے خوف سے رونے والی ہوں، اور ایسے عمل کا شوق جس میں تیری رضا ہو، اور ایسا علم جو نفع بخش ہو۔ اور ایسا کشادہ رزق جو پاکیزہ اور حلال ہو، اور ایسی زندگی جو تیری محبت سے سرشار ہو، اور ایسی خواہش جو جنت میں لے جانے والی ہو اور ایسا خوف جو جہنم سے بچانیوالا ہو، اور ایسی زبان جو تیرے ذکر اور تیرے کلام سے شاد کام ہو، اور ایسا دل جس میں ہر وقت تیری یاد ہو، اور ایسی قوت جو عمل خیر میں معین ومددگار رہو، اور ایسی فکر جس میں جنت کی طلب اور جہنم کا خوف شامل ہو۔

اور اے اللہ! ہم وہ تمام چیزیں آپ سے مانگتے ہیں جو آپ کے محبوب محمد ﷺ نے آپ سے مانگی ہیں۔ اور ہم ان تمام چیزوں کے شر سے پناہ مانگتے ہیں، جن سے آپ کے محبوب نبی محمد ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔

اور اے میرے پروردگار: تو پاک ہے ہر عیب سے، اور بے نیاز ہے ہر چیز سے، سب تعریف تیرے لئے ہی ہے ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں، کہ محض اپنے فضل وکرم سے اس کتاب کو شرف قبولیت عطا فرما، نجات کا ذریعہ بنا، اور پوری امت

کیلئے نفع بخش اور سود مند بنا، آخر میں اس دعاء پر جو نبی اکرم، نور مجسم ﷺ کثرت سے کیا کرتے تھے، اپنی کتاب کو ختم کرتا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی اکثر دعاء یہ ہوتی تھی

رَبَّنااٰتِنَا فِی الدُّنیا حَسَنَةًوَّ فِی الاٰخِرةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّار (البقرہ،۲۰۱)

اے ہمارے پروردگار ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما، اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہم کو جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما (بخاری شریف) آمین

وَآخِر دَعْوَانَا اَنِ الحَمْدُ لِلّٰهِ رَب العٰلَمِیْن وَصَلی اللّٰه علیٰ النبی الامین وَعَلیٰ اٰلِهٖ وَاصْحابِهٖ اَجْمَعِیْن

عبدالرحمٰن ساجدالاعظمی

۱۲؍ربیع الاول ۱۴۴۱ھ

مطابق ۱۰؍نومبر ۲۰۱۹ء

کوئریاپار، ضلع مئو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدرسہ شاہی مراد آباد میں تقرر سے متعلق

جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم

صدر جمعیۃ علماء ہند وصدر مدرس دار العلوم دیوبند کا

مکتوبِ گرامی

محترم المقام جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب اعظمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، خدا کرے آپ بخیر ہوں، حج سے واپسی کے بعد آپ کا خط موصول ہوا تھا، لیکن اس میں آپ نے اپنا پتہ نہیں لکھا تھا اس لئے جواب نہیں دے سکا، البتہ برابر جگہ کی تلاش میں رہا، اس درمیان جونپور میں ایک جگہ سامنے آئی بھی۔ لیکن آپ کے مناسب نہ تھی آپ کی مادر علمی میں تعلیمی کمیٹی نے شوریٰ کو رپورٹ پیش کی جس میں تاریخ پڑھانے کے لئے اور املاء ٹھیک کرانے کیلئے ایک آسامی کی سفارش کی تھی، شوریٰ نے کسی کے تقرر کو راقم الحروف، شیخ الحدیث، حضرت مہتمم صاحب اور حاجی غضنفر الدین صاحب کو محول کر دیا، کہ یہ لوگ جس کو مناسب تصور کریں تقرر کر دیں، میں نے اس جگہ کو آپ کے لئے مناسب جانا، دوسری درخواستیں موجود تھیں، چونکہ اپنے مدرسہ کے فارغ کو دوسروں پر تفوق ہوگا، اس لئے میں نے آپ کا نام پیش کیا دیگر حضرات نے اس کی تائید کی، یہ تقرر شوال سے انشاء اللہ عمل میں آئے گا، درسی کتابوں کا بھی انشاء اللہ کچھ طور پر کوئی سلسلہ نکل آئے گا، پھر اپنے اساتذہ کی صحبت میں رہنے سے علمی مشغلہ میں بڑی مدد ملے گی، چونکہ مدرسہ میں اس فن کے لئے نئی آسامی منظور ہوئی ہے، اس لئے ابتدائی گریڈ میں ہے، جس کی انتہاء ۹۰ روپئے ہے، اور ۱۰۰ روپئے گرانی آلاؤنس ہے، گویا کہ ایک سو نوے (۱۹۰) روپئے آخری تنخواہ ہے، بہر حال راقم الحروف اس جگہ کو آپ کے لئے مناسب سمجھتا ہے، یہاں ترقی کے مواقع ہیں، غور کر کے بلکہ استخارہ کر کے کوئی رائے قائم کریں، اور جلد ہی مجھکو مطلع کریں۔ پرساں احوال حضرات سے سلام فرمادیں۔

والسلام

ارشد غفرلہٗ

۲۵/۶/۱۹۷۳ء

عکس تحریر مکتوب گرامی

مکرم المقام جناب مولانا عبد الرحمن اعظمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ مجھے [illegible] کے بعد [illegible] موصول ہوا [illegible]

[illegible] نہیں لکھا [illegible] جواب [illegible]۔ البتہ [illegible]

[illegible] آپ [illegible] تعلیمی کمیٹی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

موجود [illegible]

دیگر حضرات [illegible] ان شاء اللہ [illegible]

[illegible]

[illegible] ۹۰ روپے [illegible]

[illegible] ۹۰ روپے [illegible]

[illegible] جلدی مجھ کو مطلع کریں

[illegible] والسلام

[illegible]

۲۵/۶/۱۹۷۳

مطبوعات مکتبہ حارث